قواعد و ضوابط

(۱) نونہال ہر انگریزی مہینہ کی ۸-۱۵-۲۲-اور ۲۹ تاریخ کو دارالاشاعت ادب لطیف لاہور سے شائع ہوجایا کریگا۔

۱۱۹

(۲) رسالہ کی ضخامت کم ازکم ۱۶ صفحوں کی ہوگی۔

(۳) جو مضامین تعلیم و تہذیب اور تربیّت اطفال کے اصول پر اور آسان زبان میں لکھے گئے ہوں۔ درجِ رسالہ ہوسکیں گے۔

(۴) مضامین کے متعلق جملہ خط و کتابت ایڈیٹر سے ہونی چاہیئے۔

(۵) فرمائشیں اور چندے اور اسی قسم کے انتظامی معاملات کے متعلق مینجر سے خط و کتابت کرنی چاہیئے

(۶) خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ جو لفافہ پر درج ہے۔

(۷) جواب طلب معاملات کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا ضروری ہے۔

(۸) ارسال چندہ کے ساتھ منی آرڈر فارم پر اپنا صاف نام و پتہ درج کرنا چاہیئے۔

(۹) نونہال کے لئے صرف ایسے اشتہارات لئے جاسکتے ہیں۔ جو بچّوں کے پڑھنے کے قابل ہوں۔

(۱۰) رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں ایک ہفتہ کے اندر دفتر نونہال میں اطلاع پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ رسالہ دوبارہ مُفت روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۱۱) نونہال کا سالانہ چندہ ستے روپے ششماہی للعہ روپے ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۳ کے ٹکٹ بھیجکر منگائیے

مینجر رسالہ نونہال-لاہور

۴۸۶

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱ | اشاعت مورخہ ۱۵۔ اگست ۲۲ء | نمبر ۶

۱۱۹

فہرست مضامین

نونہالو!

آج ہم نہایت خوشی کے ساتھ تمہارے پڑھنے کے لئے جنابہ "قمر" کا مضمون "روح کا لباس" شائع کر رہے ہیں۔ جنابہ "قمر" ایک مُعزّز اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ ہم اُن کے بہت شکرگزار ہیں۔ کہ اُنھوں نے "نونہال" کے لئے اپنا مضمون عنایت کیا۔ وہ آئندہ بھی تُمہارے لئے مضامین عنایت فرماتی رہینگی۔ "رُوح کا لباس" ایک اخلاقی کہانی ہے۔ جس میں اچھّے کپڑوں اور امیری کے غرور سے بچنے، اور غریبوں اور غریبی کے لباس سے نفرت نہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے امید ہے۔ کہ تُم بھی اس کو پڑھوگے سمجھوگے اور اس پر ہمیشہ عمل کروگے۔

اس مرتبہ "نیک دِل شہزادے" یعنی سدھارتھ کی کہانی کے ساتھ جو تصویر دی گئی ہے۔ وہ سدھارتھ کے بچپن کی نہیں ہے۔ بلکہ جوانی کی ہے۔ ہمیں چونکہ اُس کے بچپن کی تصویر ملی نہیں۔ اس لئے مجبوراً یہ تصویر اُس وقت کی شامل کردی گئی ہے۔ جب سدھارتھ جوان ہوگیا تھا۔ یہ تصویر اگرچہ بدھ کی عام تصویروں سے ملتی جُلتی نہیں ہے۔ لیکن یہ قدیم گندھارا (یوسف زئی) کے بُت کے مطابق ہے۔ جو صدیوں کے بعد وہاں کے کھنڈروں میں ملی۔

تن آسانی[1]

غریبوں کا ہے ورثہ[2] سہل انگاری[3] تن آسانی
اسی سے ہو گئی بستے گھروں کی خانہ ویرانی[4]

بڑھا دیتی ہے مشکل کو ارادوں[5] کی پریشانی
مٹا دیتی ہے ناکامی[6] کو ہمت کی فراوانی[7]

بہادر منزل دشوار کو آساں سمجھتے ہیں
شکستوں کو بھی اپنی فتح کا ساماں سمجھتے ہیں

وقت

ہے وقت ایک برق[8] جو ہر دم ہے بیقرار
اس کا اثر ہے عمر پہ ہر شے[9] کی آشکار[10]

جو کام آج کا ہے نہ کل ہو گا زینہار[11]
کرنا نہیں ہے وقت کسی کا بھی انتظار

دن رات بھاگنے ہی کی عادت ہے وقت کو
انساں کی کوششوں سے عداوت[12] ہے وقت کو

(لفظوں کے معنی یاد کرو۔ اور اشعار کو سمجھو)

۱ سستی۔ کاہلی۔ آرام طلبی۔ ۲ حصہ۔ ۳ آسان سمجھ لینا۔ ۴ گھر اُجڑنا۔ ۵ یعنی کبھی کوئی ارادہ کرنا اور کبھی کچھ اور۔ ۶ ناکامیابی ۷ زیادتی۔ ۸ بجلی۔ ۹ چیز۔ ۱۰ ظاہر۔ ۱۱ ہرگز۔ ۱۲ دشمنی۔

حضرت یونسؑ

حضرت یونسؑ بھی خدا کے سچّے نبی تھے آپ اپنی اُمّت کو مدّت تک نصیحتیں فرماتے رہے۔ لیکن وہ لوگ کسی طرح ایمان نہ لاتے تھے۔ اور طرح طرح کی مخالفتیں کرتے رہتے تھے۔

آخرکار تنگ آکر آپ ایک رات گھر سے نکل کر اور قوم کو چھوڑ کر ایک طرف چل دیئے۔ یہ بات خدا کی مرضی کے خلاف تھی۔ کیونکہ پیغمبر کو قوم کی ہدایت سے گھبرانا نہ چاہیئے۔ اور تمام تکلیفیں اور مخالفتیں گوارا کرنی چاہئیں غرض چلتے چلتے آپ ایک دریا کے کنارے پہنچے وہاں پار اُتارنے کے لئے ایک کشتی موجود تھی۔ جس میں اور لوگ بھی بیٹھے تھے۔ آپ بھی کشتی پر سوار ہو گئے۔ کشتی تھوڑی دُور چل کر رُک گئی۔ اور کسی طرح نہ چلی۔ ملّاح نے کہا۔ کہ غالباً اس کشتی میں کوئی ایسا غلام سوار ہے۔ جو اپنے آقا اور مالک سے بھاگ کر آگیا ہے۔

لیکن بظاہر کسی شخص پر یہ شبہ نہ ہو سکا مجبوراً قرعہ ڈالا گیا۔ قرعہ میں حضرت یونسؑ ہی کا نام نکلا۔ لوگوں نے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ کشتی چلی گئی۔ اور آپ کو ایک مچھلی نگل گئی۔ آپ فوراً ہی سمجھ گئے۔ کہ اپنے آقا سے بھاگا ہُوا غلام میں ہی ہوں۔ کیونکہ آپ تو ہدایت کے لئے مقرّر تھے۔ اس لئے ہدایت کے کام کو چھوڑ کر چل دینے کا کوئی مجاز نہیں اِس خیال کے آتے ہی آپ خدا سے شرمندہ ہُوئے۔ اور عاجزی کے ساتھ استغفار پڑھنے اور اپنے گناہ کی معافی کی دُعا کرنے لگے۔ خُدا نے آپ کا گناہ بخش دیا۔ مچھلی نے ایک دن دریا کے باہر آپ کو ریت پر اُگل دیا۔ پھر آپ صحت اور سلامتی کے ساتھ اپنے گھر واپس تشریف لائے۔ اور ہدایت

فرمانے لگے۔ اب خدا نے لوگوں کے دلوں پر اثر ڈالا۔ اور آپ کی قوم کے لوگ ایمان لے آئے۔ اور آپ کی نبوّت کامیاب ہوئی۔

قدر و قیمت

قدر اور قیمت دو ایسے لفظ ہیں۔ جن کا صحیح مطلب سمجھنے کی بہت کم کوشش کی جاتی ہے اور عام طور پر قیمتی چیز کو قابلِ قدر اور قابلِ قدر کو قیمتی سمجھ لیا۔ اور کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر یہ غلطی ہے۔ اگر تم ذرا غور کرو، تو دونوں کا صحیح مطلب سمجھنے لگو۔ اصل میں، قابلِ قدر وہی چیز ہے۔ جو آدمی کی زندگی کے لئے مفید یا ضروری ہو۔ یا جو چیز جسمانی اور دماغی ترقی میں مدد دے۔ ہوا اور پانی، قابلِ قدر ہیں۔ کیونکہ بغیر ان کے زندہ رہنا ناممکن ہے۔ ورزش قابلِ قدر ہے۔ کیونکہ اُس سے تندرستی بڑھتی اور جسم میں توانائی پیدا ہوتی ہے۔ علم قابلِ قدر ہے کیونکہ آدمی کی تمام دماغی ترقیوں کا ذریعہ وہی ہے۔ مگر سونا قابلِ قدر نہیں ہے۔ وہ صرف قیمتی ہے۔ کیونکہ لوگ اسے صرف پسند کرنے لگے ہیں۔ اور بہ نسبت لوہے کے وہ خوشرنگ ہوتا۔ اور اُس کی کانیں کم پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہیرا قابلِ قدر نہیں ہے۔ بلکہ قیمتی ہے۔ وہ شیشے کو خوب کاٹتا ہے۔ اُس کی چمک لوگوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور چونکہ وہ آسانی سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے مہنگا اور قیمتی ہے۔

لطیفہ

ایک محفل میں ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ انسان جبتک فارغ البال نہ ہو۔ اُس وقت تک اُس کی زندگی بدمزہ رہتی ہے۔ اتّفاق سے وہاں ایک گنجے صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔ شکر ہے۔ کہ ہم تو ہمیشہ ہی فارغ البال ہیں۔

نیک دِل شہزادہ

(۱)

شام کا وقت تھا۔ کپل وستو کے شاہی محل میں دو لڑکے تیر کمان لئے کھیل رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام دیودت تھا۔ دوسرے کا سدھارتھ۔ دونوں راجکمار تھے۔ اور دونوں کے چہروں سے شاہی شان و شوکت ظاہر ہو رہی تھی۔ یکایک دیودت نے تیر کمان میں جوڑا اور آسمان میں اُڑنے والے راج ہنسوں پر چھوڑ دیا۔ سدھارتھ رحم دل شہزادہ تھا۔ اُس کا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ مگر دیودت کو اس کی پروا نہ تھی۔ اُس کے تیر نے ایک ہنس کو زخمی کر دیا۔ اور وہ تڑپتا ہوا زمین پر گرا۔ سدھارتھ کی خوبصورت آنکھوں سے پانی کے قطرے بہنے لگے۔ اور اُس نے دوڑ کر ہنس کو گود میں لے لیا۔ مگر وہ سخت زخمی تھا۔ اور اُس کے زندہ بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔

دیودت کھیل کود میں مصروف ہو گیا۔ اور اُسے خیال تک نہ رہا۔ کہ مَیں نے ایک معصوم پرندے کو بغیر کسی وجہ کے زخمی کر دیا ہے۔ مگر سدھارتھ اُسے لیکر شاہی حکیم کے پاس پہنچا۔ اور بولا۔ "اس کے زخم پر مرہم لگا دیجئے۔ یہ بہت بیتاب ہو رہا ہے۔"

حکیم شہزادہ کی اس ہمدردی پر بہت خوش ہوا اور اُس نے دوزانو ہو کر پیشینگوئی کی۔ کہ "اے شہزادے! تو کسی دن دُنیا میں آفتاب کی طرح چمکیگا۔"

(۲)

تین چار دن تک سدھارتھ ہنس کی مرہم پٹی کرتا رہا۔ اور کھیل کود سب کچھ بھول گیا۔ اُسے صرف ایک خیال تھا۔ کہ کسی طرح یہ ہنس بچ جائے

رسالہ ناول

گوتم بدھ

اُسے تڑپتے دیکھ کر وہ خود اس طرح بیتاب ہو جاتا تھا۔ گویا ہنس کی بجائے وہ خود زخمی ہو رہا ہے۔ آخرکار اُس کی آرزو پوری ہوگئی۔ راج ہنس کے زخم بھر گئے۔ مگر وہ ابھی اُڑنے کے قابل نہ ہوا تھا۔ کہ دیودت نے سامنے آکر کہا۔ "سدھارتھ! یہ پرندہ تو میرا ہے۔ تم اسے کہاں لئے پھرتے ہو"۔

سدھارتھ نے راج ہنس کو گلے سے چمٹا لیا۔ اور جواب دیا۔ "نہیں تمہارا نہیں۔ میں اسے تمہارے حوالے کبھی نہ کرونگا"۔

دیودت۔ کیوں نہ کروگے میں مہاراج سے شکایت کرُونگا۔ کیا پھر بھی نہ دوگے"؟

سدھارتھ۔ "پھر بھی نہیں دُونگا"۔

(۳)

دیودت نے اُسی وقت دربار میں پہنچ کر مہاراج شدھودن سے شکایت کردی۔

اتنے میں سدھارتھ بھی دربار میں آگیا۔ راج ہنس اُس وقت بھی اُس کے سینے سے چمٹا ہُوا تھا۔ اور سدھارتھ اُس کی گردن پر پیار سے آہستہ آہستہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔

مہاراج ایک پرندے کے ساتھ بیٹے کی اس محبت کو دیکھکر پھُولا نہ سمایا۔ لیکن دیودت بھی اُس کا رشتہ دار تھا۔ اس لئے اُسے آسانی سے نہ ٹال سکا۔ مقدمہ کا دربار میں تصفیہ کرنا لازمی ہوگیا تھا۔ اُس نے مُسکراکر سدھارتھ سے کہا۔ "بیٹا! سچ سچ بتاؤ۔ یہ راج ہنس کس کا ہے"۔

سدھارتھ نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ "میرا"

دیودت نے چلّا کر کہا۔ "جھُوٹ بولتا ہے۔ یہ راج ہنس میرا ہے"۔

مہاراج نے پُوچھا۔ "کس طرح"؟

دیودت۔ "یہ راج ہنس آسمان میں اُڑا چلا جارہا تھا۔ میں نے اس کے تیر مارا۔ یہ زخمی ہوکر

زمین پر گر گیا۔ اس لئے اس پر میرا حق ہے۔
اس سے پوچھئے یہ ٹھیک ہے یا نہیں؟"
سدھارتھ۔ "یہ درست ہے۔"
مہاراج۔ "تو پھر یہ ہنس تمہارا کیسے ہو گیا؟"
سدھارتھ۔ مہاراج! دیودت نے اسے زخمی کر دیا تھا۔ اگر میں اس کی خبرگیری نہ کرتا تو یہ ضرور مر چکا ہوتا۔ اس لئے دیودت کا حق اس پر اُس وقت تھا۔ جب یہ زخموں سے تڑپ رہا تھا۔ مگر میں نے اسے تندرست کر دیا ہے۔ اب اس پر میرا حق ہے۔ دیودت کا نہیں۔"

مہاراج حیران تھے۔ وہ اس مقدمہ کا فیصلہ نہ کر سکتے تھے۔ آخر اُن کے گُرو نے آکر کہا۔ سدھارتھ اور دیودت آمنے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ اور درمیان میں ہنس کو چھوڑ دیا جائے۔ وہ جس کے پاس چلا جائے اُس کے حوالے کر دیا جائے۔

(۴)

دیودت اور سدھارتھ چند گز کے فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔ درمیان میں ہنس چھوڑا گیا۔ وہ اس وقت اس طرح سہما ہوا تھا۔ جیسے بلّی کو دیکھ کر کبوتر سہم جاتا ہے۔ گُروجی نے دیودت کو اشارہ کیا۔ اُس نے آگے بڑھکر ہنس کی طرف دیکھا۔ اور پچکار کر کہا "آجا"۔
مگر ہنس نے مُنہ پھیر لیا۔
اس کے بعد گُروجی نے سدھارتھ سے کہا "لو بھائی! اب تم بُلا لو۔ اگر تمہارے پاس آگیا تو تمہارا۔ ورنہ کسی کا بھی نہیں"۔
سدھارتھ مُسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ اور ہنس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت بھی اُس کی نگاہوں میں وہی محبّت بھری ہُوئی تھی۔ ہنس نے اُن زندگی بخشنے والی نگاہوں کو فوراً پہچان لیا۔ اور زخمی پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے سدھارتھ کی طرف بڑھا۔

دربار میں شور مچ گیا۔ سدھارتھ کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ ہنس اُسے مل گیا۔ اور وہ اُس کی مرہم پٹی میں پھر اُسی طرح مصروف ہو گیا۔

(۵)

پھر ایک ہفتہ کے بعد ہنس بالکل تندرست ہو گیا۔ تو سدھارتھ اُسے لیکر محل کی چھت پر چڑھ گیا۔ اور اُس سے مخاطب ہو کر بولا۔ کہ "اے ہنس! میرا دل تجھے پیار کرتا ہے۔ مَیں چاہتا ہوں۔ کہ تجھے آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دُوں۔ لیکن مَیں جانتا ہوں۔ کہ تو اپنے بال بچّوں کے لئے اُداس ہو رہا ہے۔ اس لئے جا اور اُن کے ساتھ ہنس کھیل کر زندگی کے دن گزار لیکن پھر کبھی شہر کی طرف نہ آنا۔ ورنہ پھر کوئی شکاری تجھے زخمی کر دیگا۔"

یہ کہتے کہتے راج ہنس کو اُڑا دیا۔ مہاراجہ شدھودن یہ دیکھ رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُنھوں نے محبت سے بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور کہا۔ "بیٹا! تو کسی دن بڑا آدمی بنے گا۔"

اور یہ سچ ہُوا۔ کیونکہ آخر میں وہی سدھارتھ مہاتما بُدھ کے نام سے مشہور ہُوا۔ اور اُس نے دُنیا میں ایک نیا مذہب قائم کیا۔

بدعہدی

کسی جنگل میں ایک گڈریا بانسری بجا رہا تھا۔ ایک پری اُس کے سامنے آئی۔ اور کہنے لگی۔ "تم مجھ سے شادی کر لو۔" گڈریا خوش ہو کر بولا۔ "اچھا"

اس کی رضامندی کے بعد پری نے جادو سے گڈریے کو بہت ہی خوبصورت بنا دیا۔ جب پری نے اُس کو اپنے گھر لے جانا چاہا۔ تو گڈریے نے کہا۔ کہ مجھے تھوڑی دیر کی مہلت دو۔ تاکہ اپنے گھر کے لوگوں

ہو آؤں"۔ گڈریے کا مکان قریب کے شہر میں تھا۔ پری نے اُس کی سواری کے لئے منتر سے گھوڑا پیدا کر دیا۔ اور گھر جانے کی اجازت دے دی۔

گڈریا شہر میں داخل ہُوا۔ سامنے سے اس مُلک کی شہزادی آ رہی تھی۔ اُس نے اس گڈریئے کو دیکھا۔ جو پری کے جادو سے بہت ہی خوبصورت ہو گیا تھا۔ شہزادی ٹھہر گئی۔ اور گڈریے سے دعوت کی درخواست کی۔ گڈریے نے دعوت قبول کر لی۔ اور شہزادی کے ساتھ شاہی محل میں پہنچ گیا۔ محل کی آرائش دیکھ کر اُس کی نیت بدل گئی۔ وہ سوچنے لگا۔ کہ اگر میں اس شہزادی سے شادی کر لوں تو اس مُلک کا بادشاہ ہو جاؤنگا۔ پری کے پاس کون جائے

اس خیال کے آتے ہی یکلخت اُس کی جادو کی خوبصورتی اُڑ گئی۔ اور وہی میلا کچیلا بدشکل بڈھا گڈریا ہو گیا۔ جیسا جادو سے پہلے تھا۔ شہزادی نے جیسے ہی اُس پر نظر ڈالی نفرت سے مُنہ پھیر لیا۔ اور فوراً محل سے نکلوا دیا۔ گڈریا جنگل میں پُہنچا۔ تو وہاں پری کو بھی غائب پایا۔ یہ اپنی بدعہدی پر جو اس نے پری سے کی تھی۔ بہت پچھتاتا تھا۔ روز بانسری بجاتا اور پری کا انتظار کرتا۔ مگر پھر وہ کبھی نہ آئی۔

لطیفہ

ایک دفعہ ایک ظریف نے کسی شریف آدمی سے پُوچھا" کیوں جناب چاند کدھر سے نکلتا ہے"

" یہ تو آپ جس بیوقوف سے پُوچھتے وہی بتا دیتا"

ظریف بولا" اسی لئے تو آپ سے دریافت کیا ہے"

غرور کی پہچان

زاہد نے کہا" زینت و اسباب پہ جو لوگ
اتراتے ہیں اِک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے"
حالی نے کہا" جن کو ہے اترانے سے نفرت
اترا کے وُہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے"

زرداد

شہنشاہ بابر کا دوست

مسلسل قصہ

(۶)

بابر کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے۔ کہ خواجہ محمدؐ جو بڑے غور سے قلعہ کی شمالی جانب دیکھ رہا تھا ذرا گھبراہٹ سے چلّایا۔ مگر یہ گرد کیسی ہے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دشمن اِدھر کا رُخ کئے آرہا ہے۔"

بابر اور امیر شیرم طغائی نے ایک ساتھ گردن پھیر کر اس طرف نظر دوڑائی۔ خُدا جانے اس نظارے نے بابر پر کیا اثر کیا۔ کہ وہ شیر کی مانند گرج کر بولا۔ "دُشمن آرہا ہے۔ تو کیا ڈر ہے۔ مَیں یہیں مقابلہ کرونگا۔ یہی بہتر ہے۔ کہ فرغانہ میں وہی شخص داخل ہو جو اس تاج و تخت کے لئے دونوں میں زیادہ موزوں ہے۔"

امیر شیرم طغائی جو زیادہ تجربہ کار اور دُنیا کے سرد و گرم دیکھ چکا تھا۔ جہاں بابر کی ہمّت پر خوش ہُوا۔ وہیں اس کی بے باک تجویز پر عمل کرنے کے لئے رضامند نہ ہوسکا۔ اس لئے اُس نے دست بستہ عرض کیا۔ "حضور کے اقبال سے ہم نمکخوار جانیں قربان کرنے کے لئے موجود ہیں۔ پھر آپ کو خطرے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"

بابر نے ذرا ترشرو ہوکر جواب دیا۔ "تیمور کی اولاد دشمن کے مقابلہ کے لئے سب سے پہلے اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی عادی ہے۔"

خواجہ محمدؐ نے جو چپ چاپ کھڑا تھا۔ بڑھ کر سمجھانا شروع کیا۔ "آغو سلطان! قلعہ میں چلکر

اپنی فوج کو قاعدے سے قلعہ کی حفاظت کے لئے مقرر فرمائیے۔ ایک بڑے لشکر کا مقابلہ اس کھلے میدان میں عقلمندی کے خلاف ہے۔ امیر شیرم طغائی اور اُن کے سپاہی آپ کے احکام کی پابندی کرنے کے لئے موجود ہیں۔ دشمن کو موقع دیجئے۔ کہ قلعہ کا محاصرہ کرے میں فرغانہ جاتا ہوں۔ اور کمک کا بندوبست کرتا ہوں جب فرغانہ کے وفادار سردار اپنے سپاہیوں سمیت پُہنچ جائیں۔ تو آپ اندر سے اور ہم باہر سے حملہ کر دینگے۔ اور دشمن کو پیس ڈالیں گے" بابر کے چہرے پر کامیابی اور فتح کی روشنی چمکنے لگی۔ اور اُس کے دِل پر خواجہ محمدؐ کے مشورہ کا اثر ہُوا۔ کچھ سوچکر بولا "بہت بہتر" تجویز معقول ہے۔ بہرحال مَیں چچا سے یہیں مقابلہ کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی صورت میں فرغانہ کو فتنہ فساد سے بچانا میرا فرض ہے۔"

امیر شیرم طغائی یہ دیکھ کر کہ آخر بابر احتیاط کرنے پر رضامند ہو گیا ہے۔ کہنے لگا۔ مگر خواجہ محمدؐ آپ کا جانا مصلحت کے خلاف ہے۔

قلعہ کے صدر اور شمالی وجنوبی دروازوں کی حفاظت کے لئے ایک ایک سردار کی ضرورت ہے۔ سلطان خود صدر دروازے کے سپاہیوں کی دیکھ بھال کرینگے۔ شمالی اور جنوبی دروازہ کے لئے میری اور آپ کی موجودگی لازمی ہے۔ مَیں یہ کام صرف سپاہیوں پر نہیں چھوڑ سکتا۔ خصوصاً جب کہ مقابلہ پر سلطان احمد مرزا سا شوکت اور طاقت والا بادشاہ ہو۔" خواجہ محمدؐ یہ سُنکر سوچ میں پڑ گیا۔ مگر بابر نے کہا۔ "وقت کم ہے۔ اور کام زیادہ دشمن کی فوجیں ساعت بساعت قریب آ رہی ہیں۔ آخر کہو تو پھر جائیگا کون؟" بابر نے مشکل سے آخری جملہ ختم کیا ہوگا کہ زرداد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اور یہ کہتا ہُوا فرغانہ کی طرف ہوا ہو گیا۔ "زرداد جائیگا۔"

(باقی آئندہ)

رُوح کا لباس

ایک لڑکی جو ہر بات میں اپنے آپ کو اچھا سمجھتی تھی چلی جارہی تھی۔ اس کو ایک اور لڑکی پھٹے پُرانے کپڑے پہنے ہُوئے ملی پہلی لڑکی دل میں کہنے لگی کہ غریب ہونا بھی کیسی مصیبت ہے۔ اب اس لڑکی کو دیکھو کیسی دُبلی ہے۔ اور اس کی پیوند لگی اوڑھنی کیسے ہوا میں اُڑ رہی ہے میرے مخمل کے کپڑوں اور شال کی اوڑھنی کی طرح تھوڑی ہے!

اتنے میں ایک فرشتہ آیا اور پوچھنے لگا "کیا دیکھ رہی ہو؟"

امیر کی بیٹی نے کہا "اس لڑکی کی طرف دیکھ رہی ہوں"

فرشتہ "ہاں میں بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ دیکھو نا کیسے اچھے کپڑے پہنے ہوتے ہے"

لڑکی (حیران ہوکر) "تمہارا کیا مطلب ہے؟ میں تو اس لڑکی کو کہتی ہوں۔ جو ہماری طرف آ رہی ہے جو بالکل چھیتھڑے پہنے ہوتے ہے خیر چھیتھڑے نہ سہی پھٹے پُرانے تو ہیں"

فرشتہ "ہیں کیا کہہ رہی ہو؟ اس کے کپڑے تو دُودھ کی طرح سفید اور ہیرے کی مانند چمکتے ہیں۔ ہاں تم بُہت بُرے اور میلے کپڑے پہنے ہو کیا تم کو سردی نہیں لگتی۔ ان میں سے ہوا آر پار گزر جاتی ہو گی۔ کم از کم صاف تو رکھا کرو"

لڑکی "میری سمجھ میں نہیں آتا تم کیا کہہ رہے ہو وہ لڑکی فقیرنی ہے۔ اور میرا باپ شہر میں سب سے امیر آدمی ہے میرے کپڑے مخمل کے ہیں اور اُن پر زر دوزی کا کام ہے۔ تم کہہ کیا رہے ہو!!"

فرشتہ "میں تمہاری رُوح کے کپڑوں کے متعلق کہہ رہا ہوں" اور کیا۔

لڑکی "میں رُوح ووح کچھ نہیں جانتی۔"

فرشتہ "معلوم ہی ہوتا تھا"!

"قمر"

بال

دوسرے اعضا کی طرح بال بھی جسم کے اجزا میں سے ہیں جسم کا قدرتی حصّہ ہونے کے اعتبار سے بالوں کو تندرستی اور مرض سے بھی اتنا ہی تعلق ہے جتنا جسم کے دوسرے اجزا کا خصوصاً سر کے بال جو علاوہ قدرتی جزو ہونے کے آدمی کی خوبصورتی میں بھی مدد دیتے ہیں بعض شوقین بال بڑھانے کے لئے دواؤں وغیرہ کا استعمال بھی کرتے ہیں یہ طریقہ مفید نہیں۔ بلکہ مضر ہے۔ کیونکہ سر کی وہ جلد جس میں بالوں کی جڑیں ہوتی ہیں۔ بالوں کے غیر معمولی وزن سے کمزور ہو جاتی ہے۔ البتہ جن لوگوں کے بال کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے اتفاقاً کم نکلنے یا گرنے شروع ہو گئے ہوں اُن کو ضرورت کے موافق علاج کرلینا چاہیئے ایسی صورتوں میں روغن زیتون کی مالش بہت مفید ہوتی ہے۔ اور اصل میں تو سر اور بالوں کی صفائی اور سر کو تازہ ہوا پہنچانے پر بالوں اور دماغ کی صحت کا دارومدار ہے۔

نیم گرم پانی سے سر دھونا۔ اچھے صابن کا استعمال نرم برش سے بالوں کو سنوار لینا۔ اکثر سر کو کھلا رکھنا اور تازہ ہوا کا موقع حاصل کرنا بہت ضروری اور مفید طریقے ہیں۔

اگر سر کی جلد میں خشکی سی ظاہر ہونے لگے۔ تو روزانہ صبح اور شام کے وقت ہاتھ کی انگلیاں ٹھنڈے پانی سے بھگو کر جس مقام پر خشکی کے نشان ہوں آہستہ آہستہ سہلانا چاہیئے۔ اور نرم برش دو تین مرتبہ کرلینا چاہیئے۔ اس طریقہ سے خون کا دوران صحیح ہو جائیگا۔ اور خشکی کا اثر جاتا رہیگا سخت برش کبھی استعمال نہ ہونا چاہیئے۔ اس سے اکثر بال ٹوٹتے ہیں اور بجائے فایدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

ہمارے ملک میں بہت سے آدمی تیل کا استعمال زیادہ کرتے ہیں اور سر کم دھوتے ہیں اس طرح تیل کی وجہ سے گرد زیادہ جمتی ہے اور تمام کپڑوں پر بھی دھبے پڑتے ہیں۔ یہ صورت دماغی صحت کے لئے بھی مضر اور صفائی اور تہذیب کے بھی خلاف ہے۔

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوانچند پروپرائیٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف لاہور کے لئے سید افضال علی حسنی پبلشر نے شائع کیا)

قواعد و ضوابط

(۱) نونہال ہر انگریزی مہینہ کی ۸-۱۵-۲۲-اور ۲۹ تاریخ کو دارُالاشاعت ادب لطیف لاہور سے شائع ہو جایا کریگا۔

(۲) رسالہ کی ضخامت کم ازکم ۱۶ صفحوں کی ہوگی۔

(۳) جو مضامین تعلیم و تہذیب اور تربیّت اطفال کے اصول پر اور آسان زبان میں لکھّے گئے ہوں۔ درجِ رسالہ ہو سکیں گے۔

(۴) مضامین کے متعلق جملہ خط و کتابت ایڈیٹر سے ہونی چاہیئے۔

(۵) فرمائشیں اور چندے اور اسی قسم کے انتظامی معاملات کے متعلق مینیجر سے خط و کتابت کرنی چاہیئے

(۶) خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ جو لفافہ پر درج ہے۔

(۷) جواب طلب معاملات کے لئے ایک آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا ضروری ہے۔

(۸) ارسال چندہ کے ساتھ منی آرڈر فارم پر اپنا صاف نام و پتہ درج کرنا چاہیئے۔

(۹) نونہال کے لئے صرف ایسے اشتہارات لئے جاسکتے ہیں جو بچّوں کے پڑھنے کے قابل ہوں۔

(۱۰) رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں ایک ہفتہ کے اندر دفتر نونہال میں اطلاع پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ رسالہ دوبارہ مُفت روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۱۱) نونہال کا سالانہ چندہ ۳ روپے ششماہی ۱ للعہ روپے ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۳ کے ٹکٹ بھیجکر منگائیے

مینیجر رسالہ نونہال۔ لاہور

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱ | اشاعت مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۲۲ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

ہم تم

نونہالو! مُحرم کا واقعہ تمام دُنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک خاص واقعہ ہے۔ اس واقعہ کے متعلق ایک مضمون اب کی مرتبہ لکھکر تُمہارے مطالعہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ اس کو خوب غور سے پڑھو۔ اس کے ذریعہ سے تُمہیں اس واقعہ کے ضروری اور معمولی حال معلوم ہو جائیں گے۔

حضرت امام حسینؑ کا شہید ہونا اور اس طرح شہید ہونا بڑے غم اور الم کی بات ہے۔ اور اُن حضرت کی مظلومی پر غمگین ہونا ثواب سے خالی نہیں لیکن ہمارے اور تمہارے سب کے لئے حضرت امام حسینؑ کی پاک باتوں اور تمام پاک کاموں کی پیروی کرنا اور بھی زیادہ فائدہ پہنچانے والی بات ہے۔

کربلا اُس جگہ کا نام ہے۔ جہاں حضرت امام حسینؑ شہید کئے گئے تھے۔ اب وہاں حضرت امام حسینؑ کا مزار پاک ہے۔ یہ تصویر جو مضمون کے ساتھ شامل کی گئی ہے۔ آپ کے ہی مزار پاک کی ہے۔

تمام بچے بھی اس خبر کو سُنکر ضرور خوش ہونگے۔ کہ سرکاری مدرسوں کے بچوں کے پڑھنے کے لئے سرکار کی طرف سے "نونہال" کی خریداری شروع ہو گئی ہے۔ اور بہت سے مدرسوں کے ہیڈ ماسٹر صاحبان نے اس طرف توجہ فرمائی ہے۔ اور روز بروز فرمائشیں وصول ہو رہی ہیں۔

شہر شہری اور شہریت کے آٹھ سبقوں میں تُم نے انسان کی اس ترقی کا حال پڑھ لیا۔ جو اُس نے خانہ بدوشی کے زمانہ سے لیکر آبادیوں کی ابتدا کے زمانے تک کی۔ اب آئندہ اشاعت سے بستیوں اور اُنکے انتظام کا باب شروع ہوگا۔

حیثیّت سے بڑھکر بات نہ کرو

ہے لیاقت جن میں کچھ قدرِ قلیل — اور سمجھتے آپ کو ہیں بے عدیل[1]

اُن کو ایسوں سے نہیں ملنا روا — جو لیاقت رکھتے ہیں اُن سے سوا

اُونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئیں — دیکھنا لازم پہاڑ اُس کو نہیں

سر میں ہے جگنو کے یہ سودا اگر — شے[2] نہیں مجھ سے کوئی تابندہ تر[3]

چاہیئے دِن کو نہ نکلے زینہار[4]

ورنہ ہوگا اپنے جی میں شرمسار

حالی

[1] بے مثل
[2] چیز
[3] زیادہ روشن
[4] ہرگز

مُحرّم

حضرت امام حسینؑ اللہ کے سچّے اور آخری رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم کے نواسے اور حضرت علیؓ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔

حضرت رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد رسول اللہ کی جانشینی اور اسلامی امیری کا منصب حضرت علیؓ یعنی حضرت امام حسینؑ کے والدِ ماجد تک سلسلہ وار پہنچا تھا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؑ اور پھر اُن کے بعد حضرت امام حسینؑ تختِ خلافت پر بیٹھے۔ مگر یزید جو شام کے حاکم کا بیٹا تھا۔ حکومت خلافت سے باغی ہو گیا اُس نے اسلامی امیری اور رسولؐ اللہ کی جانشینی کا دعوےٰ بھی لوگوں سے منوانا چاہا۔

بادشاہ ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، مگر اسلامی امیری اور رسول اللہ کی جانشینی کوئی معمولی چیز نہیں۔ کہ ہر شخص اس کا مستحق ہو سکے۔ اس کے لئے خالص دینی بزرگی اور سچّے مذہبی خیالات کی ضرورت ہے۔ جو شخص اسلامی جماعت میں اپنی پرہیزگاری اور قوّتِ انتظام میں بہتر ہو گا۔ وہی شخص اسلامی امیری کا مستحق ہو سکتا ہے اور یزید تو بالکل ہی جھوٹا مدعی تھا۔

جب یزید نے حکومت کے ساتھ اپنے اِس دعوے کو لوگوں سے منوانا چاہا۔ تو ملکِ شام کے لوگوں نے کسی نہ کسی طرح اُس کو اسلامی امیر اور جانشین رسولؐ اللہ مان لیا، لیکن مدینہ شریف اور حجاز کے لوگ ایسے بُرے شخص کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوتے۔ جو مذہب کا پیشوا ہونا تو درکنار خود مذہب کے حکموں سے پھرا ہوا ہو۔

امام حسینؑ ایک ایسے مُقدّس بزرگ تھے۔ جو علاوہ متقی، پرہیزگار، اور عادل ہونے

کے خود رسولؐ اللہ کے پیارے نواسے تھے
اس لئے بھلا اُن سے زیادہ اسلام کی بادشاہی
اور رسولؐ اللہ کی جانشینی کا کون مستحق ہو سکتا تھا
اور وہ کیسے پسند کر سکتے تھے۔ کہ مسلمانوں کی
دینی اور دُنیوی پیشوائی یزید جیسے ظالم شخص
کے گمراہ ہاتھوں میں چلی جائے۔ اور دین کے
کاموں میں فساد پیدا ہو۔

چنانچہ آپ نے یزید کے دعوے کو
کسی طرح نہ مانا۔

اسی زمانہ میں کوفہ کے لوگوں نے حضرت
امام حسینؑ کی خدمت میں کہلا بھیجا۔ کہ آپ کوفہ
میں تشریف لے آئیں۔ ہم آپ کی اطاعت
کرینگے۔ اِس لئے امام حسینؑ نے پہلے اپنے
چچازاد بھائی حضرت مسلمؑ کو کوفہ روانہ کر دیا۔ اور
کوفہ کے تیس ہزار آدمیوں نے حضرت امام
حسینؑ کی اطاعت کا پکّا وعدہ کر لیا۔ ابھی حضرت
مسلمؑ واپس تشریف نہیں لانے پاتے تھے

کہ حضرت امام حسینؑ نے خود کوفہ کا ارادہ فرمایا۔
آپ راستے ہی میں تھے۔ کہ ابن زیاد نے جو
یزید کی حکومت کا ایک عہدہ دار تھا۔ حضرت
مسلمؑ کو شہید کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ نے یہ
خبر راستہ ہی میں سُنی۔ اور اُسی وقت یزید کی فوج
کے افسر جن کا نام حُر تھا۔ مل گئے۔ اور اُنھوں
نے حضرت امام حسینؑ کو ابن زیاد کے پاس
کوفہ میں چلنے کو کہا۔ ابن زیاد نے حُر کو ہدایت
کر دی تھی، کہ حضرت امام حسینؑ کو ایسی جگہ ٹھیرایا
جائے۔ جہاں پانی نہ ملتا ہو۔ چنانچہ یہ مقام "کربلا"
تھا۔ یہ محرم ۶۱ھ ہجری کی دوسری تاریخ تھی۔
ابن زیاد نے عمرو ابن سعد کی سپہ سالاری میں
چار ہزار فوج بھی حضرت امامؑ سے لڑنے
کے لئے بھیجدی۔ جب لڑائی کی نوبت پہنچی تو
حضرت امام حسینؑ نے عمر ابن سعد سے فرمایا۔
کہ ان تین باتوں میں سے ایک بات مان لو۔
(۱) یا تو جہاں سے مَیں آیا ہوں وہیں مجھے

جانے دو (۲) یا مجھے یزید کے پاس جانے دو۔ (۳) یا کسی اور طرف جانے دو۔

ابن سعد نے ان باتوں کے متعلق اپنے افسر ابن زیاد سے دریافت کرایا۔ اُس نے شمر کے ذریعہ سے کہلا بھیجا کہ "یا تو تُم امام حسینؓ سے لڑو۔ ورنہ اپنے آپ کو موقوف سمجھو۔ شمر تمہاری فوج کا سپہ سالار ہوگا"۔

آخرکار ۱۰ محرم کو صبح کے وقت ابن سعد کی فوج نے حضرت امام حسینؓ کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا۔ انہیں میں حضرت کے عزیز و اقارب بھی شامل تھے۔ اور جو ظالموں کے ہاتھ سے اس لڑائی میں پیاسے شہید ہوئے۔ حضرت امام حسینؓ پیاسے لڑ رہے تھے۔ کہ ایک بدبخت کا تیر آپ کے چہرہ مُبارک پر لگا۔ ایک نے آپ کے داہنے ہاتھ کو نیزہ سے زخمی کیا۔ اور ایک نے آپ کے کندھے پر تلوار لگائی۔ پھر سنان نے نیزہ کا وار کیا۔ جس سے آپ گھوڑے سے گر گئے۔ اور بدبخت شمر نے آپ کا سر مُبارک جسم پاک سے علیحدہ کر دیا۔

اِنّا للّٰہ و اِنّا اِلیہ راجعُون

دسویں محرم ۶۱ھ کا یہی وہ واقعہ ہے۔ جو مسلمانوں میں تاریخی اور مذہبی لحاظ سے بہت اہم یقین کیا جاتا ہے۔

خُدا ہم سب کو امام حسینؓ کی محبّت اور آپ کی بے تعداد پاکیزہ صفتوں میں سے کوئی نہ کوئی صفت عطا فرمائے۔

یہ تصویر جو اس مضمون کے ساتھ شامل ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ مُبارک کی ہے۔ جو "کربلا" میں موجود ہے۔

احمد مجددی

نصیحت

ارادہ مضبوط کرو اور فتح تمہاری ہے۔ ہمت ہار دو۔ اور تباہی کے سامان سامنے دیکھ لو۔

شہر، شہری اور شہریت

آٹھواں سبق

مشترکہ زندگی

قدرت سے ہی انسان میں اکٹھے مل جل کر رہنے کی خاصیت موجود ہے یعنی ہر شخص کا دل آپ سے آپ چاہتا ہے کہ وہ ماں باپ بہن بھائی کے ساتھ مل کر رہے۔ اور جب اپنے رشتہ دار نہیں ملتے تو وہ غیروں کو اپنا دوست بنا لیتا ہے اور ان میں سے جن کے ساتھ اس کی طبیعت زیادہ ملتی ہے۔ اُن کو رشتہ داروں کی طرح عزیز سمجھتا ہے اور اُن کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ انسان تنہائی سے ہمیشہ نفرت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو کوئی دوسرا انسان دل بہلانے یا بات چیت کرنے اور رنج و غم میں شریک ہونے کے لئے نہیں ملتا۔ تو حیوانوں کو پالتا ہے۔ اُن کو پیار کرتا ہے اور انہی سے دل بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔

جیسا تم نے دیکھ لیا ہے پہلے تو ہر خاندان الگ الگ رہتا تھا۔ اور ایک دوسرے سے علیحدہ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر جب دو دو تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ خاندانوں نے اکٹھے مل کر رہنا شروع کر دیا۔ اور اس طرح ایک جگہ پر رہنے کے لئے چھوٹی چھوٹی بستیاں بنا لیں۔ تو ان کو اکٹھے مل کر رہنے کی عادت ہو گئی۔ انسان کی طبیعت پر عادت کا اثر

سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ جس کام کو تم ہر روز کرتے رہو۔ اس کام کو کرنے کی تمہیں عادت ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی دن وُہ کام رہ جائے۔ تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اِس لئے جس چیز نے آہستہ آہستہ اس مشترکہ زندگی کی بُنیاد ڈالی۔ وُہ عادت تھی۔ رفتہ رفتہ یہ عادت ایک مضبوط جذبہ بن گئی۔ اور انسان اکٹھا مِل کر رہنے پر مجبور سے ہو گئے۔ مگر اس عادت کو مضبوط کرنے کے اور بھی سبب تھے۔ اول تو یہ کہ ایک جگہ مِلکر رہنے میں لوگوں کو بہت سی سہولتیں اور آسانیاں تھیں۔ اکیلے شخص کو اپنی ضروریات پُورا کرنے کے لئے سب کام خود ہی کرنے پڑتے تھے اور یہ تو تم جانتے ہو۔ کہ ایک شخص ہر قسم کا کام نہیں کر سکتا۔ اور اگر مجبوراً کرے بھی تو اچھی طرح نہیں کر سکتا۔ پس جب لوگ آپس میں مِل جُل کر رہے اور اپنے اپنے حقوق اور فرائض سے مجبور ہو کر ایک دوسرے کا کام کرنے لگے۔ تو ظاہر ہے

کہ مختلف کاموں کے انجام دینے میں زیادہ آسانیاں ہو گئیں۔

اس کے علاوہ لوگ اکٹھے مِل کر اپنی حفاظت اچھی طرح کر سکتے تھے۔ خونخوار درندوں کا مقابلہ ایک شخص کے لئے تو مشکل ہے۔ مگر بہت سے آدمی مِل کر ہر خطرے کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

اس لئے ذاتی حفاظت کے خیال سے بھی لوگوں نے اکٹھے مِل کر رہنے میں ہی بہتری دیکھی۔ مشترکہ زندگی کی ان آسانیوں اور خوبیوں سے اس زمانے کے انسانوں کو خود بخود مِل جُل کر رہنا زیادہ پسند آیا۔ اور اس طرح ہوتے ہوتے ان کو اس مشترکہ زندگی کی عادت ہو گئی۔

نصیحت

اگر تم چاہتے ہو۔ کہ لوگ تم سے محبّت کریں تو تمہیں بھی لوگوں سے محبّت کرنی چاہیئے۔

لیلاوتی

(۱)

قدیم ہندوستان میں ایک پنڈت رہتا تھا جس کے علم و ہنر کی دُور دُور تک دھوم مچی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر لائق تھا۔ کہ ہاتھ دیکھکر ساری عمر کا حال بتا سکتا تھا۔ اور جو کچھ کہہ دیتا تھا۔ پُورا ہو کر رہتا تھا۔ لوگ اُس کی بات کو پتھر کی لکیر سمجھتے تھے۔

اس کی بیٹی لیلاوتی بہت خوبصورت اور سمجھدار تھی۔ بچپن ہی میں وہ ایسی لیاقت کی باتیں کرتی تھی۔ کہ لوگ دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے۔ مگر اُس کا باپ اُسے دیکھ کر ملول ہو جاتا تھا۔ کیونکہ اُس نے اپنے علم کے زور سے جان لیا تھا۔ کہ اس کی قسمت میں خاوند نہیں لکھا۔ اور اگر اس کا بیاہ کر دیا گیا۔ تو یہ بیوہ ہو جائیگی۔ یہ غم اُس کے دل کو گھن کے کیڑے کی طرح اندر ہی اندر کھائے جاتا تھا۔ اور وہ ہر وقت اُداس رہتا تھا۔

(۲)

بہت سوچ سوچ کر اُس نے دیکھا۔ کہ ایک خاص وقت ہے۔ اگر اُس میں لیلاوتی کا بیاہ ہو جائے۔ تو اُس کا خاوند بچ سکتا ہے۔ اُس نے اس کے لئے بڑی تیاریاں کیں اور لیلاوتی سے شادی کے لئے ایک لڑکے کا تلاش کیا۔ جب لوگوں نے اُسے دیکھا۔ تو بہت خوش ہوئے۔ کیونکہ جس طرح لیلاوتی خوبصورت اور سمجھدار تھی۔ اُسی طرح وہ لڑکا بھی خوبصورت اور تعلیم یافتہ تھا۔ لوگ کہتے تھے۔ کہ اس شادی سے چاند سورج کی جوڑی مل جائے گی۔

(۳)

آخر وہ دن آپہنچا جب لیلاوتی کا بیاہ ہونے والا تھا۔ دُولھا اور دلہن بیاہ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پروہت ہون کر رہے تھے۔ اور لیلاوتی کا باپ اُس کٹورے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو پانی کے برتن میں تیر رہا تھا۔ اس کٹورے کے پیندے میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ جس سے پانی کٹورے کے اندر جا رہا تھا۔ لیلاوتی کے باپ نے حساب کر کے دیکھ لیا تھا۔ کہ یہ کٹورا جب پانی سے لبالب بھر جائیگا اور برتن کی تہ میں بیٹھ جائے گا۔ اُس وقت وُہ خاص لمحہ ہوگا۔ جب لیلاوتی کا بیاہ ہوجانا چاہیئے وہ بڑی اچھّی طرح سے جانتا تھا۔ کہ اگر وہ لمحہ گزر گیا۔ تو پھر لیلاوتی کا بیاہ ساری عمر نہ ہوسکیگا اِس لئے وہ پُوری احتیاط سے دیکھ رہا تھا۔ کہ کب کٹورا لبالب بھر کر برتن کے پیندے میں بیٹھے۔ اور کب وہ پروہتوں کو بیاہ کرا دینے کا اشارہ کرے۔

مگر دو تین گھنٹے گزر گئے۔ اور کٹورا اُسی طرح پانی میں تیرتا رہا۔ لیلاوتی کے باپ کی حیرانی کا ٹھکانا نہ تھا۔ اُس نے نہایت غور سے کٹورے کی طرف دیکھا۔ اور سر پیٹ لیا۔ اس کے سوراخ میں لیلاوتی کے دامن سے گر کر ایک موتی اٹک گیا تھا۔ جس سے اُس کے اندر پانی کا جانا بند ہوگیا۔ وہ وقت گزر چکا تھا۔ اب لیلاوتی کا بیاہ کیسے ہوسکتا تھا۔ کیونکہ وُہ اپنے علم کے زور سے جان چکا تھا۔ کہ اب اگر اس کا بیاہ کیا گیا۔ تو یہ بیوہ ہوجائیگی اِس لئے اُس نے بیاہ بند کر دیا۔ اور روتا ہُوا گھر کے اندر چلا گیا۔

(۴)

لیلاوتی نے دیکھا تو بہت رنجیدہ ہُوئی۔ اسے اس بات کا خیال نہ تھا۔ کہ میرا بیاہ نہیں ہوسکا۔ اُسے فکر یہ تھی۔ کہ میرا باپ ہمیشہ

غمگین رہیگا۔ بیاہ گھر سے اُٹھ کر وہ سیدھی اپنے باپ کے پاس پہنچی۔ اور اُس سے محبت بھرے الفاظ میں بولی۔ "کیوں! آپ اُداس کیوں ہیں؟"

اُس کے باپ نے جواب دیا۔ "وقت ٹل گیا۔"

"تو پھر کیا ہُوا۔ معمولی بات ہے۔"

"معمولی بات ہے؟" بدنصیب باپ نے چیخ کر کہا۔ "اب تمہارا بیاہ نہیں ہو سکیگا۔"

نہ سہی۔ مَیں پہلے ہی سے سوچتی تھی۔ کہ میرا بیاہ ہو گیا۔ تو آپ کی خدمت کون کریگا؟"

لیلاوتی کے باپ نے لمبی سانس لی اور بھرّائی ہُوئی آواز میں بولا۔ "میرے کوئی لڑکا بھی نہیں۔ جو اُس سے خاندان چلتا۔ رونا یہ ہے۔ کہ اب میرا خاندان مٹ جائیگا۔"

لیلاوتی نے خوشی سے کہا۔ مگر مَیں وہ کام کر دکھاؤنگی۔ جو زمانہ میں ہمیشہ یادگار رہے گا اور ایسی اولاد پیدا کرونگی۔ جو جب تک دُنیا ہے۔ تب تک زندہ رہیگی۔

لیلاوتی کا باپ سمجھ نہ سکا۔ کہ لیلاوتی کا کیا مطلب ہے۔ مگر جب چند سال کے بعد لیلاوتی نے ایک حساب کی کتاب باپ کے ہاتھ میں رکھدی۔ تو وہ خوشی سے دیوانہ وار اُچھلنے لگا۔

آج کل جو حساب اور الجبرے کی کتابیں مدرسوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ سب اُسی لیلاوتی کی تیار کی ہُوئی ہیں۔ کیا اُن کی موجودگی میں لیلاوتی کا نام مٹ سکتا ہے؟

ہرگز نہیں۔

یہ سب کتابیں لیلاوتی کی اولاد ہیں۔ جو قیامت تک زندہ رہینگی۔

سُدرشن

نکتہ چینی

اٹلی کے ایک نوجوان مصوّر نے ایک دفعہ ایک نہایت خوبصورت تصویر بنائی اور اُسے جس جس مصوّر کو دکھایا اُسی نے پسند کیا۔ نوجوان مصوّر پر خود اس تصویر کا ایسا اثر ہوا۔ کہ اُسے کئی گھنٹے تک دیکھتا رہا۔ مگر پھر بھی اُس کی آنکھیں سیر نہ ہوئیں۔ اُس کی خواہش یہ تھی۔ کہ وہ تصویر اُس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔

دوپہر کے وقت وہ اُسے شہر کے گنجان آباد حصّہ میں لے گیا۔ اور وہاں تصویر لٹکا کر اُس کے نیچے لکھدیا کہ جو صاحب اس تصویر میں کسی جگہ کچھ نقص پائیں۔ وہ مہربانی کر کے وہاں سیاہ نشان کر دیں۔ شام کے وقت جب مصوّر نے تصویر کو دیکھا۔ تو اُس پر اسقدر آدمیوں نے نشان کئے تھے۔ کہ وہ بالکل سیاہ ہو رہی تھی۔ نوجوان مصوّر کا دل مایوس ہوگیا۔ اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا لیکن اُس کا باپ بہت سمجھدار اور عقلمند آدمی تھا۔ اُس نے بیٹے سے کہا۔ تم ایک کام کرو۔ اپنی اس تصویر کے ساتھ ہوبہو ملتی ہوئی ایک اور تصویر تیار کرو۔ اور اُسے بھی وہیں پر لٹکا دو۔ مگر اُس کے نیچے وہ عبارت نہ لکھو۔ بلکہ یہ لکھو۔ کہ جو صاحب اس میں کوئی نقص پائیں وُہ مہربانی کر کے اُسے دُرست کر دیں۔ نوجوان مصوّر نے ایسا ہی کیا۔ مگر اب کے تصویر پر ایک نشان بھی نہ تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نقص نکالنا بڑا آسان ہے لیکن خوبی پیدا کرنا مشکل ہے۔

سُدرشن

زرداد

شہنشاہ بابر کا دوست

(مسلسل قصّہ)

(۸)

سلطان احمد مرزا جو فتح اور کامیابی کے خیالات سے خوش خوش قلعہ میں داخل ہوا تھا۔ اپنے شکار کو ہاتھ سے کھو کر بہت پریشان ہوا۔ مگر وہ ایسا کم ہمّت نہ تھا۔ کہ ذرا سی مایوسی سے ہاری مان لیتا۔ اُس نے فوراً فوج کو ناکہ بندی کا حکم دیا۔ اور یہ سمجھ کر کہ بابر ضرور اردگرد کے کسی علاقہ میں پناہ گزیں ہوا ہوگا۔ اپنے لشکر کے ساتھ خجند کی طرف چل دیا۔ تاکہ اگر بابر نہ بھی ملے۔ تو اراتیپہ خجند اور مرغینان کے علاقہ تو ہاتھ آجائیں۔

ادھر بابر خواجہ محمد امیر شیرم طغائی اور چند چیدہ سواروں کے ساتھ سرنگ کے راستے نکل کر آدرکند کی طرف روانہ ہوگیا۔ کہ وہاں جاکر فرغانہ کی کمک کا انتظار کرے۔ اس طرح امیر شیرم نے سلطان احمد کے لشکر کی آنکھوں میں خاک جھونک کر بابر کی جان آج آفت سے تو بچالی۔ مگر آخر کب تک۔ دشمن ایک نہ ایک دن تو آلیگا جب یہ خیال آتا۔ تو امیر شیرم زخمی شیر کی طرح غرّاتا اور دانت پیس کر رہ جاتا۔ راستہ میں خیال آیا۔ کہ زرداد ابھی بالکل نوعمر ہے۔ اس کی بات کا یقین کون کریگا۔ اور فرغانہ کے امیر اس دس برس کے بچّے کے کہے سُنے پر کب جان قربان کرنے کو آمادہ ہوجائینگے۔ یہ سوچکر امیر شیرم طغائی نے خواجہ محمد سے کہا۔ "اب سلطان کی جان خطرے میں نہیں۔ دشمن کو خبر ہونے سے پہلے پہلے ہم

پہاڑی علاقہ میں محفوظ ہو جائینگے۔ فرغانہ جا کر سرداروں اور لشکر کو جمع کرنا ضروری ہے۔ زرداد سے یہ کام نہیں ہوگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم خود جاؤ اور اس مہم کو سرانجام دو۔" بابر نے بھی سوچتے سوچتے سر ہلایا اور کہا کہ "اس وقت یہی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے۔"

خواجہ محمد نے جوابدیا "سلطان پر میری جان قربان میں ہر خدمت کیلئے حاضر ہوں" اور فرغانہ کی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی

ادھر فرغانہ میں جب زرداد پہنچا تو اس نے وہ سماں دیکھا جس کی اسے کچھ امید نہ تھی۔ فرغانہ گیا تھا ایک فوجی کیمپ تھا۔ شہر کی فصیلوں پر پہرے تھے۔ شام ہو رہی تھی کہ زرداد پہنچا۔ اور شہر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ کہ سنتری نے ٹوکا زرداد نے بڑے حوصلے سے جوابدیا کہ "جاؤ اپنے سردار سے کہو کہ سلطان بابر کا قاصد آیا ہے۔ اور سلطنت کے سرداروں سے ملنا چاہتا ہے۔" سپاہی نے اس کل کے لڑکے کے منہ سے یہ حوصلے اور ہمت کے کلمات سنے۔ تو کچھ ہکا بکا سا رہ گیا۔ مگر جب ذرا سا غور کیا تو اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ اور بار بار جوش سے پکارنے لگا "سلطان بابر زندہ ہے"۔ اور فوراً اسے ساتھ لیکر سردار کے خیمہ پر پہنچا۔ اور اطلاع کی۔ سردار بابر کا نام سنتے ہی باہر نکل آیا۔ اور بڑے شوق سے تمام حالات دریافت کرنے لگا۔ زرداد نے تمام کیفیت اوّل سے آخر تک سنادی۔ اب کیا تھا۔ گھڑی بھر میں یہ خبر سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ کہ بابر اندجان میں محصور ہے۔ اور سلطان احمد مرزا قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہے۔

ان لوگوں کے سینوں میں بھی جو لوٹ مار کے لالچ اور دولت کے فریب میں آئے ہوئے تھے۔ اپنے بادشاہ کے بیٹے کی بے بسی کی حالت سنکر وفاداری کا جوش لہریں مارنے لگا۔ بڑے بڑے سردار اپنے نوعمر بادشاہ کی مصیبت کا حال سنکر بیتاب ہو گئے۔ اب کیا تھا بزدل شیر ہو گئے۔ بوڑھے جوان بن گئے۔ اور پل کی پل میں ایک جرار لشکر نے فرغانہ کے سرداروں کی سرکردگی میں اندجان کی طرف دھاوا بول دیا۔ کوئی نصف شب گزری تھی کہ راستے میں خواجہ محمد گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے ملا۔ سب سے بات چیت ہوئی اور سب کے سب اندجان کے قلعہ کی طرف چلدئیے۔ (باقی آئندہ)

جسم کی صفائی

دانتوں، ناخنوں، اور بالوں کو صاف رکھنے کے متعلق ضروری ہدایات تم پہلے پڑھ چکے ہو۔ یہ اعضاء اگرچہ جسم کا حصّہ ہیں مگر جسم سے کسیقدر الگ ہونے کی وجہ سے ان کا ذکر علیحدہ طور پر کیا گیا ہے۔ اب ضروری ہے کہ تمام جسم کو صاف کرنے کے متعلق کچھ بیان کیا جائے۔ یہ تو ہر بچّہ جانتا ہے۔ کہ صفائی ایک اچھّی چیز ہے۔ جو چیز میلی کچیلی ہو اس سے خود بخود نفرت ہوجاتی ہے۔ کوئی شخص کسی میلے اور گندے آدمی کے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ ہر شخص کی خواہش یہی ہونی چاہیئے کہ اسکے کپڑے اُجلے اور صاف ہوں۔ مگر ان سے بھی زیادہ ضروری یہ بات ہے۔ کہ بدن صاف رہے۔ بدن میں بہت چھوٹے سوراخ ہوتے ہیں جنہیں مسام کہتے ہیں۔ انہی کے ذریعے بدن کے اندر سے تمام میل پسینہ بنکر نکلتا رہتا ہے۔ قدرت نے ان سوراخوں کی حفاظت کیلئے ان پر چھوٹے چھوٹے بال جن کو رُواں کہتے ہیں۔ پیدا کئے ہیں۔ تاکہ ان کا راستہ ہمیشہ کھُلا رہے۔ اور پسینہ نکلتا رہے۔ مگر یہ ضروری ہے۔ کہ ان کے اُوپر کی سطح کو صاف رکھا جائے۔ تاکہ پسینہ خود جمکر ان سوراخوں کو بند نہ کردے۔ یہ پسینہ چونکہ جسم کا میل ہے۔ اس لئے اس میں بدبو ہوتی ہے۔ اور اگر یہ بدن پر جمع ہوجائے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ انسان کا بدن بدبودار ہوجائیگا۔ اس لئے ضروری ہے۔ کہ کم از کم دن میں ایک مرتبہ غُسل کیا جائے۔ ٹھنڈے پانی سے نہانا زیادہ مُفید ہے۔ مُنہ ہاتھ اور ایسے اعضاء کو جو کپڑوں سے چھپے ہوئے نہیں رہتے دن میں کئی دفعہ دھونا اور صاف کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ گرد و غبار جو اُن پر جم جاتا ہے۔ دُور ہوجائے۔ اور انسان کا جسم ہمیشہ صاف سُتھرا رہے۔ اور تندرستی بھی قائم رہے۔

ایڈیٹر

مُرغ اور مرغیاں

بچّوں کو اکثر مُرغیاں کبوتر اور دوسرے پرند پالنے کا شوق ہوتا ہے۔ خُداوندکریم کی پیدا کی ہُوئی اس بے زبان مگر خُوبصورت اور مفید مخلوق کو پیار کرنا ایک اچھّی بات ہے۔ مگر ان کو پالنے کا شوق بیکار ہے۔ جب تک ان کو اچھّی حالت میں رکھنے کا ڈھنگ نہ آتے۔

مُرغیاں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ اور سب کی سب قسمیں خُوبصُورت اور مفید ہوتی ہیں۔ مرغی کے بچّے کم عمری میں تو ایسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ اکثر کم سن بچّے بھی اُن کو پیار کرتے ہیں۔ اور اُن سے کھیل کھیل کر خوش ہوتے ہیں۔ مُرغوں کو اچھّی صحت میں رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ان کو ہوادار ٹاپوں میں بند کیا جائے مگر یہ احتیاط ہونی چاہیئے کہ فرش سیمنٹ اور چونے کا ہو۔ اور کابکوں کے نیچے چھوٹے چھوٹے دڑبے بنا دینے چاہئیں جنکا دروازہ پیچھے کی طرف بھی کُھلتا ہو اور کابک کے اندر کی طرف بھی۔ ان دڑبوں میں فرش پر گھاس رکھ دینی چاہیئے۔ تاکہ مرغیاں ان میں انڈے دے سکیں۔ دڑبوں اور ٹاپوں کے ہوادان ایسے بنانے چاہئیں۔ کہ ان میں چُوہے چُوہیاں نہ گُھس سکیں۔ ایک طرف کو خُشک اور نرم مٹّی بھی ڈال دینی چاہیئے تاکہ جب مرغ اور مرغیاں مٹّی سے کھیلنا چاہیں۔ تو سخت فرش یا کنکر روڑے ان کے بدن کو نقصان نہ پُہنچائیں۔ اگر اس مٹّی میں تھوڑی سی گندھک اور تھوڑا سا چونا ملا دیا جائے۔ تو اور بھی اچھّا ہے۔

زیادہ تر ان کو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔ آلو کی پتلی پتلی کترین اور سبز ترکاریاں دینی چاہئیں۔ کبھی کبھی اُبلے ہُوئے گوشت کا قیمہ دینا بھی مفید ہے۔

ایڈیٹر

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوانچند پرو پرائیٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے سیّد افضال علی حسنی پبلشر نے شائع کیا)

قواعد و ضوابط

(۱) نونہال ہر انگریزی مہینہ کی ۸-۱۵-۲۲-اور ۲۹ تاریخ کو دارُالاشاعت ادب لطیف لاہور سے شائع ہو جایا کریگا۔

(۲) رسالہ کی ضخامت کم از کم ۱۶ صفحوں کی ہوگی۔

(۳) جو مضامین تعلیم و تہذیب اور تربیّت اطفال کے اصول پر اور آسان زبان میں لکھے گئے ہوں۔ درج رسالہ ہو سکیں گے۔

(۴) مضامین کے متعلق جملہ خط و کتابت اڈیٹر سے ہونی چاہئے۔

(۵) فرمائشیں اور چندے اور اسی قسم کے انتظامی معاملات کے متعلق مینجر سے خط و کتابت کرنی چاہیئے۔

(۶) خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ جو لفافہ پر درج ہے۔

(۷) جواب طلب معاملات کیلئے ایک آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا ضروری ہے۔

(۸) ارسال چندہ کے ساتھ منی آرڈر فارم پر اپنا صاف نام و پتہ درج کرنا چاہیئے۔

(۹) نونہال کے لئے صرف ایسے اشتہارات لئے جاسکتے ہیں جو بچّوں کے پڑھنے کے قابل ہوں۔

(۱۰) رسالہ نہ پہنچنے کی صورت میں ایک ہفتہ کے اندر دفتر نونہال میں اطلاع پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ رسالہ دوبارہ مفت روانہ نہیں کیا جائیگا۔

(۱۱) نونہال کا سالانہ چندہ ستے روپے ششماہی للعہ روپے ہے۔ نمونہ کا پرچہ ۳ کے ٹکٹ بھیجکر منگائیے

مینیجر رسالۂ نونہال۔ لاہور

۴۸۶

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱ | اشاعت مورخہ ۸ ستمبر ۱۹۲۲ء | نمبر ۹

فہرست مضامین

ہم تم

نونہالو! یہ خبر سُنکر تُم کو خوشی ہوگی۔ کہ تُمہارے "نونہال" کو صوبجات متوسط و برار کے محکمۂ تعلیم نے اپنے مدارس کے لئے منظور فرمالیا ہے۔ دن بدن "نونہال" کی برادری پھیلتی اور بڑھتی جارہی ہے خُدا کرے ایک دِن ایسا آئے۔ کہ نونہال ہندوستان بھر کے نونہالوں کے لئے باہمی دوستی اور برادری کا ایک مفید ذریعہ بن جائے۔ اور ان کو دین اور دُنیا کی نیکیوں کے سکھانے کا باعث ہو۔

حفظانِ صحت کے پہلے چار سبقوں میں تُمہیں ان چیزوں کے متعلق کُچھ معلومات دی گئی تھیں۔ جو عام استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ مگر ان کا اثر صحت پر بُرا پڑتا ہے۔ دُوسرے چار سبقوں میں ہم نے تُمہیں بدن کے اُن حِصّوں کو صاف رکھنے کی ہدایتیں دیں۔ جن کی صفائی عام صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔ اب تیسرا سلسلہ ان سبقوں کا شروع ہوتا ہے۔ جن میں ہم تُمہیں ایسے طریقے بتائیں۔ جن سے تُم بغیر کسی سازوسامان یا تکلیف اور خرچ کے اپنی صحت کو درست رکھ سکو۔ اب ان باتوں پر عمل کرنا تُمہارا کام ہے۔ یاد رکھو۔ کہ صرف ایک صحت مند بچّہ ہی کامیاب انسان ہو سکتا ہے۔ اگر صحت اچھی نہیں تو دولت اور علم بیکار ہیں۔ اُن کو استعمال کرنے کے لئے صرف صحت کی ضرورت ہے۔

ہم بہت جلد "نونہال" میں ایک نیا سلسلہ مُفید ورزشوں کے سبقوں کا شروع کرنیوالے ہیں۔ یہ سبق تُمہارے لئے ایک ایسے صاحب لکھ رہے ہیں۔ جو فنِ ورزش کے ماہر ہیں۔ اور جن کی عمر کا ایک بہت بڑا حصّہ بچوں کو طاقتور تندرست اور مضبوط بنانے کے لئے ورزش کے سبق دینے میں گزرا ہے۔

ایڈیٹر

ماں اور بچّہ

چاندنی چھٹکی ہوئی ہے ہر طرف
روشنی ہی روشنی ہے ہر طرف

ایک عورت بام پر ہے جلوہ گر
چرخِ نیلی فام پر جیسے قمر

گود میں ہے ایک بچّہ شیر خوار
پیار کرتی ہے اُسے وُہ بار بار

کہہ رہی ہے چاند کو وہ دیکھ کر
تُجھ سے اچھّا ہے مرا نورِ نظر

نور جو اس میں ہے وہ تجھ میں کہاں
تُجھ میں کب ہیں جو ہیں اس میں خوبیاں

میری آنکھوں کا ہے تارا، نورِ عین
میری آنکھوں کی ہے ٹھنڈک دل کا چین

کیوں نہ چوموں اس کی دو آنکھوں کو مَیں
چاند سے چہرے پہ دو تارے یہ ہیں

چاند! تیرے مُنہ پہ کب ہے آنکھ ناک
کیا نظر بھر کر تجھے دیکھوں میں خاک

چاند کا ٹکڑا ہے یہ بچّہ مرا
لختِ دل لختِ جگر ماں باپ کا

دیکھ کر اس کو تجھے دیکھوں مَیں کیا
دُور تو، نزدیک میرا لاڈلا

میرا بچّہ میرے گھر کا ہے چراغ
دیکھ کر ہوتی ہوں اس کو باغ باغ

چاند! کیوں تو دیکھتا ہے گھور کر
میرے بچّے کو نہ لگ جائے نظر

چاند ڈالے گا خلل آرام میں
اب چلو ننّھے کہ جا کر سو رہیں

شہر شہری اور شہریت

نواں سبق

گاؤں

یہی بستیاں بعد میں بڑھتے بڑھتے گاؤں اور قصبوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان بستیوں کی زندگی کا دار و مدار انہی حقوق و فرائض پر تھا۔ جن کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس زمانہ میں سکّہ کا رواج نہ تھا۔ بلکہ چیزوں کا چیزوں سے تبادلہ ہوتا تھا۔ مثلاً کپڑا بننے والا زمیندار کو کپڑا دے کر گیہوں لے لیتا تھا۔ اور اپنا پیٹ پالتا تھا۔ زمیندار گیہوں کے عوض کپڑا لے کر اپنا بدن ڈھانکتا تھا۔ مگر اب حقوق و فرائض دن بدن بڑھ رہے تھے۔ ان حقوق و فرائض کو آسانی سے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اوّل تو وہ حقوق و فرائض جو عام لوگوں کو آپس میں حاصل ہے۔ دوسرے وہ جو بزرگوں کے متعلق تھے۔ باشندوں کے آپس کے حقوق۔ فرائض کے متعلق تو ہم نے پہلے مختصر طور پر بیان کر دیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ابھی موقع نہیں آیا۔ مگر وہ حقوق و فرائض جن سے بستیوں کے بزرگوں کا تعلق تھا۔ ایک دوسری قسم کے تھے۔ جن کو پہلے مختصراً سمجھ لینا فائدے سے خالی

نہ ہوگا۔ یہ تو ظاہر ہے۔ کہ بزرگ اسی وقت بزرگ سمجھا جاتا تھا۔ جب ایک بستی کی تمام آبادی کسی خاندان یا پیشہ کے لحاظ کے بغیر اس کو اپنا بزرگ تسلیم کرے۔ گویا کسی شخص کو اپنا بزرگ بناتے وقت گاؤں کی آبادی کے لئے ضروری تھا۔ کہ وہ اس بات کو اپنا فرض سمجھے کہ وہ بزرگ کے تمام حکموں کی تعمیل کرے گی۔ اس کے مقابلہ میں ان کو یہ حق حاصل تھا۔ کہ وہ بزرگ ایسا حکم دیگا۔ جو اس آبادی کے لئے مفید ہو۔ ان کے جھگڑوں کا انصاف سے فیصلہ کرے گا اور مصیبت کے وقت ان کی حفاظت کریگا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا۔ کہ اس بزرگ کو ان باتوں کو پورا کرانے کے لئے یہ اختیار بھی دیا جائے۔ کہ وہ باشندوں کو اپنا اپنا فرض ادا کرنے پر مجبور کر سکیگا۔ تاکہ ہر حقدار کو اپنا حق ملتا رہے۔ چنانچہ ان بستیوں کی آبادی کی طرف سے یہ اختیارات

ان مشترکہ خاندانوں کے ایک بزرگ کو حاصل تھے کیونکہ کسی شخص کو کسی کام کے لئے اسی وقت مجبور کیا جا سکتا ہے۔ جب کام کرنے والے کو یہ اختیار بھی حاصل ہو۔ کہ اگر وہ اس کے حکم کی تعمیل سے انکار کر دے تو اس کو کسی قسم کی سزا دینے کی طاقت اس میں موجود ہو۔ چنانچہ جو شخص اس بزرگ کا حکم نہیں مانتا تھا اس کو یا تو گاؤں سے باہر نکال دیا جاتا تھا۔ یا دوسروں کو ہدایت کر دی جاتی تھی۔ کہ اس کا کوئی کام نہ کریں۔ اسی سزا کے ڈر سے ہر شخص مجبور ہو جاتا تھا۔ کہ بزرگ کا کہنا مانے۔ اور اپنے فرائض کو بخوشی ادا کرے۔

نیکی اور بدی کا ساتھ

دُنیا کی محبت تو غرض کی دیکھی
لیکن یہ عمل کی بات سچی دیکھی
عالی دم مرگ ساتھ کوئی نہ گیا
جاتے ہوتے ہاں بدی و نیکی دیکھی

حضرت سلیمانؑ

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤدؑ کے صاحبزادے تھے۔ یہ بھی پیغمبر اور بادشاہ تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی حکومت اور سلطنت عنایت فرمائی تھی جو نہ تو پچھلے زمانہ میں کسی کو ملی نہ آیندہ ممکن ہے کیونکہ آپ کے محکوم صرف انسان ہی نہ تھے۔ بلکہ جن و پری اور تمام جانور بھی فرمانبردار تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ہر قسم کی مخلوق کا ایک لشکر جمع کیا۔ اور اس عجیب و غریب جلوس کے ساتھ سواری روانہ ہوئی۔ راستہ میں کہیں چیونٹیاں جا رہی تھیں۔ چیونٹیوں کی ملکہ نے دُور سے حضرت سلیمانؑ کا جلوس آتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُس نے تمام چیونٹیوں سے کہا۔ کہ خبردار ہو جاؤ اور سب جلد جلد اپنے اپنے گھروں میں چلی جاؤ۔ کیونکہ حضرت سلیمان کا زبردست لشکر اس طرف آ رہا ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ ہم میں سے کوئی بے خبری میں روندا اور کچلا جائے۔

چیونٹی کی یہ باتیں سُنکر حضرت سلیمان بہت مسرور ہوئے۔ اور خُدا کی دی ہُوئی عزت و شان پر شکرگزار ہوتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی بڑی قابلِ تعریف صفت یہ تھی۔ کہ آپ خُدا کی نعمتوں کا خوب شُکر ادا کرتے رہتے تھے۔ لوگ ذرا ذرا سی دُنیوی خوشی اور معمولی معمولی کاموں میں مصروف ہو کر خُدا کو بھول جاتے ہیں۔ اور اپنے مال و دولت اور اسباب پر مغرور ہو کر اللہ کی نعمت کے شکریہ کا خیال بھی نہیں کرتے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کی دی ہُوئی ہر نعمت اور ہر خوشی پر خُدا کو یاد کرتے اور شکر ادا کرتے تھے۔ اس واسطے اُن کو خُدا جسقدر خوشیاں اور نعمتیں زیادہ دیتا تھا۔ وہ اُتنا ہی خُدا کی طرف زیادہ مائل ہوتے تھے!

وفاداری اور اُس کا پھل

مُلک افریقہ میں ایک سوداگر رہتا تھا جو تجارت کے سبب اکثر ایک مُلک سے دوسرے مُلک میں سفر کرتا پھرتا تھا۔ دولت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ہر ایک مُلک میں اس کے کارندے موجود تھے۔ اثنائے سفر میں یہ سوداگر کچھ لین دین میں مصروف تھا۔ کہ ایک شخص کچھ غلاموں کو لئے راستہ سے گزر رہا تھا۔ اتفاقاً سوداگر کی نظر غلاموں پر پڑی۔ جن میں سے ایک غلام کو دیکھا۔ کہ اپنا سر نیچا کئے چلا جا رہا ہے۔ فوراً اس شخص کو بُلا بھیجا۔ اور اس غلام کی قیمت دریافت کی۔ تاکہ اس کو خرید لے۔ اس اجنبی نے تمام غلاموں سے اس غلام کی قیمت بڑھا کر کہی۔ مگر سوداگر کو کیا پرواہ تھی۔ فوراً اتنی ہی قیمت ادا کر کے غلام کو خرید لیا۔ اس غلام کا قصّہ سُنئے۔ وہ ایک دور دراز کے مُلک کا رئیس زادہ تھا۔ مگر سرحدی ڈاکوؤں نے حملہ کر کے اُس کو پکڑ لیا۔ اور بحیثیت ایک غلام کے فروخت کر دیا تھا۔ سوداگر اُس کی صورت دیکھتے ہی تاڑ گیا تھا۔ چنانچہ وہ ہمیشہ اس غلام کو اپنے ساتھ رکھتا۔ غلام دل و جان سے اپنے آقا کی خدمت میں مصروف رہتا۔ اشاروں پر کام کیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بیحد عزیز بن گیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ سوداگر اور اُس کا اکلوتا فرزند جو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا تھا۔ مع اس غلام کے جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ کہ جہاز طوفان میں گھر گیا۔ اور اس سوداگر کا لڑکا سمندر میں جا پڑا۔ قریب تھا۔ کہ ڈوب جائے لیکن اس غلام نے جھپٹ کر اس کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ اور اپنی جان پر کھیل ایک کشتی پر سوار کر صحیح سلامت کنارے پر لے آیا۔ سوداگر نے جب بیٹے کو زندہ پایا۔ جان میں جان آئی۔ خُدا کا شکر بجا لیا۔ اور غلام سے

کہا کہ تونے جو احسان کیا ہے۔ اُس کا بدلہ تو مَیں ادا
کر ہی نہیں سکتا لیکن جو کچھ میرے امکان میں ہے
اُس کو مَیں کئے بغیر نہ رہونگا۔ مَیں نے تجھ کو آزاد کیا۔
اور جو کچھ نقد و جواہرات اور اسباب اس جہاز پر
ہے۔ وہ تیری نذر ہے۔ یہ سب کچھ تیرا مال ہے۔
جاؤ اس سے فایدہ اُٹھاؤ۔ غلام اپنے محسن آقا سے
یہ الفاظ سُنکر بیحد خوش ہؤا۔ اور جہاز میں سوار ہو کر
ایک طرف کو چلا گیا۔

کچھ دُور نہ گیا تھا کہ طوفان نے آگھیرا اور جہاز
ایک چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ صرف
اس غلام کی جان بچی۔ ایک تختہ پر پڑ کر بیہوش ہو گیا
اور یہ تختہ بہتے بہتے ایک جزیرہ کے ساحل پر آلگا۔
اس غلام کو کئی گھنٹے کے بعد ہوش آیا۔ تو اپنی بیکسی
اور جہاز و مال کی یاد آئی۔ بے اختیار رونے لگا۔
آخر تھوڑی دیر کے بعد جی کڑا کر کے آگے بڑھا کہ
شاید کہیں آبادی نظر پڑے۔ اور کھانے پینے
کے لئے کچھ میسّر آجائے۔ یہ سوچتے ہوئے کچھ
فاصلہ طے کیا تھا۔ کہ ایک آباد شہر دُور سے دکھائی
دیا۔ شہر کو دیکھکر جان میں جان آئی۔ وہاں کھڑا ادھر
اُدھر نظر دوڑا ہی رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ دُور سے
آدمیوں کی ایک جماعت اس کی طرف بڑھے چلی
آرہی ہے۔ یہ پریشان تھا۔ کہ نہ معلوم کون لوگ
ہیں۔ اور کس طرح پیش آئیں۔ یہ خیالات دل میں
تھے ہی کہ ان کی نظر اس غلام پر پڑی۔ تو خوشی
کے نعرے مارنے لگے۔ "اور بادشاہ سلامت
بادشاہ سلامت" کی آوازیں بلند کرتے اس کی
طرف بڑھے اور ایک نہایت ہی شاندار گھوڑے
پر سوار کر کے شاہی شان و شوکت کے ساتھ محل
میں لے گئے۔ وہاں عجیب کیفیت تھی۔ بے شمار
خدمتگار خدمت میں حاضر تھے۔ اُمرا و وزرا حاضر
ہو کر آداب شاہانہ بجا لاتے۔ اور اس کو شاہانہ لباس
پہنا کر مسند شاہی پر بٹھا دیا۔ غلام حیران تھا کہ کیا
ماجرا ہے۔ کیا خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ مگر تھوڑی
دیر کے بعد اُس کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہ سب حقیقت ہے

نہ خواب نہ خیال۔ ایک مصاحب سے دریافت کیا۔ کیا سبب ہے کہ تم میری اس قدر عزت کرتے ہو۔ مَیں محتاج ہوں۔ جاہل ہوں پھر کیوں مجھے بادشاہ بنادیا گیا۔ اس مصاحب نے عرض کی۔ بادشاہ سلامت اس مُلک کا یہ دستور ہے کہ ہر سال ایک نیا شخص بادشاہ بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہر سال یہاں کے سب لوگ سمندر کی طرف جاتے ہیں۔ اور جو شخص پہلے نظر آتا ہے۔ اُس کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ لاکر بادشاہ بنا دیا جاتا ہے۔ اور جب سال ختم ہوجاتا ہے۔ تو اُس کو تخت سے اُتار کر ایک جہاز میں سوار کر دیتے ہیں۔ اور ایک ویران جزیرہ کی جانب روانہ کر دیتے ہیں۔ پچھلے بادشاہ نہایت ناعاقبت اندیش اور آرام طلب تھے۔ سال بھر عیش کرنے کے بعد جزیرہ میں پُہنچکر بقیہ زندگی نہایت ذلت اور پریشانی سے بسر کرتے۔

اُس نے مصاحب کی تقریر بہت ہی غور سے سُنی اور آئندہ آنے والی مصیبتوں کا سامنے کرنے کو تیار ہوگیا۔ پھر مصاحب سے صلاح لی۔ مصاحب نے جواب دیا۔ بادشاہ سلامت۔ جس طرح آپ یہاں خالی ہاتھ آئے ہیں۔ اسی طرح جزیرہ میں پُہنچا دِئے جائینگے۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ آپ اس وقت نامی کاریگر اور معماروں کو اس جزیرہ میں بھجوائیں اور حکم دیں۔ کہ وہاں جاکر عالیشان مکانات بنائیں۔ باغات لگوائیں۔ اور تمام علاقے کو سرسبز و شاداب بنائیں تاکہ دُور دُور کے لوگ وہاں آکر آباد ہوجائیں۔ اور وہاں کے لوگ آپ کی رعایا اور محکوم بن کر رہیں۔ دانشمند مصاحب کا مشورہ سُنکر عارضی بادشاہ بہت خوش ہُوا۔ اور فوراً تاکیدی احکام جاری کر دِئے۔ اور تھوڑے عرصہ میں جزیرہ باغ بہشت کا نمونہ بنا دیا گیا۔ ہر طرف سے لوگ آکر آباد ہُوئے۔ اور تھوڑے ہی دن میں شاہی محل اور باغات تیار ہوگئے۔

اس سے پہلے بادشاہ اس عارضی حکومت
پر پھول جاتے اور انجام سے غافل رہتے تھے
بیچارا اور عاقل بادشاہ عارضی سلطنت کو چھوڑ
کر اپنی مستقل حکومت میں جانے کے لئے
بیچین رہتا۔ آخر وہ دن آ پہنچا۔ شاہی اختیارات
چھین لئے گئے۔ اور وہی بوسیدہ اور میلے
کپڑے جو امانت کے طور پر رکھے گئے تھے۔
پہنا کر جہاز میں سوار کر دیا گیا۔

جہاز سیدھا جزیرہ کی طرف روانہ ہوا اور
جب ساحل پر پہنچا تو نئی رعایا اس کے
استقبال کے لئے حاضر ہوئی۔ اور باجے
بجاتے اور خوشیاں مناتے نہایت احترام اور
شان کے ساتھ بادشاہ کو شاہی محل میں پہنچا دیا
وہ جزیرہ جو بالکل ویران اور وحشتناک مقام
تھا۔ باغِ ارم بن گیا تھا۔ ایک غلام وہاں
پہنچکر مستقل بادشاہ کی حیثیت سے رہنے لگا
اور نہایت اطمینان و عمدگی سے باقی عمر بسر کی۔
اور اپنی وفاداری اور ہمت کا اسکو ایک اعلیٰ پھل حاصل ہوا

یتیم لڑکا

مدرسہ میں ایک اُستاد لڑکوں کو خوشخطی لکھا رہا تھا۔ اُسنے
بورڈ پر یہ فقرہ لکھا۔ "ماں باپ کی عزت کرو" اور کہا۔ "اپنی
اپنی کاپیوں پر اس کی مشق کرو"۔ تمام لڑکوں نے فقرہ نقل کیا
اور لگے اس کی مشق کرنے۔ مگر ایک لڑکا اسی طرح بُت
بنا بیٹھا رہا۔ اور زور زور سے رونے لگا۔ اُستاد اُس کے
پاس گیا۔ اور اُس سے اس عجیب حرکت کی وجہ دریافت کی۔

لڑکے نے جواب دیا۔ "میرے والدین مدت ہوئی
مر چکے۔ اس فقرے سے میرے غمگین دل کو ٹھیس لگی
ہے۔ مَیں نے بہت صبر کیا۔ لیکن اب نہیں کر سکتا"۔

اُستاد کو لڑکے پر بہت رحم آیا۔ پیار سے اُسکو چُپ
کیا۔ اور بورڈ پر سے پہلا فقرہ کاٹکر یہ لکھدیا۔ "یتیموں
کے دل نازک شیشے کی طرح ہوتے ہیں۔ احتیاط کرو۔
ذرا سی بات سے ٹوٹ جاتے ہیں"۔ نونہالو تم کو
بھی ان بچوں سے محبت سے پیش آنا چاہیے جن کے والدین
انہیں یتیم و لاوارث چھوڑ کر خدا کے پاس چلے گئے ہیں۔

119

والمیک

والمیک کی رامائن سنسکرت کی مشہور کتاب ہے۔ اِس کے پڑھنے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ والمیک کی شاعری بڑے اعلیٰ پایہ کی ہے۔ اُسے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ والمیک بڑا بزرگ گزرا ہے لیکن بچّوں کو شاید یہ معلوم نہ ہوگا۔ کہ یہی والمیک پہلے نہایت خوفناک ڈاکو تھا۔ آج ہم بچّوں کو اس کا قصہ سُناتے ہیں:۔

والمیک جوانی میں ڈاکے مارا کرتا تھا۔ اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹ کر اُن کو قتل کر دیا کرتا تھا۔ وہ ایسا بے رحم اور خوفناک تھا۔ کہ لوگ اُس کا نام سُنکر تھرا اُٹھتے تھے۔ اور جس طرف والمیک آیا جایا کرتا تھا۔ اُس طرف کبھی بھول کر بھی نہ جاتے تھے۔ وہ بچّوں اور عورتوں کو بھی قتل کرنے میں دریغ نہ کرتا تھا۔

ایک دن چند سادھو اُس طرف آ نکلے۔ والمیک نے اُن کو جا پکڑا۔ اور تلوار نکال کر کہا۔ "تمہارے پاس جو کچھ ہے رکھ دو"۔

سادھوؤں نے جواب دیا۔ "اے والمیک! سادھوؤں کے پاس سوائے ہری نام کے اور کیا ہے۔ وہ اگر چاہو تو لے لو"۔

والمیک نے کہا۔ "مجھ سے تمام دُنیا کانپتی ہے۔ مگر کیا سبب ہے۔ کہ تم میرے سامنے بے خوف کھڑے ہو؟"

سادھوؤں نے جواب دیا۔ "ہم جانتے ہیں۔ کہ تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"۔

والمیک غضبناک ہو کر بولا۔ "مَیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کیوں؟"

سادھوؤں نے جواب دیا۔ "پرماتما کی یہ خواہش نہیں ہے۔ اِس لئے"۔

والمیک نے تلوار ایک سادھو کی گردن پر رکھی۔ اور کہا۔ لے مَیں تجھے جہنّم میں پہنچا دوں پھر ان کی طرف توجّہ کرونگا۔

سادھو جس کی گردن پر تلوار رکھی ہوئی تھی کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ والمیک کو بہت تعجب ہوّا

"تو ہنستا کیوں ہے"؟

سادھو نے جواب دیا۔ "تیری بیوقوفی پر"

"کیا بیوقوفی"؟

یہی مجھے قتل کرنے کی۔ بھلا بتا تو سہی۔ مجھے قتل کر کے تجھے کیا ملیگا۔ روپیہ، سونا، ہیرا، موتی"؟

"کچھ نہیں"

"پھر اس پاپ سے کیا حاصل"؟

"بات سچّی تھی والمیک کے دِل میں گھر کر گئی۔ اُس نے تلوار ہٹالی۔ اور کہا۔ "جاؤ! مَیں نے سب کو معاف کیا"

اُس سادھو نے کہا۔ "اے والمیک تُو نے میری جان بخشی ہے۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ تیرے ساتھ کچھ نیکی کروں"

والمیک کو اور بھی تعجب ہوّا۔

سادھو نے پُوچھا۔ "تو ڈاکے مارتا ہے"؟

والمیک نے جواب دیا۔ "ہاں"

"مسافروں کو قتل کر دیتا ہے"؟

"ہاں"

"اُن کا مال و اسباب لوٹ لیتا ہے"؟

"ہاں"

"مگر یہ گناہ ہے۔ تو یہ کیوں کرتا ہے"؟

"بیوی بچّوں کا پیٹ پالنے کے لئے"

سادھو نے پُوچھا۔ "تو کیا تو جانتا ہے۔ کہ اس گناہ کا نتیجہ تجھے بُھگتنا پڑیگا۔ تیرے گھر کے آدمی تیرے ساتھ اُس میں شریک نہ ہونگے"

"کیوں نہ ہونگے"؟

سادھو نے اطمینان سے جواب دیا "جا کر اُن سے پُوچھ آ۔ ہم یہیں بیٹھے ہیں"

والمیک گھر گیا۔ اور بیوی سے بولا۔ میں جو یہ پاپ کرتا ہوں۔ اس کے نتیجے میں تم بھی شریک ہو گی یا نہیں؟"

"بیوی نے ہنسکر جواب دیا۔ "نہیں"

"کیوں؟"

"کیونکہ جو پاپ کرتا ہے پھل اُسی کو ملتا ہے۔ اُس کے رشتہ داروں کو نہیں۔"

"مگر میں سب کچھ تمہارے ہی لئے کرتا ہوں۔"

والمیک کی بیوی نے تیوری چڑھا کر کہا۔ اگر تم پکڑے جاؤ تو کیا سزا پاؤ؟"

والمیک نے لرز کر جواب دیا۔ "پھانسی"۔

"کیا مجھے بھی یہی سزا ملے گی؟"

والمیک نے سوچ کر کہا۔ "نہیں"

"تو پھر جو راجہ نہیں کرتا۔ وہ بے انصافی ایشور کیسے کر سکتا ہے؟"

والمیک کی آنکھیں کھُل گئیں۔ روتا ہُوا گھر سے نکل آیا۔ اور سادھو کے قدموں پر جا گرا۔ سادھو نے اُسے بہت سی قیمتی نصیحتیں کیں۔ اور عبادت کرنے کا طریقہ بتایا۔ اس کے بعد اُس کی زندگی نے ایسا پلٹا کھایا۔ کہ آجتک اُس کا نام زندہ ہے۔

سُدرشن

تعلیم کا مقصد کیا ہے؟

علم دوست کہتا ہے "کتابیں" منطقی کہتا ہے "صداقت" مصوّر کہتا ہے "خوبصورتی" دُنیادار کہتا ہے "دولت اور آرام" بڈھا آدمی کہتا ہے "تجربہ" نوجوان کہتا ہے۔ "جوش" سپاہی کہتا ہے "حوصلہ" دوست کہتا ہے "دوستی" اُستاد کہتا ہے "قابلیت" حکیم کہتا ہے "تندرستی" معلم اخلاق کہتا ہے "اپنے آپ پر قابو پانا" شاعر کہتا ہے "تخیّل" کاریگر کہتا ہے "عمدگی" بچّہ کہتا ہے "کھیل" مذہب کہتا ہے "خُدا کی اطاعت"۔

زرداد

شہنشاہ بابر کا دوست

(مسلسل قصہ)

(۹)

خواجہ محمد اس بہادر اور جان نثار جمعیت کے ساتھ اندجان جا پہنچا۔ اسے خیال تھا۔ کہ اندجان پر سلطان احمد مرزا کے لشکر سے مقابلہ کرنا پڑیگا۔ مگر وہاں جاکر دیکھا۔ تو قلعہ کو خالی پایا۔ سلطان احمد مرزا بابر کی تلاش میں رات ہی کو نکل چکا تھا۔ فرغانہ کے سرداروں نے اپنے اپنے لشکر کو لیکر قلعہ اندجان میں قیام کیا۔ خواجہ محمد سرنگ کے راستے بابر کی خدمت میں حاضر ہونے کو چل دیا۔

امیر شیرم طغائی بابر کو لیکر کہیں دور نہ گیا تھا۔ بلکہ اس کا ارادہ صرف یہی تھا۔ کہ سلطان احمد مرزا کو اس امر کا یقین دلا دے۔ کہ بابر بھاگ گیا ہے۔ تاکہ وہ اس کی تلاش میں نکلے۔ اور وہ بابر کو لیکر دوبارہ اندجان میں آجائے۔ اور فرغانہ کی کمک کا انتظار کرے۔ چنانچہ سرنگ کے راستے وہ قریب کے میدان میں نکل آیا۔ اور نماز گاہ میں قیام کرکے خواجہ محمد کا انتظار کرنے لگا۔ پو پھٹتے ہی خواجہ محمد حاضر ہوگیا۔ اور اس نے کل کیفیت بیان کی۔ بابر کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ اور اس کو فرغانہ کے سرداروں کی وفاداری پر پورا پورا بھروسہ ہوگیا۔ ادھر جب یہ خبر بھی سنی۔ کہ سلطان احمد مرزا قلعہ چھوڑ کر اسکی تلاش میں چل دیا ہے۔ تو اسے بہت خوشی ہوئی کہ اس موقع اور وقت سے فایدہ اٹھا کر وہ

اندجان کو محفوظ کرلیگا۔ اور دشمن کے مقابلہ کا سامان کرسکیگا۔

بابر امیر شیرم طغائی اور خواجہ محمدؐ کے ساتھ جب واپس اندجان کے قلعہ میں پہنچا۔ تو تمام سرداروں نے حاضر ہوکر سلام کیا۔ اور نذریں پیش کیں۔ اب بابر صرف نام کا ہی بادشاہ نہ تھا۔ بلکہ فرغانہ کے بہادر اور وفادار امیروں کا سردار تھا۔

اب وقت کا ضائع کرنا دانشمندی سے دور تھا۔ سلطان احمد اگرچہ خود لالچی اور ظالم نہ تھا۔ مگر اس کی طبیعت پر اس کے سرداروں کا قبضہ تھا۔ وہ جس راستے پر متفق ہو جاتے بادشاہ کو بھی مجبور کرلیتے۔ اس لئے فرغانہ کے سرداروں کو اندیشہ تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے قلعہ کو مضبوط کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ دو تین روز میں باقی کے سردار جو فوراً اپنی اپنی جمعیت کو جمع نہ کرسکے تھے۔ فرغانہ سے اندجان آ پہنچے۔ اور بابر کے جھنڈے کے نیچے ایک مضبوط اور جرار لشکر جمع ہوگیا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ جس چیز نے ان کو بابر کے اردگرد جمع کیا تھا۔ وہ صرف وفاداری تھی۔ مگر جب اُنہوں نے بابر کی دلیری، ہمّت، اور دانائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تو سب ایکدل اور ایک زبان ہوکر بابر پر جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔

سب سردار تو دن بھر فوجی تیاریوں میں مصروف رہتے۔ مگر زرداد بابر کو ایک لمحہ کے لئے نہ چھوڑتا۔ دن بھر وہ بابر کی خدمت کرتا۔ اور جب بابر رات کو سوجاتا تو اس کے پلنگ کے قریب کھڑا ہوکر پہرہ دیتا۔ بابر اس کی جان نثاری دیکھ کر خوش ہوتا۔ اور کہتا۔ "زرداد جس بادشاہ کے ساتھ تمہارے جیسے وفادار دوست ہوں وہ کسی دشمن سے نہیں ڈرسکتا۔" (باقی آئندہ)

سانس

سانس انسانی زندگی کے لئے ایسی ضروری
چیز ہے۔ کہ اگر یہ کہا جائے۔ کہ اسی پر ہی
انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ تو کچھ غلط نہیں
مثل مشہور ہے۔ جب تک سانس تب تک
آس، لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگ غفلت سے
سانس ایسی بُری طرح لیتے ہیں۔ کہ جس سے
صحت پر خراب اثر پڑتا ہے

اگر سانس باقاعدہ نہ چلے۔ تو فوراً سمجھ لینا
چاہئے۔ کہ پھیپھڑوں کی حالت اچھی نہیں۔

جہاں تک ان اعضاء کا تعلق ہے جن پر
سانس اثر کرتی ہے۔ اگر سانس لینے میں احتیاط
کی جائے۔ تو انسان بہت سی بیماریوں سے محفوظ
ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم یہاں ایسی ضروری
ہدایات دیتے ہیں۔ جن کی پابندی بہت فائدہ
پہنچا سکتی ہے

سانس ہمیشہ ناک کے راستے سے لینی چاہیئے
کیونکہ ناک کے راستے ہوا صاف ہو کر اور کم مقدار
میں اندر جاتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ مُنہ سانس
لینے کی غرض سے نہیں بنا ہے۔

کمر کے ارد گرد بہت تنگ پٹی یا سخت کمر بند
کس کر نہیں باندھنا چاہئے۔ تاکہ ہوا پُورے زور
سے پھیپھڑوں میں جا سکے۔ اور پیٹ ہوا سے
اسقدر پھُول سکے جسقدر کہ صحت کے لئے لازمی
ہے۔ اگر پیٹ پر کوئی پٹی کسی ہوئی ہوگی۔ تو گہری
سانس لینی دشوار ہو جائیگی۔ جو صحت کیلئے بہت مُفید
ہے۔ بلکہ جہانتک ممکن ہو سکے ہر روز کھُلی ہوا میں
گہری سانس لینے کی مشق کرنی چاہئے۔ ایسی ایسی
ورزشیں بھی ہیں جن کے کرنے سے یہ مشق خود بخود ہو سکتی ہے
اس سے صاف ہوا زیادہ مقدار میں پھیپھڑوں میں پہنچتی
ہے۔ اور ان کو صاف اور مضبوط کرتی ہے۔ ایڈیٹر

۷۸۶

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱ اشاعت مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۴۲ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

تصویر: شہنشاہ بابر

نونہالو!

نونہال کے نویں نمبر کے لئے محرم اور لاہور کے موسم بارش کی وجہ سے تصویر تیار نہ ہو سکی، کیونکہ برسات میں تصویروں کے بلاک تیار نہیں ہو سکتے۔

اب نمبر ۱۰ میں جو تصویر بھیجی جا رہی ہے، یہ شہنشاہ بابر کی ہے۔ جس کے ابتدائی زمانہ کے حالات تم "زرداد" کے مسلسل قصّے میں، دو مہینے سے برابر پڑھ رہے ہو۔

یہ تصویر اُس زمانہ کی نہیں۔ جس وقت کا زرداد کا قصّہ ہے۔ بلکہ اُس زمانہ کی ہے۔ جب بابر ہندوستان فتح کر کے یہاں کا شہنشاہ ہو چکا تھا۔

ہمارا خیال تو یہ تھا۔ کہ بابر کی تصویر، ہندوستان کے تاریخی مضمونوں کے وقت تمہارے پیش نظر کریں، لیکن چونکہ اس وقت بھی بابر کی تصویر تمہارے لئے دلچسپی رکھتی ہے۔ اس لئے کہ زرداد کی کہانی کا تعلق اس تصویر سے بھی ہے۔ لہٰذا اسی مسلسل قصّے کے سلسلہ میں اس وقت اس تصویر کو پیش کئے دیتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ اب اُس قصّے کی دلچسپی اور بڑھ جائیگی۔

جائنٹ ایڈیٹر

کلجگ

دُنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی سات لے   نیکی کا بدلا نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے   آرام دے آرام لے دُکھ درد دے آفات لے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خُوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

کانٹا کسی کے مت لگا گر مثلِ گُل پھُولا ہے تُو   وُہ تیرے حق میں زہر ہے کس بات پر پھُولا ہے تُو
مت آگ میں ڈال اور کو پھر گھانس کا پولا ہے تُو   سُن رکھ یہ نکتہ بے خبر کس بات پر پھولا ہے تُو

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خُوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

تو اور کی تعریف کر تجھکو ثنا خوانی ملے   کر مشکل آساں اور کی تجھ کو بھی آسانی ملے
تو اور کو مہمان کر تجھ کو بھی مہمانی ملے   روٹی کھلا روٹی ملے پانی پلا پانی ملے

کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خُوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

شہر شہری اور شہریت

گیارھواں سبق

زبان اور رسم و رواج

یہی وہ وقت تھا جب ایک دوسرے کے مطلب کو سمجھنے کے لئے اور اپنی ضرورتوں کا اظہار کرنے کے لئے کسی خاص بولی سے کام لینے کی ضرورت پڑی۔ زمانۂ قدیم میں تو لوگ اپنی عقل کے زور سے گونگوں کی طرح اشاروں سے ہی کام چلا لیتے تھے پھر آہستہ آہستہ قدرتی طاقت گفتار سے مجبور ہو کر انسان نے دوسرے حیوانوں کی طرح بول چال شروع کر دی۔ لیکن باقی کی تمام ترقیوں کے ساتھ ساتھ یہ بولی بھی ترقی کر گئی۔ اور انسان نے عام طور پر اپنا مطلب سمجھانے کے لئے الفاظ گھڑ لئے یہی وہ الفاظ ہیں جنہوں نے رفتہ رفتہ مستقل زبان کی صورت اختیار کر لی۔ مگر زبان کے معاملے میں اسقدر فرق ضرور ہُوا۔ کہ ہر حصّۂ مُلک کے رہنے والوں نے چیزوں کے نام اور اپنا مطلب سمجھانے کے الفاظ اپنی اپنی پسند کے مطابق چُن لئے۔ اور یہ مختلف لوگوں کی بولیاں انہی لوگوں کی رہنے کی جگہ کے نام سے مشہور ہو گئیں۔ مثلاً پنجاب کے رہنے والوں کی بولی پنجابی کہلاتی ہے۔ اور بنگال کے رہنے والوں کی بولی بنگالی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کی بولیوں میں جن کا آپس میں کوئی نہ کوئی

خون اور نسل کا تعلق تھا بہت کچھ فرق نہ تھا اس کے متعلق اگرچہ مفصل ذکر آئندہ ہوگا۔ مگر اس بات کو سمجھانے کے لئے یہ بیان کر دینا فائدہ سے خالی نہیں کہ وہ نسل جو باہر سے آکر ہندوستان میں آباد ہوئی آریا نسل کہلاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے خواہ پنجاب میں رہے یا بنگال میں ایشیا میں یا یورپ میں سب اپنے ساتھ اس بولی کا اثر لے گئے۔ جو کسی زمانہ میں ان کی مشترکہ زبان تھی۔ چنانچہ ان الفاظ میں جو یہ نسلیں مختلف زبانوں میں خاص خاص ضروری چیزوں اور ناموں کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ کوئی ایسا فرق نہیں یہاں کو ایرانی مادر کہتے ہیں۔ اور انگریز مدر۔ ہندوستان کے پرانے باشندے ماتا کہتے تھے۔ اور موجودہ ما۔ یہی حال رسم و رواج کا بھی ہے۔ اگرچہ ہر حصہ ملک کے رہنے والوں کے رسم و رواج اسی ملک کی آب و ہوا اور دوسرے حالات کے مطابق تھے۔ اور اس لئے ہر دوسرے حصۂ ملک سے مختلف۔ تاہم یہ بات ضرور تھی کہ جن باشندوں کا آپس میں نسلی تعلق تھا۔ اُن کے رسم و رواج میں بھی کوئی اتنا بڑا فرق نہ تھا۔ ابتک رسم و رواج کے بارے میں یہی بات نظر آتی ہے۔ ہندوستان میں جہاں کہیں جاؤ۔ عام طور پر ضروری رسم و رواج میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ہاں چھوٹی خاص باتوں میں ضرور ہر حصۂ ملک کے رسم و رواج میں ضرور فرق ہوگا۔ مثلاً کھانے کے طریقے میں شادی بیاہ کی رسموں میں میل ملاقات کے ڈھنگ میں، ان تمام قوموں میں جو ہندوستان کے پرانے باشندوں کی اولاد ہیں کوئی بڑا فرق نہیں۔ ہاں ظاہری لباس میں۔ بات چیت میں۔ رہنے سہنے میں ضرور کچھ نہ کچھ فرق ہوگا۔ اسی طرح ان قوموں کے رسم و رواج میں جو عرب کے باشندوں کی نسل سے ہیں۔ خواہ وہ ملک عرب میں رہتے ہوں یا ہندوستان میں۔ کوئی بڑا اختلاف نظر نہیں آتا۔

(باقی آئندہ)

حضرت ابراہیم

حضرت ابراہیمؑ کی طبیعت میں شروع ہی سے خُدا کی تلاش موجود تھی۔ آپ کو بُت پرستی سے نفرت تھی۔ اور آپ یہی سوچا کرتے تھے۔ کہ بھلا اپنے ہی ہاتھوں کی تراشی اور بنائی ہوئی پتھر اور سونے چاندی کی مورتیں، خُدا کس طرح ہو سکتی ہیں ضرور کوئی ایسی ذات ہے جو ساری دُنیا سے نرالی اور اچھی ہے۔ جس کو خُدا سمجھنا چاہیئے۔

رات کا وقت تھا۔ آپ اسی خیال اور تلاش میں تھے۔ کہ ایک بہت بڑا اور روشن ستارہ نظر آیا۔ اُس کو خوبصورت اور چمکدار دیکھکر آپ اپنے جی میں خیال فرمانے لگے۔ کہ "یہی خدا ہے" کچھ عرصہ کے بعد وہ ستارہ ڈوب گیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ "نہیں یہ خدا نہیں ہو سکتا" ڈوبنے والی اور غروب ہو جانے والی چیز خدائی کے لائق نہیں۔ پھر چاند نکلا تو چاند کو خدا خیال کیا، وہ بھی چھپ گیا۔ اور سُورج طلوع ہُوا۔ تو اُس کو اللہ سمجھے۔ مگر جب وہ بھی چھپ گیا۔ تو آپ پکار اُٹھے۔ کہ "یہ سب چیزیں خدائی کے قابل نہیں۔

آخرکار مقصد حاصل ہو گیا۔ اور زمین و آسمان اور ان چیزوں کے پیدا کرنے والے پر ایمان قائم ہُوا۔

اُس وقت آپ نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا۔ کہ "تم جن چیزوں کو خُدا کا شریک بتلاتے ہو۔ مَیں اُن سے علیحدہ ہوں۔ مَیں تو صرف اُس پاک ذات پر ایمان رکھتا ہوں۔ جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور اب مَیں عمر بھر اُسی کا ہو کر رہوں گا۔ اور مَیں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں"!

احمد مجددی

دھرو

(۱)

راجہ اُتان پاد کی دو رانیاں تھیں۔ ایک کا نام سُنتی تھا۔ دوسری کا سوروچی۔ سُنتی نہایت رحمدل تھی اور ہر کسی سے نیکی کا سلوک کرتی تھی۔ مگر سوروچی دل کی سیاہ تھی۔ اُسے ہر وقت یہی خیال رہتا تھا۔ کہ کسی طرح راجہ سنتی سے نفرت کرنے لگے۔ جب راجہ اُس کے پاس آتا۔ تو وہ سُنتی کے متعلق بہت کچھ جھوٹی باتیں بناتی اور کہتی۔ کہ سونتی بڑی مغرور ہے۔ آپ کی بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتی۔ راجہ چند دن تک تو ان باتوں کو سُنتا رہا۔ مگر آخر انسان تھا۔ دل پر اثر ہو گیا۔ پانی کی ایک ایک بوند پتھر پر بھی نشان ڈال دیتی ہے۔ اُس نے سونتی کو بُلا کر کہا۔ سُنا ہے۔ تُو اب بڑی بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگی ہے میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ تُو میرے راج سے باہر چلی جا۔

رانی نے یہ سُنا تو اُس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اُس نے خاوند کے پیر پکڑ لئے۔ اور رو رو کر کہا۔ کہ آپ سے یہ کس نے کہا ہے۔ میں تو آپ کو دیوتاؤں سے بڑھ کر سمجھتی ہوں۔ مگر سنگدل راجہ کو رحم نہ آیا۔ اور اُس نے اپنی نیکدل رانی کو اپنے راج سے باہر نکال دیا۔ یہ دیکھکر سوروچی بہت خوش ہُوئی اور اس کو یقین ہو گیا۔ کہ اب راجہ بالکل میرے ہی ہاتھوں میں رہیگا۔

(۲)

سونتی جنگل میں جا کر ایک کُٹیا میں رہنے لگی۔ وہاں کئی سادھو سنیاسی بھی رہتے تھے۔ اُنہوں نے سونتی کی بہت مدد کی۔ اور اُسے کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دی۔ مگر پھر بھی سونتی ہر وقت اداس رہتی تھی۔ چھ مہینے کے بعد اُس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہُوا۔ اُسے دیکھ کر غمگین ماں کی ڈھارس بندھ گئی۔ وہ

ہر وقت اُس کی دیکھ بھال میں مصروف رہنے لگی۔ اُس کا نام دھرو رکھا گیا۔

جب دھرو ذرا بڑا ہُوا۔ تو باتیں کرنے لگا۔ اُن کو سُنکر بن باسی ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔ وُہ ایسا خوبصورت اور پیارا بچہ تھا۔ کہ اُسے جو دیکھ لیتا وہی اُسے گود میں اُٹھا لیتا تھا۔

(۳)

ایک دن سب بن باسیوں کے بچے نئے کُرتے پہن کر آئے۔ اور آپس میں کھیلنے لگے۔ مگر دھرو کے پاس وہی پُرانا کرتا تھا۔ اُن لڑکوں نے دھرو سے کہا۔ کہ جب تک تُم نیا کُرتا پہن کر نہ آؤ گے۔ ہم تُمہیں اپنے ساتھ کھیلنے نہ دیں گے۔ دھرو نے جا کر یہ بات اپنی ماں سے کہی۔ اُس نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر اُس کے جسم پر لپیٹ دیا۔ اور کہا۔ جاؤ اب وہ تُمہیں کھیل سے منع نہ کرینگے۔

دھرو یہ نیا لباس پہنکر لڑکوں میں گیا۔ تو ایک لڑکے نے کہا۔ یہ تو کُرتا بھی نہیں ہے۔

دھرو نے جواب دیا۔ کیا کروں۔ میری ماں غریب ہے۔ اس لئے اُس کے پاس جو کچھ تھا۔ اُس نے مجھے دیدیا۔

اس پر ایک لڑکا بولا۔ ارے تو غریب ہے تیرا باپ تو راجہ ہے؟

شام کو جب دھرو ماں کے پاس گیا۔ تو اُس کا چہرہ اُداس تھا۔ ماں کے دِل پر تیر سا لگا۔ گھبرا کر بولی۔ کیوں بیٹا خیر تو ہے۔

مگر دھرو نے کوئی جواب نہ دیا۔ سونتی نے پھر کہا۔ "کیوں کیا ہُوا ہے تجھے؟"

دھرو نے کہا۔ "مجھے یہ بتا دے۔ کہ میں کس کا لڑکا ہوں؟"

سونتی نے اُسے سارا حال سُنا دیا۔ اور کہا۔ کہ یہ سب تیری سوتیلی ماں کی شرارت ہے۔

(۴)

دوسرے دِن دھرو نے سب لڑکوں سے کہا آؤ آج راجہ کو دیکھنے چلیں۔ لڑکوں کو کیا عذر تھا۔

نئی چیز دیکھنے کو تیار ہو گئے۔ اور شہر میں جا پہنچے
مگر شاہی محل کے دروازہ پر پہرہ تھا۔ لڑکوں نے
پہرے دار سے کہا۔ ہم بن باسی ہیں۔ راجہ کے
درشن کو آئے ہیں۔ جا کر ہماری اطلاع کر دے۔
راجہ نے فوراً اجازت دیدی۔ اور لڑکے
اُس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ راجہ اُن
کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ مگر دھرو کی طرف اُس
کی آنکھیں کھنچی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ کیا ہے۔
یہ وہ نہ سمجھ سکا۔
آخر اُس نے اُس کی شکل میں سونتی اور اپنی شکل
کا عکس پہچان لیا۔ اور اُسے پیار سے گود میں
بٹھا کر اُس کا مُنہ چومنے لگا۔
اتفاق سے یہ نظارہ سوروچی نے دیکھ لیا۔
اور اُس نے آگے بڑھکر یہ کہتے ہوئے دھرو کو
راجہ کی گود سے اُتار دیا۔ کہ اس گودی میں بیٹھنے کا
حق صرف اُس لڑکے کو حاصل ہے۔ جو میرے
پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

اس حرکت سے دھرو کا دل غمگین ہو گیا
اُس نے رات کو ماں سے سارا حال کہا۔ اور
روتے ہوئے بولا۔ ماں! کیا مجھے باپ کی گود
میں بیٹھنے کا بھی حق حاصل نہیں۔
سونتی نے اُسے پیار سے کہا۔ بیٹا!
تو اُس باپ کی گود میں بیٹھ۔ جو اس باپ سے بھی
بڑا ہے۔"
دھرو نے حیران ہو کر پُوچھا۔ "ماں وہ کون
ہے؟"
"اُسے پرمیشور کہتے ہیں۔"
"کہاں ہے؟"
"ہر جگہ"
"کیا وہ اس راجہ سے بڑا راجہ ہے؟"
"ہاں وُہ دُنیا کے ہر راجہ سے بڑا ہے۔"
"اُسے کہاں ڈھونڈوں؟"
"وہ ہر جگہ مل جاتا ہے۔ رشی منی اُسی کے
لئے جنگلوں میں جا کر تپ کرتے ہیں۔"

دھروکو جیسے سہارا مل گیا۔ رات کے وقت جب اُس کی ماں سوئی ہوئی تھی۔ تو وُہ اُٹھ کر چپکے سے کُٹیا سے باہر نکل گیا۔ اور گھنے جنگل میں چلا گیا۔ مگر اُس غریب کو کیا معلوم تھا۔ کہ عبادت کیسے کی جاتی ہے۔ اس لئے وہ رو رو کر یہی کہتا جاتا تھا۔ کہ "اے پرمیشور مجھے اپنی گود میں لے۔ مُجھے پیار کر۔ میرے سامنے آ۔"

اسی طرح کئی دن گُزر گئے۔ آخر ایک دن اُدھر سے مشہور رشی نارد کا گزر ہُوا۔ اُنھوں نے جب اِس بچّے کا یہ حال دیکھا۔ تو نہایت حیران ہُوئے۔ اُسے بہتیرا سمجھایا۔ کہ ماں کے پاس لوٹ جاؤ۔ مگر وہ رضامند نہ ہُوا۔ مجبوراً اُسے اپنا چیلا بنا لیا۔ اور عبادت کا طریقہ بتلایا۔ دھرو پورے طور پر بھگت بن گیا۔

(۶)

کئی سال کے بعد دھرو اپنے گھر کو واپس ہُوا۔ اس وقت اُس کے چہرے پر جلال تھا۔ آنکھوں میں بجلی۔ اب وُہ اُس زینے تک پہنچ چکا تھا۔ جہاں پہنچنے کے لئے رشی مُنی دن رات تپ کرتے ہیں۔ راجہ اُتان پاد نے اُس کے قدموں میں گر کر معافی چاہی۔ مگر دھرو نے کہا آپ کا قصور نہیں۔ مجھے راج کے بدلے پرمیشور مل گیا ہے۔ سوروچی بھی اپنے سلوک پر پچھتاتی تھی۔ اُتان پاد نے پالکی بھیجکر سونتی کو بُلوا بھیجا۔ وہ بیٹے کے غم میں رو رو کر نیم جان ہو رہی تھی۔ دھرو کو دیکھ کر اس طرح کھل گئی۔ جس طرح سُوکھے ہُوئے کھیت بارش سے ہرے ہو جاتے ہیں۔

سُدرشن

نصیحتیں

۱۔ جو کام خود کر سکتے ہو۔ اُسے دوسروں پر نہ چھوڑو پھر تم دوسروں کا گلہ نہ کرو گے۔

۲۔ اگر تم اپنے برخلاف سُنکر ضبط نہیں کر سکتے۔ تو دوسروں کے خلاف تُم خود بھی کوئی بات نہ کہو۔ پھر تُمہیں دوسروں سے شکایت نہ ہوگی۔

قدر و قیمت

عزیز بچو! اس سے پہلے تم ایک مضمون قدر و قیمت
کے عنوان سے "نونہال" میں پڑھ چکے ہو جسے
محترم بھائی احمد مجددی صاحب نے لکھا تھا جس
میں تمہیں بتایا گیا تھا۔ کہ لوگوں نے غلطی سے
"قابلِ قدر" چیزوں کو قیمتی اور "قیمتی" چیزوں کو
قابلِ قدر سمجھ لیا ہے۔ جس کی چند مثالیں دے کر
تمہیں سمجھایا گیا تھا۔ کہ قابلِ قدر چیز کس کو کہنا چاہئے
اور قیمتی کس کو یعنی یہ کہ جو چیز انسانی زندگی کے لئے
مفید اور ضروری ہو۔ وہ "قابلِ قدر چیز" ہے۔ جیسے
ہوا، پانی اور ورزش وغیرہ۔

اور جو چیز انسان کے لئے اتنی مفید نہ ہو وہ
"قیمتی ہے۔ جیسے سونا چاندی
اس کو سمجھ لینے کے بعد اب میں تمہیں ایک
قدرتی ترکیب بتاتی ہوں۔ جس سے تم تمام دنیا کی
چیزوں کے متعلق آسانی سے سمجھ سکتے ہو۔ کہ یہ
"قابلِ قدر" ہے یا "قیمتی"
دیکھو خدا نے اپنی مہربانی سے وہ تمام چیزیں
جو "قابلِ قدر" ہیں۔ بہت سستی کر دی ہیں۔ اور جو
ہماری زندگی کے لئے بہت زیادہ ضروری ہیں
اُن کو مفت اور بے قیمت رکھا ہے۔ مثلاً ہوا
اور پانی کہ اُن کے بغیر کوئی جاندار چیز ایک منٹ
کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس لئے خدا
نے اُنہیں بالکل مفت کر دیا ہے۔ لوہے کو
دیکھو یہ تمام دھاتوں سے زیادہ ہمارے کام
آتا ہے۔ اس لئے اُن سب دہاتوں سے زیادہ
سستا بھی ہے۔ اسی طرح نمک اور غلّہ ہے
کہ یہ ہماری روزمرّہ کی غذا ہے۔ اگر گیہوں یا اس
قسم کی اور چیزیں خدانخواستہ بہت گراں ہو جائیں
تو جب بھی ہمیں مجبوراً اپنی خوراک کے لئے انہیں
خریدنا ہی پڑیگا۔ اگلے زمانے میں تو گیہوں اسقدر

سستا تھا۔ کہ ایک روپیہ کا پورے سو سیر ملتا تھا مگر اب گھٹتے گھٹتے پانچ ہی سیر کا رہ گیا ہے پھر بھی شکر ہے کہ اُن کا اور چیزوں کی طرح تولہ اور ماشے سے حساب نہیں ہوتا۔ ورنہ انسانوں کو اپنی خوراک کے لئے بڑی جدوجہد کرنا پڑتی اور پھر بھی میسّر نہ آتی۔

اس کے خلاف جو چیزیں "قابل قدر" نہیں ہیں۔ بلکہ "قیمتی" ہیں وہ بہ نسبت "قابل قدر" چیزوں کے گراں ہیں۔ جیسے تانبا، پیتل، دیکھو یہ دھاتیں لوہے سے زیادہ کام میں نہیں آتیں اس لئے بہ نسبت لوہے کے گراں ہیں۔

اسی طرح تانبا، پیتل جتنا کام آتا ہے اُتنا چاندی سونا کام نہیں آتا۔ اس لئے یہ چیزیں تانبے پیتل سے بھی گراں ہے۔ اور جس قدر چاندی سونا ہمارے کام آتا ہے۔ اُتنے ہیرے جواہرات ہمارے کام نہیں آتے۔ لہذا یہ اُن سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔ اور اُن کے قیمتی ہونے کی یہی وجہ ہے۔ کہ ہماری زندگی کے لئے کوئی ضروری چیزیں نہیں۔ اگر یہ نہ بھی ہوں۔ تو ہم زندہ رہ سکتے ہیں اور ہماری زندگی پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا

اب غالباً تم میرے اس لکھنے کا مقصد سمجھ گئے ہو گے۔ اور اپنی طرف سے اور چیزوں کے متعلق اسی طرح بتا سکو گے کہ یہ "قابلِ قدر" ہے۔ یا "قیمتی"۔

نصیحتیں

۱۔ ہمیشہ سچ کہو۔ فائدے کے لئے بھی جھوٹ نہ بولو۔ پھر تم نقصان میں نہ رہو گے۔

۲۔ وقت کو ضائع نہ کرو۔ یہ دولت کی ماں ہے۔

۳۔ جسم اور دماغ دونوں کا خیال رکھو۔ مگر چال چلن کا اس سے بھی زیادہ خیال رکھو۔ پھر تمہارا جسم اور دماغ بھی عمدہ بن جائیگا۔

۴۔ جو کام آج ہو سکتا ہے۔ اُسے کل پر نہ اُٹھا رکھو۔ پھر تم کل پچھتاتے نظر نہ آؤ گے۔

شہنشاہ بابر

زرداد

شہنشاہ بابر کا دوست

(مسلسل قصّہ)

(۱۰)

سلطان احمد کو جب دو تین دن تک بآبر کا کچھ پتہ نہ چلا۔ تو اُس نے اپنے سرداروں کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔ آخرکار یہ رائے قرار پائی۔ کہ اگر بابر نہیں ملتا تو نہ ملے۔ اس کی سلطنت تو کہیں نہیں جاتی۔ لازم ہے۔ کہ فرغانہ کے ماتحت علاقوں پر حملہ آور ہو کر ان کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا جائے۔ جب بآبر کو سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نہ ملیگی۔ تو آپ سے آپ حاضر ہوگا۔ یہ فیصلہ کر کے سلطان احمد مرزا نے دھاوا بول دیا۔ اور ارتینیہ، خجند اور مرغینان کا علاقہ چند روز میں ہی فتح کر لیا۔ اسی زمانے میں سلطان احمد مرزا کو بآبر کے اندجان میں موجود ہونے کا حال معلوم ہو گیا۔ اس لئے اس نے ان علاقوں کی فتح کے بعد یہ ارادہ کیا۔ کہ اب اندجان کا محاصرہ کر کے بآبر کو شکست دی جائے۔ اس غرض سے کوچ کر کے قبا میں جو اندجان کے قریب چار کوس کے فاصلہ پر ایک بڑا میدان تھا۔ اُس نے ڈیرے ڈال دئے۔ اور لڑائی کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ بآبر کو بھی سلطان احمد مرزا کی فتوحات کا علم ہو گیا تھا۔ اور اگرچہ اُس کو اپنے لشکر کی وفاداری اور بہادری پر پُورا بھروسہ تھا تاہم وہ اپنی دانشمندی کی بدولت یہ خوب جانتا تھا۔ کہ ایسے طاقتور دشمن سے مقابلہ کرنا آسان نہیں۔ اِس لئے اُس نے اپنے سرداروں

کو جمع کر کے کہا۔ "لڑنا اور مرنا بہادروں کا کام ہے لیکن فوج کے سرداروں کا فرض ہے۔ کہ وہ جنگ سے پہلے صلح کی کوشش کریں۔ سلطان احمد مرزا بیشک اپنے سرداروں کے ہاتھ میں ہے لیکن خود طبیعت کا بُرا نہیں۔ مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ دولت اور سلطنت کا لالچ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ اور سلطنت ایسی بُری چیز ہے۔ کہ بھائی بھائی کا اور بیٹا باپ کا خون بہانے کو تیار ہو جاتا ہے۔ تاہم لازم ہے۔ کہ صلح کی کوشش کی جائے۔ شاید چچا جان کا خون جوش مارے اور وہ مجھ کو ناحق دق کرنے سے باز آجائیں۔" بہت بحث مباحثہ کے بعد سرداروں نے بھی بابر کی رائے سے اتّفاق کیا۔ اور اس کی عقلمندی کی داد دی۔ چنانچہ خواجہ اوزان حسین اور خواجہ حسین جو اپنی دانائی اور تجربہ کاری میں بہت مشہور تھے۔ ایلچی مقرر کئے گئے۔ جب وہ روانہ ہونے کو تھے۔ تو زرواد نے دست بستہ ہو کر عرض کی۔ "جہاں پناہ اگرچہ مَیں آپ کے قدموں سے ایک پل کے لئے بھی جُدا ہونا نہیں چاہتا۔ تاہم میری آرزو ہے۔ کہ مَیں بھی آپ کے ایلچیوں کے ساتھ سلطان احمد مرزا کے پاس جاؤں۔ مَیں خود تو صلح صفائی کرانے کی کوئی قابلیّت نہیں رکھتا۔ مگر ایک کام کر سکتا ہوں۔ وہاں پہنچکر تمام خیمے دیکھ ڈالونگا۔ اور دُشمن کی فوج اور طاقت کا اندازہ کر لونگا۔ مجھ پر کوئی شخص شک بھی نہیں کر سکتا۔" بابر یہ سُنکر مسکرایا۔ اور پرانے دوست کی اس نرالی تدبیر سے بہت خوش ہو کر اسے ایلچیوں کے ہمراہ جانے کی اجازت دی۔ بابر نے ان ایلچیوں کو رخصت کرتے وقت خُدا سے کامیابی کی دُعا مانگی۔ اور کہا۔ "یاد رکھو کہ مَیں دُشمن کی طاقت سے نہیں ڈرتا۔ صرف اللہ کے غضب سے ڈرتا ہوں۔ مَیں خُدا کی مخلوق کا خون اپنی غرض کے لئے بہانا پسند نہیں کرتا۔ ہاں اگر مجھے ذلّت اور موت میں سے کوئی ایک چیز پسند کرنی پڑی۔ تو مَیں یقیناً موت کو ہی پسند کرونگا۔"

(باقی آئندہ)

پانی

ہوا کے بعد جو سانس کے ذریعے پھیپھڑوں اور جسم کے اندرونی حصّے کو صاف کرتی رہتی ہے۔ سب سے زیادہ بڑا درجہ پانی کا ہے۔ انسانی جسم کا ستّر فیصدی حصّہ پانی ہی کا ہے۔ اور انسانی جسم کے لاکھوں چھوٹے چھوٹے حصّے اسی پانی سے جو پیا جاتا ہے۔ دُھلتے اور صاف ہوتے رہتے ہیں۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے۔ کہ ہر خوراک جو کھائی جاتی ہے۔ اس میں ایک حصّہ پانی کا ہوتا ہے۔ خصوصاً ترکاری اور پھلوں سے یہ پانی کا حصّہ زیادہ ہوتا ہے۔ تاہم صاف اور سُتھرے پانی کا زیادہ مقدار میں پینا ایک اچھّی عادت ہے۔ اگر صبح سویرے ہی بستر سے اُٹھکر اور سوتے وقت پانی پیا جائے تو مفید ہے۔ دن بھر میں جب ذرا سی پیاس بھی لگے۔ اور خصوصاً کھانا کھانے کے بعد پانی کا پینا بھی بہت فائدہ بخش ہے۔

مگر اس امر کی احتیاط رکھنی چاہیئے۔ کہ پانی صاف ہو۔ کیونکہ زیادہ تر بیماریاں پانی کے ذریعہ سے ہی پھیلتی ہیں۔ اس لئے اگر کبھی پانی کے صاف ہونے کے متعلق شک ہو۔ تو لازم ہے۔ کہ پانی کو اُبال کر ٹھنڈا کر لیا جائے۔ اُبالنے سے تمام کیڑے مر جاتے ہیں۔ ہر حالت میں اُبلا ہُوا پانی اور ریت اور کوئلے کے ذریعے سے صاف کیا ہُوا پانی معمولی پانی سے زیادہ مفید ہے۔ جہانتک ممکن ہو تازہ پانی پینا چاہیئے۔ کیونکہ اگر پانی زیادہ دیر تک بند رکھا جائے۔ تو اس میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔ بخار کے کیڑے اکثر پانی ہی میں رہتے ہیں۔ ہندوستان میں عام طور پر پانی مٹی کے گھڑوں میں رکھا جاتا ہے۔ اس لئے چاہیئے۔ کہ ہر روز ان گھڑوں کو صاف کر کے دھوپ میں سُکھا لیا جائے۔ اس معمولی احتیاط سے بھی بہت لوگ بیماری سے بچ سکتے ہیں۔

کبوتر

ایک زمانے میں کبوتر بازی کا مشغلہ ہندوستان میں عام طور پر رائج تھا۔ ہر گھر میں کبوتروں کی چھتری نظر آتی تھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوگ اس کبوتر بازی میں اتنے مصروف ہو گئے۔ کہ وہ باقی کے کام دھندوں کو بھلا بیٹھے۔ اور اس وجہ سے کبوتر بازی ایک برا کھیل سمجھا جانے لگا۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر یہ شوق اپنی حد کے اندر اندر رہے۔ تو علاوہ دلچسپ ہونے کے مفید بھی ہے۔ یورپ میں اب یہ شوق ترقی کر رہا ہے۔ اور وہاں کے بچے اونچی اڑان والے کبوتر رکھنے کے بہت شائق ہوتے جاتے ہیں۔ جو بچے دل بہلانے کے لئے جانور اور پرندے پالنا چاہتے ہیں۔ وہ عام طور پر کبوتر کو بہت پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ خوبصورت ہونے کے علاوہ یہ ایک ہوشیار پرندہ ہے۔ اور مختلف قسم کی بازیاں لگانے اور دوسرے دلچسپ کھیل کرنے کے لئے سدھایا جا سکتا

ویسے تو کبوتروں سے بڑے بڑے کام لئے گئے ہیں مثلاً ایک جگہ سے دوسری جگہ لکھے ہوئے پیغام پہنچانے میں کبوتروں نے حیرتناک ہوشیاریاں دکھائی ہیں۔

کبوتر خریدتے وقت یہ دیکھ لینا چاہئے۔ کہ اسکے بازو چوڑے اور مضبوط ہوں۔ اور اڑنے والے پر بہت گنجان اور ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہوں تاکہ اڑتے وقت وہ ہوا کو اچھی طرح سے روک سکیں۔ اونچا اڑنے کے پروں کا لمبا ہونا اور سینے کا چوڑا اور گہرا ہونا بہت ضروری ہے تاکہ کبوتر زیادہ دیر تک اڑتا رہے۔ اور دم پھول جانے کی وجہ سے تھک نہ جائے۔ اچھے اور سمجھدار کبوتر کی آنکھیں روشن اور سر بڑا ہوتا ہے۔

اگرچہ کبوتر ہر قسم کے کابک میں رہکر خوش ہو جاتے ہیں۔ تاہم اگر خانے دار الماری کی قسم کی کابک ہو تو بہت اچھا ہے۔ ہاں کابکوں میں کوئی نہ کوئی ایسی جگہ ضرور بنا دینی چاہئے۔ جس پر وہ رات کو بسیرا لے سکیں۔
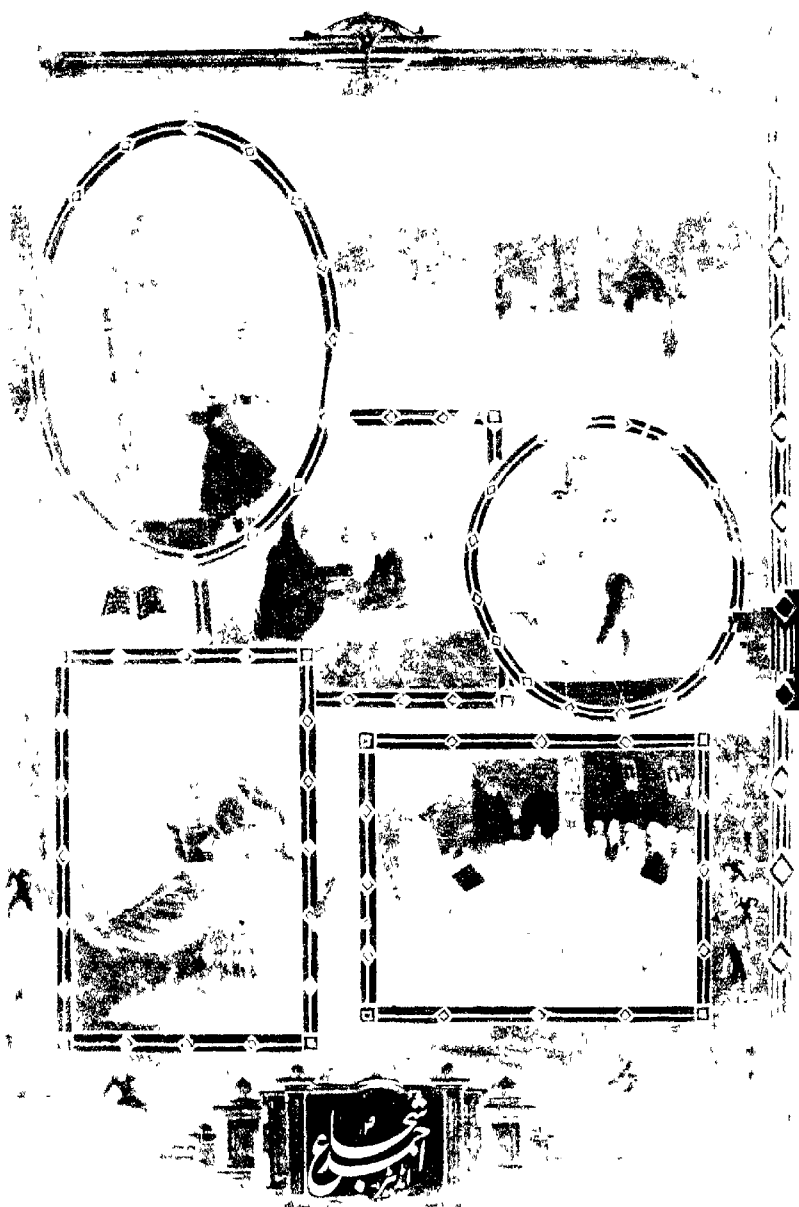
(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیا کرشن پرو پرائیٹر چھپا۔ اور دار الاشاعت ادب لطیف لاہور کے لئے سید افضال علی حسنی پبلشر نے شائع کیا)

احمد شجاع

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱ | اشاعت مورخہ ۲۲ستمبر ۱۹۲۲ء | نمبر ۱۱

فہرست مضامین

ہم تم

پٹنہ میں ایک اسلامیہ مدرسہ قائم ہوا ہے۔ گورنر صاحب نے، وزیر تعلیم کے مشورہ سے مدرسہ کے امتحانوں کے لئے ایک خاص انتظامی جماعت مقرر کی ہے۔ امید ہے کہ یہ جماعت وہاں کے طالب علموں کی علمی ضرورتوں کو پورا کریگی۔

گورنمنٹ بمبئی نے ادنےٰ ذات اور نیچے درجہ کے لوگوں میں تعلیم کا شوق بڑھانے کے لئے وظیفوں کی مقدار پہلے کی نسبت دوگنی کر دی ہے۔ اس کے علاوہ ہر ادنےٰ نسل کے طالب علم کو پانچ روپیہ ماہوار وظیفہ ملا کرے گا۔ اور اس کے لئے دس ہزار روپیہ سالانہ کی منظوری دی گئی ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کی سنڈیکیٹ نے آیندہ سال کانووکیشن کے موقعہ پر ہندوستان کے مشہور سائنسدان سر پی سی رائے کو طالب علموں کے سامنے تقریر کرنے کے لئے دعوت دی ہے۔

اس نمبر میں "علم" کے عنوان سے ایک مضمون تمہارے مطالعہ میں آئیگا۔ یہ مضمون، جنابہ خدیجہ بیگم فرزانہ کا عنایت کیا ہوا ہے۔ جنابہ خدیجہ بیگم صاحبہ، ہمارے ملک کی قابلِ قدر بیبیوں میں سے ہیں۔ آپ نے اعزاز کے ساتھ، بی۔ اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ اور اسی سال، تاریخ کے مضمون میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی ہے ہم کو بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ آپ نے "نونہال" کے لئے مضمون لکھنے شروع کئے ہیں۔ اور امید ہے کہ آپ کے مفید مضمون سے نونہال کا نمبر آراستہ ہوتا رہیگا۔

جناب مولوی سیّد غلام مصطفےٰ صاحب ذہین، حیدر آباد دکن کے مشہور شاعروں میں سے ہیں۔ آپ کی ایک نظم "نونہال" کے نویں نمبر میں چھپ چکی ہے۔ اور اس دفعہ آپ ہی کی ایک اور نظم درج کی جاتی ہے۔ آپ کی شاعری میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم کا حصّہ ہوتا ہے۔ اس لئے خاص کر بچّوں کے لئے بہت مفید اور ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ زبان آسان اور بیان صاف اور دلکش ہوتا ہے جس کو بچّے بھی سمجھ لیتے اور پسند کرتے ہیں ہم اس عنایت کے لئے حضرت ذہین کے شکرگزار ہیں۔

ایڈیٹر

پھُول

ایک دِن پُوچھا کسی نے پھُول سے
اس قدر خُوبی ہے تجھ میں کس لئے

بچّے ہوں بوڑھے ہوں یا ہوں نوجواں
دیکھ کر ہوتے ہیں تجھ کو شادماں

سب کو ہے مرغوب محبوبی تری
ہے تجھی سے زیب و زینت باغ کی

ناز تیری ذات پر کرتا ہے باغ
اس سبب سے ہے بڑا لالہ کو داغ

حسن پر تیرے ہے بُلبُل شیفتہ
تیرے عارض پر ہے سُنبل شیفتہ

پھُول بولا کیا کروں عرض اپنا حال
رنج اُٹھانے سے ہُوا حاصل کمال

دیکھئے کانٹوں کا ہے بستر میرا
کانٹوں ہی کے تکیہ پر ہے سر میرا

خارِ غم سے میرا دِل صد چاک ہے
اس لئے آلائشوں سے پاک ہے

خوش رہتا ہوں مَیں سہکر درد و رنج
مِل گیا ہے مجھ کو خوش رنگی کا گنج

گرمی اور بارش کے سہتا ہوں ستم
اس لئے ہوں تازہ روے و تازہ دم

رنج سہکر مَیں ہُوا ہوں سرخرو
یہ ہے میری سرگزشت اے نیک خو

جو اُٹھاتے گا غم و محنت ذہین
ایک دِن وہ پائیگا راحت ذہین

شہر شہری اور شہریت

گیارھواں سبق

کاروبار کے مرکز

جب بستیوں نے گاؤں کی صورت اختیار کرلی اور گاؤں اس طریق سے آباد ہوگئے جس کا ذکر پہلے سبقوں میں آچکا ہے۔ تو ان کی آبادی کی تعداد کے مطابق ان کے درجوں میں بھی فرق پیدا ہوگیا۔

یہ تو ظاہر ہے۔ کہ ان گاؤں میں باشندوں کی زیادتی کے ساتھ کام میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ اور جب مختلف کام کاج کرنے والے جو محض تھوڑے باشندوں کے رہنے کے لئے کافی تھے۔ اس دن بدن ترقی کرنے والے کام کو نہ سنبھال سکتے تھے۔ تو ان کی تعداد میں بھی زیادتی کردی جاتی تھی۔ مگر ان میں بھی بعض تو ایسے گاؤں تھے۔ جو ایک دوسرے کے قریب تھے اور بعض ایسے جو ایک دوسرے سے دُور۔ وہ گاؤں جو ایک دوسرے سے بہت ہی قریب تھے۔ ترقی کرتے کرتے اور پھیلتے پھیلتے اکٹھا ہوگئے۔ یعنی ان گاؤں کے مقررہ رقبے۔ اور ان کی سرحدیں آپس میں مل گئیں۔ اور اگرچہ اپنے اپنے معاملات کے لحاظ سے یہ گاؤں الگ تھے۔ مگر دیکھنے کو ایک ہی بڑی بستی معلوم ہوتے تھے۔ یہی وہ گاؤں تھے۔ جو بعد میں کاروبار کے مرکز بن گئے۔

اس زمانے میں خرید و فروخت کا طریق ایسا نہ تھا جیسا اب ہے۔ یعنی لوگ روپے پیسے دیکر چیزیں نہیں خریدتے تھے۔ ہاں ہر چیز کا تبادلہ

ہو سکتا تھا۔ اور یہی رواج اس زمانے میں خرید و فروخت کا ایک طریقہ تھا۔ لوگ جنس کے بدلے جنس لے دے کر اپنی ضروریات پوری کرتے تھے۔

ارد گرد کے رہنے والے لوگ ایک خاص دن یا خاص موسم میں ان گاؤں میں جمع ہو جاتے اور لین دین کر لیتے۔ اس سے دُور دُور کے رہنے والے بھی آسانی سے اپنے اپنے علاقے کی پیداوار کا تبادلہ کر سکتے تھے۔ ہوتے ہوتے اس قسم کے اکثر مختلف علاقے بن گئے۔ جہاں قرب و جوار کے لوگ جمع ہو کر تجارتی کاروبار کرتے۔ یہی تجارتی منڈیوں۔ میلوں اور نمائشوں کی بُنیاد تھے۔

مگر انسان دن بدن ترقی کر رہا تھا۔ اور اس کی ضروریات بھی بڑھ رہی تھیں۔ اس لئے یہ دیکھا گیا۔ کہ خاص خاص دِنوں اور موسموں میں تجارتی منڈیاں قائم کرنے کا طریقہ لوگوں کے لئے سہولت کا باعث نہیں۔ کسی ضرورت کے معلوم ہوتے ہی اس ضرورت کو پُورا کرنے کے لئے انسان کا جی چاہتا ہے۔ مگر ان مقررہ دنوں کی انتظار میں بیٹھے رہنا یقیناً اس گاؤں کے باشندوں کے لئے تکلیف دہ تھا۔ اس لئے عام طور پر یہ کاروبار کے مرکز جو حقیقت میں یا تو بڑے بڑے گاؤں تھے یا چند چھوٹے چھوٹے گاؤں کے مجموعے عام طور پر ہمیشہ کے لئے تجارت کی منڈیاں بن گئے۔ اور وہاں ہر روز تجارت ہونے لگی۔

یہی کاروبار کے مرکز یا تجارت کی منڈیاں جو بڑھتے بڑھتے اپنے باشندوں کی تعداد اپنے علاقے کے رقبے اور اپنے کاروبار کے لحاظ سے زیادہ ممتاز ہو گئیں۔ قصبے اور شہر کہلانے لگیں۔

(باقی آئندہ)

نوٹ :- خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کریں۔

مامون خلیفہ اور ایک چور غلام

بغداد کا مشہور و نامور خلیفہ مامون الرشید نہایت بُردبار[۱] اور نیک مزاج خلیفہ تھا۔ اس کا ایک نوجوان غلام روز پانی پینے کا گلاس چُرا لے جاتا تھا۔ کتنی بار ایسا ہی ہُوا۔ آخر مامون تاڑ گیا۔ مگر سزا نہ دی۔ بلکہ موقع کا منتظر رہا۔ اور ایک روز موقع پاکر تنہائی میں اس سے کہا۔

جب تم کوئی گلاس چُرایا کرو۔ تو ہمارے ہی پاس لے آیا کرو۔ ہم قیمت دیکر خرید لیا کرینگے۔

غلام نے کہا بہتر ہے۔ اور ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ تو [illegible] ایک گلاس رکھا تھا۔ غلام نے اس کی طرف اشارہ کرکے کہا:۔

غلام۔ اچھّا حضور مجھ سے یہ گلاس خرید لیں۔

مامون۔ اچھّا کس قیمت میں۔

غلام۔ دو دینار (اشرفی) ہیں۔

مامون۔ مگر ہم اس شرط پر خریدینگے۔ کہ آئندہ تم گلاس نہ چراؤ۔ ورنہ جرم ثابت ہے تم کو سخت سزا دی جائیگی۔

غلام۔ بہتر ہے۔ آئندہ ایسا ہی ہوگا۔

مامون بادشاہ نے اسی وقت غلام کو دو دینار دلوا دِئے۔ غلام پر مامون کی بُردباری[۲] کا کچھ ایسا اثر پڑا۔ اور اس تدبیر نے وہ جادو کا کام کیا کہ غلام سہم گیا۔ اس نے سمجھ لیا۔ کہ بادشاہ نے جو کچھ کہا ہے وہ کر دکھائیگا۔ اب خیر نہیں۔ غرض اپنی چوری کی عادت سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی۔ اس روز سے شاہی محل کی کوئی چیز چوری نہ گئی۔

پیارے اور ننھّے بھائیو! یاد رکھو کہ اکثر نرمی اور بُردباری سے وہ کام نکل جاتا ہے۔ جو غُصّہ اور سختی سے نہیں نکلتا۔ یہ تدبیر بڑی کارگر ہوتی ہے۔

[۱] بردبار۔ غصہ کو ضبط کرنے والا۔

[۲] بردباری۔ غصّہ کو ضبط کرنا۔

علم

جب خُدا تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو اُن کو سب چیزوں کے نام سکھا دِیئے۔ فرشتوں نے عرض کیا۔ یا اللہ ہم ہر وقت تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ کیا تو ایسی ذات کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جو دُنیا میں جا کر خونریزی کرے اور فساد پھیلائے۔ خُدا تعالےٰ نے فرمایا۔ "تم نہیں جانتے جو مَیں جانتا ہوں۔" پھر چند چیزیں اُن کو دکھائیں۔ اور کہا۔ "ان کے نام بتاؤ۔" فرشتوں نے عرض کیا۔ اے رب العالمین۔ ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں۔ جو تُو نے اپنے لطف و کرم سے ہم کو سکھا دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اُنہیں چیزوں کے نام آدم علیہ السّلام سے پُوچھے۔ جو اُنہوں نے بہ آسانی بتا دِیئے۔

خُداوند کریم نے فرشتوں سے کہا۔ "مَیں نے نہیں کہا تھا۔ تم نہیں جانتے جو مَیں جانتا ہوں۔"

بھلا فرشتوں نے حضرت آدم کے آگے جو ایک انسان تھے۔ کیوں سجدہ کیا؟ اس لئے نا کہ اُن کو وہ علم تھا۔ جو فرشتوں کو نہیں تھا۔ علم کے معنی ہیں "جاننا" چونکہ آدم علیہ السلام فرشتوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اس لئے اُن کی اتنی عزّت ہُوئی۔ کہ فرشتے بھی اُن کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔

بچّو! اب تُمہیں معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ علم کیسی اعلےٰ چیز ہے۔ اس علم کی بدولت انسان کو اشرف المخلوقات یعنی خُدا تعالےٰ کی تمام مخلوق سے افضل کہا گیا۔ اسی علم کی برکت سے فرشتوں تک نے انسان کو سجدہ کیا۔ علم سے بے خبر انسان و حیوان میں کچھ فرق نہیں۔ اے نونہالو!

اگر تم دُنیا میں نام چاہتے ہو۔ تو زیورِ علم کو ڈھونڈو۔
ورنہ کوئی تمہاری بات نہیں پُوچھیگا۔ شعر

زمانہ نام ہے میرا تو مَیں سب کو بتا دُوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگینگے نام اُن کا مِٹا دُونگا

علم وہ دولت ہے۔ جو ہمیشہ تُمہارے سینے
میں محفوظ رہیگی۔ جس کو چور اور رہزن کا خطرہ نہیں
جو استعمال کرنے سے کبھی کم نہ ہوگی۔ بلکہ اس میں
روز افزوں ترقی ہوگی۔ بہت سے کم عقل لڑکے
اور لڑکیاں اپنا قیمتی وقت کھیل اور کود میں ضائع
کر دیتے ہیں۔ اور کچھ نہیں سیکھتے۔ مگر جب ہوش
سنبھالتے ہیں۔ تو افسوس کرنے لگتے ہیں۔ اور
اسی طرح باقی عمر پچھتاتے گزُرتی ہے۔

جس عمر میں کھیلنا کودنا بھلا معلوم ہوتا ہے
درحقیقت وہی عمر علم حاصل کرنے کی ہے بیشک
کھیلنا تمہاری صحت کے قائم رکھنے کے لئے
ازبس ضروری ہے۔ مگر ساتھ ہی اپنے سبق کا
ہر طرح سے خیال رکھو۔ مدرسے کا کام باقاعدہ
کرو۔ اُستادوں کو بہانوں سے نہ ٹالو۔ یہی وقت
ہے۔ اِس کو غنیمت سمجھو۔ پھر دیکھنا تُم دُنیا میں
کیسا نام پاتے ہو۔ اس کے ساتھ وقت کی قدر
کرنا سیکھو۔ ورنہ تمہارے سب کام ادھورے
پڑے رہا کریں گے۔ کبھی مدرسے کا کام پُورا
نہیں ہُوا۔ کبھی کھیلنے کے لئے وقت نہیں
بچا۔ لیکن اگر تُم وقت کو بانٹ دو۔ تو تُمہاری
تمام شکایتیں رفع ہو جائیں گی۔ اپنا
ٹائم ٹیبل بناؤ۔ اور اُس کے مطابق وقت
مقررہ پر اپنا ہر ایک کام کرو۔ اس میں
تمہارا وقت ضائع نہیں ہوگا۔ تُمہارے
بُزرگ۔ تُمہارے والدین اور تمہارے اُستاد
تم کو پیار کرینگے۔ اور نہ صرف بچپن بلکہ تمہاری
آئندہ عمر ہنسی خوشی اور عزت سے گزُریگی۔

خدیجہ بیگم فیروز الدین ایم۔ اے

مایاداس

راجہ مایاداس کے پاس سونے چاندی کی کمی نہ تھی لیکن وہ اتنا لالچی تھا۔ کہ دِن رات سونا چاندی اکٹھا کرتا رہتا تھا۔ اُس نے اپنے محل کے اندر ایک تہ خانہ بنوایا تھا۔ اپنی ساری دولت وُہ اُسی میں رکھتا تھا۔ اور کسی نوکر پر اعتبار نہ کرتا تھا۔ رات کو اُسی تہ خانے میں سوتا تھا۔ اور اپنے سونے چاندی کے انبار کی خبرگیری کرتا تھا۔ لالچ نے اُسے راجہ سے چوکیدار بنا دیا تھا۔ وہ جب سونے کی اشرفیوں اور چاندی کے روپیوں کے ڈھیر کی طرف دیکھتا۔ تو پھولا نہ سماتا تھا۔ مگر جب کبھی اُسے یہ خیال آجاتا۔ کہ شاید کسی راجہ کے پاس اس سے بھی زیادہ اشرفیاں اور روپے ہوں۔ تو اُس کا دل اُداس ہو جاتا تھا۔

(۲)

ایک دن شام کے وقت مایاداس اپنے اسی تہ خانہ میں بیٹھا ہُوا اشرفیوں اور روپیوں کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔ کہ اتنے میں اُسے ایسا معلوم ہُوا۔ جیسے کوئی اور شخص بھی تہ خانے میں موجود ہے۔ مایاداس کا خُون خُشک ہو گیا۔ اُسے خیال آیا۔ کہ اگر کسی نے میرا تہ خانہ دیکھ لیا۔ تو پھر میری دولت کا چوری ہو جانا بالکل آسان ہو گا۔ یکایک ایک اجنبی اُس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ مایاداس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور بند تھا۔ مایاداس حیران ہو کر سوچنے لگا۔ کہ یہ کس راستے سے آیا ہے دروازہ تو بند ہے۔ اتنے میں اجنبی نے کہا۔ مایاداس! کیا سوچ رہے ہو؟"

مایاداس نے جواب دیا۔ "پہلے تم یہ بتاؤ۔ کہ تُم یہاں داخل کیسے ہو گئے؟"

اجنبی نے جواب دیا۔ "مَیں دیوتا ہوں مجھے

دروازہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں چاہوں۔ جاسکتا ہوں۔"

مایاداس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوگیا۔ اب اُسے یہ ڈر نہ تھا۔ کہ یہ شخص میرا روپیہ چُرالیگا۔ اُس نے ہاتھ جوڑکر دیوتا کو سلام کیا۔ اور کہا۔ مہاراج! آپ کیسے تشریف لائے۔ دیوتا نے جواب دیا۔ مَیں لکشمی کا بیٹا ہوں۔ تُم اُس کے پجاری ہو اِس لئے تم کو درخواست کرنے کا موقع دینے آیا ہوں تُم مجھے اپنی ایک خواہش بتاؤ۔ مَیں اُسے پُورا کردُوں گا۔

مایاداس خوشی سے متوالا ہو کر بولا۔ تو آپ میری خواہش پُوری کر دینگے؟

"کردُوں گا۔"

"تو آپ مجھے سونے کا بنا ہُوا تین میل لمبا اور چار میل چوڑا پہاڑ دیدیجئے۔"

"بہت اچھا۔ کل صبح یہ پہاڑ تمہارے شہر کے بائیں طرف موجود ہوگا۔"

یکایک مایاداس کو ایک اور خیال سُوجھا۔ کہ اگر کسی اور شخص نے اسی دیوتا سے اس سے بھی لمبا چوڑا سنہری پہاڑ مانگ لیا۔ تو پھر مَیں کیا کرونگا کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہونگا۔

دیوتا نے اُس کا خیال اُس کے چہرے سے کھُلی کتاب کے مانند پڑھ لیا۔ اور کہا۔ اگر کچھ اور مانگنا ہو۔ تو وُہ مانگ لو۔

مایاداس نے سوچ سوچ کر کہا۔ آپ مجھے یہ طاقت دیں کہ جس چیز کو چھوؤں۔ وہی سونے کی بن جائے۔"

دیوتا نے ہنسکر کہا۔ بہت اچھا! مایاداس!! کل صبح یہ طاقت تمہیں مل جائیگی۔

مایاداس نے سر جھکا کر دیوتا کو سلام کیا۔ مگر جب سر اُٹھایا۔ تو اُس کا کہیں پتہ نہ تھا۔

(۴)

اُس دن مایاداس کو نیند نہ آئی۔ بار بار کروٹیں بدلتا تھا۔ اور سوچتا تھا۔ کہ دن کیوں نہیں نکلتا۔

اُس رات اس کی آنکھیں مشرق کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ رات جتنی جلد ہو سکے گُذر جائے۔ اور اُسے وہ عجیب و غریب طاقت ملے جس سے وہ دُنیا بھر میں امیر بادشاہ بن جائیگا۔ آخر سُورج نے مشرق سے سر نکالا۔ اور اپنی پہلی کرن مایاداس کی چارپائی پر ڈالی۔ مایاداس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اُچھل کر زمین پر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنا ہاتھ پلنگ پر رکھ دیا ـــــ فوراً ہی پلنگ سونے کا ہو گیا۔

مایاداس خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ اب وہ طاقت اُسے مل چکی تھی۔ جو دُنیا بھر میں اس وقت تک کسی کو حاصل نہ تھی۔ وہ دوڑتا ہوا باغ میں گیا۔ اور درختوں کو چھو چھو کر سونا بنانے لگا۔ وہ جہاں جہاں سے گُذرتا تھا۔ وہ جگہ سونے کی بنتی جاتی تھی۔ مایاداس ہنس رہا تھا۔ اور بار بار اپنے آپ سے کہتا تھا۔ مایاداس! اب تو دُنیا بھر میں کوئی تجھ سا امیر نہیں ہو سکتا۔

اس کا باغ بڑا لمبا چوڑا تھا۔ اُس میں کئی گھنٹے تک وُہ گھومتا رہا۔ اور سرسبز درختوں اور پھُولوں کے پیڑوں کو سونے میں تبدیل کرتا رہا۔ اتنے میں بارہ بج گئے۔ یہ مایاداس کے کھانے کا وقت تھا۔ نوکروں نے کھانا حاضر کیا۔ اور مایاداس کھانے لگا۔ لیکن ادھر اُس نے روٹی کا لقمہ توڑا۔ اُدھر وہ روٹی سونے کی ہو گئی۔

مایاداس نے جھنجھلا کر اُسے پرے رکھدیا۔ اور ایک گرم گرم آلو جلدی سے اُٹھا کر مُنہ میں رکھ لیا۔ لیکن وہ بھی مُنہ میں جانے کے ساتھ ہی سونے کا گرم ڈلا بن گیا۔ جس سے مایاداس کا منہ جل گیا۔ اب مایاداس حیران تھا۔ کہ کیا کرے۔ اور کس طرح پیٹ بھرے۔ آخر اُس نے پانی کا ایک پیالہ اُٹھا کر پینا چاہا۔ لیکن وہ بھی یکایک بھاری ہو گیا۔ اور مایاداس کے تعجب کی حد نہ تھی۔ جب اُس نے دیکھا کہ وہ پانی بھی سونے کا ڈلا بن گیا ہے۔ مایاداس سوچنے لگا۔ کیا اب مجھے بھوکا مرنا ہوگا؟

(۴)

اتنے میں اُس کی پیاری لڑکی "منوریا" اس کے پاس روتی ہوئی آئی۔ اور بولی۔ دیکھو تو آج پھولوں کو کیا ہو گیا ہے۔ میرے ہاتھوں میں چُبھ گئے ہیں۔ پہلے یہ کیسے نرم تھے۔ مگر اب تو لوہے کی طرح سخت ہو گئے ہیں۔

مایاداس نے ہنسکر جواب دیا۔ بیٹی! اب یہ سونے کے پھول ہیں۔ ان کی قیمت بڑھ گئی ہے "نہیں۔ مجھے وہی پھول منگوا دیجئے۔ میں یہ سونے کے پھول نہیں چاہتی"۔

مایاداس نے پیار سے منوریا کو گود میں لیا اور اُس کے ماتھے پر ایک پُرمحبّت بوسہ دیا۔ مگر یکایک چلّا کر پیچھے ہٹ گیا۔ منوریا بھی سونے کا بُت بن چکی تھی۔

اب وہ نہ حرکت کرتی تھی۔ نہ بولتی تھی۔ بالکل جیسے اُس میں زندگی نہ ہو۔ مایاداس نے اُسے بار بار بلایا۔ مگر اب وہ کیسے بول سکتی تھی۔ جان ہوتی تو بولتی۔ وہ تو سونے کا بُت بن گئی۔

مایاداس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سوچنے لگا۔ کیا یہ طاقت مُصیبت ثابت ہوگی۔ اور مَیں روٹی کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک گھونٹ کے لئے ترس ترس کر مرونگا۔

(۵)

شام کے وقت وہی دیوتا پھر مایاداس کے سامنے تھا۔ مگر اس وقت مایاداس کی وہ حالت نہ تھی۔ جو کل تھی۔ دیوتا نے پُوچھا "تمہاری خواہش پُوری ہو گئی"؟

"ہاں مگر . . . . . ."

دیوتا نے ہنسکر پُوچھا "مگر کیا۔ کیا اب بھی تُم کچھ اور مانگتے ہو"؟

"صرف یہ کہ یہ طاقت مجھ سے واپس لے لو"۔

"واپس لے لوں۔ کیوں؟ کیا تُم دُنیا بھر میں سب سے امیر نہیں بننا چاہتے"؟

مگر یہ امیری تو مُصیبت ہو گئی ہے۔ مَیں صبح سے

بھوکا ہوں۔ میری لڑکی سونے کا بُت بن گئی ہیں یہ
طاقت نہیں چاہتا۔ اسے واپس لے لو۔ اور میری تمام
دولت بھی مجھ سے لے لو۔ مگر یہ اجازت دو۔ کہ روٹی
کھا سکوں۔ پانی کا پیالہ پی سکوں۔ اور اپنی پیاری بیٹی
کو پیار سے گلے لگا سکوں مَیں اور کچھ نہیں چاہتا۔"
دیوتا نے پُوچھا۔"سونے کا پہاڑ نہیں چاہتے؟"
"اُسے چُولھے میں ڈالو۔ پرماتما کے لئے مجھ سے
اپنی طاقت واپس لے لو۔ اب مَیں جان گیا ہوں
کہ سچّی خوشی اس سونے میں نہیں ہے۔"
دیوتا نے جواب دیا۔ تمہارے باغ میں ایک
چشمہ ہے۔ اُس میں جا کر نہاؤ۔ تم اصلی حالت پر
آجاؤ گے۔ اس کے بعد اُس میں سے ایک لوٹا
بھر کر جس جس چیز پر چھڑکو گے۔ وہ اپنی اصلی حالت
پر آجائیگی۔"

(۶)

مایاداس دوڑتا ہُوا چشمے پر گیا۔ اور خوب نہایا۔
اس کے بعد اُس نے تجربہ کرنے کی غرض سے ایک
پتّھر کو چُھوا۔ اور اُسے کیسی خوشی حاصل ہُوئی جب
اُس نے دیکھا۔ کہ اُس میں کوئی تبدیلی نہیں ہُوئی۔
اس کے بعد اُس نے ایک گھڑا پانی سے بھرا۔ اور
اُسے درختوں پر چھڑکنے لگا۔ وہ اصلی حالت پر
آتے گئے۔ صبح وہ اُنہیں سونے کے بنا کر خوش
ہُوا۔ اس وقت اُنہیں پھر اُن کی معمولی حالت میں
واپس آتے دیکھکر اُس سے بھی زیادہ خوش ہُوا۔
مگر ابھی اُس کی لڑکی باقی تھی۔ وُہ دوڑتا ہُوا اُس کے
پاس پُہنچا۔ اور سارا گھڑا اُس پر انڈیل دیا۔ فوراً
سونے کے بُت نے حرکت کی۔ اور منورما کے یہ
الفاظ مایاداس نے سُنے۔"یہ کیا کر رہے ہو۔
میرے کپڑے بھیگ گئے ہیں۔"
مایاداس نے محبّت سے اُسے گلے لگا لیا۔
اور کہا۔ بیٹی! تمہارے پھُول پھر پہلے سے بن گئے
ہیں۔ منورما تالیاں بجاتی ہُوئی باغ کی طرف
دوڑی۔

سُدرشن

زرداد
شہنشاہ بابر کا دوست

(مسلسل قصّہ)

(۱۱)

خواجہ اوذان حسین اور خواجہ حسین چند چیدہ اور تجربہ کار سواروں کے ساتھ جن میں زرداد بھی شامل تھا۔ سلطان احمد مرزا کے فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ اور اطلاع کرائی۔ سلطان احمد مرزا بادشاہ تھا مگر فقیرانہ طبیعت رکھتا تھا۔ بہادر تھا۔ مگر ارادے کا پکّا نہ تھا۔ اس میں یہ اچھّی عادت تو تھی۔ کہ جو کام کرتا اپنے سرداروں کے مشورے سے کرتا۔ مگر خرابی یہ تھی۔ کہ جب سب سردار کسی بات پر اڑ جاتے تو وہ اُن کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیتا۔ اور اپنی رائے کا استعمال نہ کرتا۔ جب اُس نے سُنا کہ بابر کی طرف سے ایلچی صُلح کا پیغام لائے ہیں۔ تو اُس کے دِل میں بھتیجے کی محبّت نے جوش مارا۔ اور بابر کے سرداروں کو فوراً اپنے حضور میں طلب کیا۔ خواجہ اوذان حسین بہت شیریں کلام شخص تھا۔ جب بات کرتا۔ تو ایسا معلوم ہوتا۔ کہ مُنہ سے پھُول جھڑ رہے ہیں۔ جب اُس نے سلطان کے دل کو نرم اور اُس کی آنکھوں میں محبّت کے آنسو دیکھے۔ تو عرض کی۔ "قبلہ عالم آپ بادشاہ ہیں۔ اور سات ولایتوں کے مالک۔ اگر اندجان کو فتح بھی کر لیجئے گا۔ تو خود یہاں نہ رہیئے گا۔ اندجان کو سمرقند سے کیا نسبت۔ فرغانہ آپ کی سلطنت کے سامنے ایک مٹھی بھر خاک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ضرور فتح کے بعد فرغانہ اور اندجان کو کسی ملازم کے ماتحت چھوڑ کر سمرقند کو واپس جائیے گا۔

بابر بھی آپ کا ملازم ہے۔ اور فرزند بھی ہے۔ اگر یہ خدمت اسی کے سپرد کریں۔ تو نہ جنگ ہی کی نوبت آئیگی۔ نہ کشت و خون ہوگا۔ آپ بزرگ ہیں۔ وہ آپکا بیٹا ہے۔ باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ تو اب آپ ہی اس کے باپ بنئے۔ اور اُسے گلے سے لگائیے۔ ان کی کم سنی اور ناتجربہ کاری کی شرم آپ کو نہ ہوگی۔ تو پھر کس کو ہوگی؟" سلطان احمدؔ نے شرم کے مارے سر جُھکا لیا اور اپنی پچھلی حرکتوں پر نادم ہوا۔ مگر باقی کے سردار جو بابرؔ کے باپ کے دشمن تھے۔ اور اس کے علاقوں کو فتح کرنے کی ہوس میں اندھے ہو رہے تھے۔ ذرا بھی نرم نہ ہوئے۔ اور کہا۔ کہ ان زبانی باتوں سے فتح کئے ہوئے علاقے واپس نہیں دئے جا سکتے۔ صلح صرف اسی وقت ہو سکتی ہے۔ جب بابرؔ اپنے آپکو ایک قیدی کی حیثیت میں سلطان کے سامنے پیش کرے۔ ایک مُلک میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ اس علاقہ میں اب سلطان احمدؔ مرزا ہی بادشاہ رہیگا یا بابرؔ"

جب بابرؔ کے ایلچیوں نے سلطان احمدؔ کے سرداروں کی طبیعت کا یہ رنگ دیکھا۔ تو وہ بھی جوش میں آگئے خواجہ حسین نے بڑھ کر کہا۔ "تو بہت خوب اگر آپ فتح کے نشے میں اس قدر متوالے ہو رہے ہیں۔ تو بسم اللہ آپ بابرؔ کے نمکخواروں کو اپنے سے کم نہ پائینگے۔ بھتیجے کا پیغام چچا کو پہنچانا۔ اور بیگناہوں کو خونِ ناحق سے بچانا ہمارا فرض تھا سو ہم نے ادا کر دیا۔ اب اگر آپ زبان کے فیصلوں سے بیزار ہیں۔ اور صرف تلوار کا فیصلہ ہی سُننے پر تیار ہیں۔ تو قدم بڑھائیے۔

یہ کہکر اور سلام کر کے وہ رخصت ہو گئے زرداد نے اس عرصے میں اِدھر اُدھر پھر کر اور لشکر کے ہر حصّہ میں گھس کر سب سپاہیوں اور سرداروں کی تعداد اور ان کی نیّت کا حال معلوم کر لیا۔ یہ سُنکر کہ اب صُلح کا امکان نہیں زرداد بہت خوش ہوا۔ اور خیال ہی میں بابرؔ کی فتح کے شادیانے سُننے لگا۔

(باقی آئندہ)

خوراک

کھانے کو تو ہر انسان اور حیوان جو زندگی رکھتا ہے کچھ نہ کچھ کھاتا ہے۔ مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ جو کھانوں میں تمیز کر سکیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں۔ کہ لوگ مزیدار اور بدمزہ اچھے یا بُرے کھانے میں تمیز نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس سے یہ مُراد ہے۔ کہ یہ بات ہر شخص کو معلوم نہیں۔ کہ کھانوں کے خواص کیا کیا ہیں۔ وُہ تمام چیزیں جو بدن کو صحیح و سلامت رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔ اور جو بطور خوراک کے استعمال کی جا سکتی ہیں تین بڑے اقسام میں منقسم ہیں۔ ان قسموں میں نمک اور اس کی مختلف قسمیں شامل ہیں۔

اوّل۔ وہ چیزیں جن میں انڈے کی سفیدی کے خواص ہیں۔ دوم۔ وہ چیزیں جن میں میدے اور شکر کے خواص ہیں۔ سوم۔ وہ چیزیں جن میں چربی کے خواص ہیں۔

پہلی قسم میں نائیٹروجن، کاربن ہائیڈروجن اور آکسیجن موجود ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض میں لوہا گندھک یا فاسفر بھی پایا جاتا ہے۔ یہ بدن کی طاقت کے لئے بہت ہی مُفید ہیں۔ انڈے کی سفیدی اور گیہوں اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسری قسم میں کاربن۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن موجود ہوتے ہیں یہ بھی طاقت پیدا کرنے میں بہت مُفید ہیں چاول اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ میدے کے خواص رکھنے والی چیزیں معدے میں پہنچکر شکر کے خواص حاصل کر لیتی ہیں۔ تیسری قسم میں قریب قریب دوسری قسم کی چیزوں کے خواص موجود ہوتے ہیں۔ اور مکھن روغن زیتون وغیرہ اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی بدن کو سنبھالنے میں بہت مدد دیتے ہیں۔ لازم ہے۔ کہ انسان اپنے کھانے کے لئے ان تینوں قسم کی چیزوں میں سے چُن لے۔ ترکاریوں، پھلوں اور غلّوں میں یہ سب خواص پائے جاتے ہیں۔ دُودھ۔ مکھن اور گھی اگر ایک مناسب مقدار میں ان پیداوار کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ تو بدن کو مضبوط اور صحت کو قائم رکھنے کے لئے بہت مفید ہے۔

کسی ایک قسم کی غذا کو کھانا اور باقی کی دو قسموں کو چھوڑ دینا حفظانِ صحت کے اصول کے خلاف ہے۔

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوانچند پرنٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت ادب لطیف لاہور کے لئے سید افضال علی حسنی پبلشر نے شائع کیا)

۴۸۶

نونہال
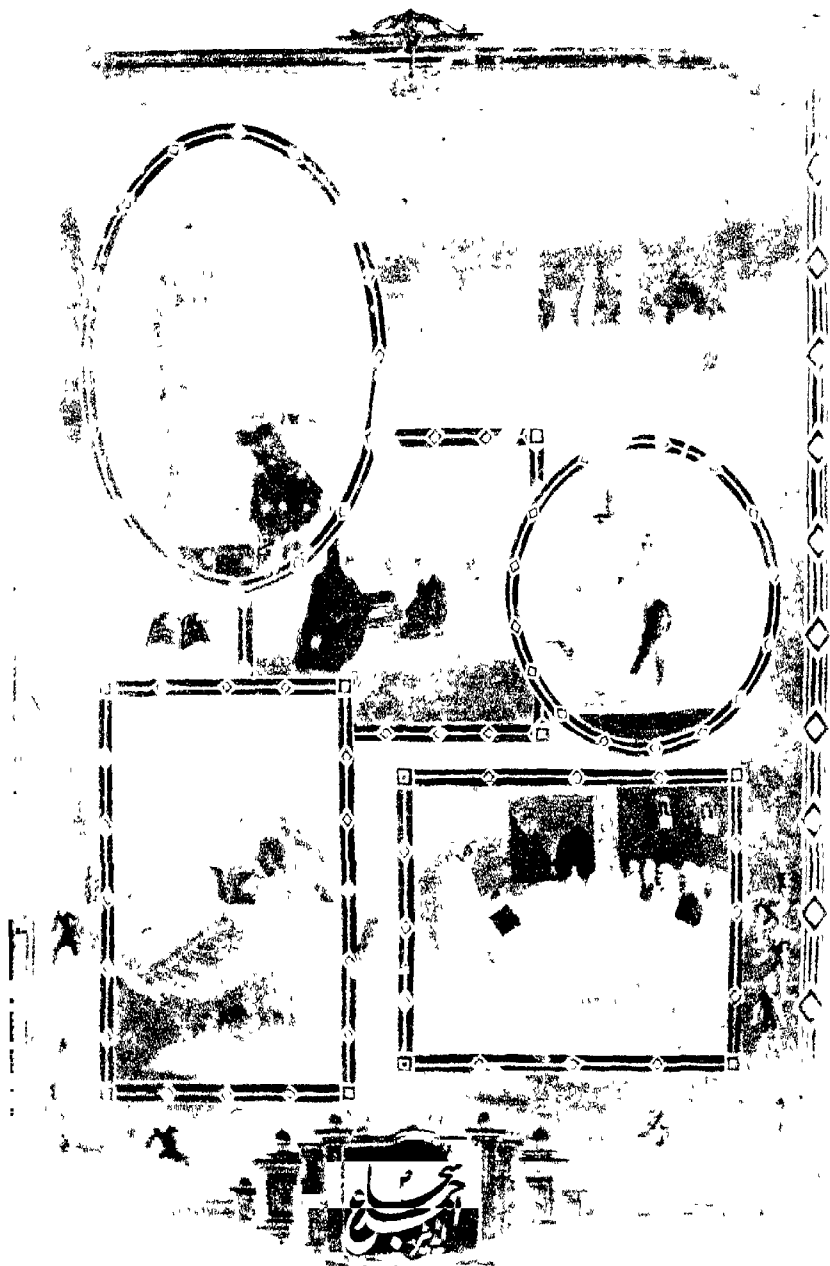
لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱ | اشاعت مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۲۲ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

ہم تم

کلکتہ کی یونیورسٹی نے منظور کر دیا ہے۔ کہ تعلیم بجائے انگریزی زبان کے طالب علموں کی مادری زبان میں ہوا کرے۔ بمبئی یونیورسٹی میں بھی ایسی تجویزیں پیش ہو رہی ہیں۔ سینیٹ کے ایک جلسہ میں اس پر غور کیا گیا ہے کہ اسکول لیونگ کے امتحان میں شریک ہونے والے طالب علموں کو اختیار دیا جائے۔ کہ تاریخ، جغرافیہ، حساب، سائنس وغیرہ مضمون کے سوالوں کے جواب، اپنی مادری زبانوں میں لکھیں۔

گورنمنٹ نے کانپور کے بعض میونسپل حلقوں میں، لڑکوں کے لئے، لازمی اور مفت تعلیم کا اعلان کر دیا ہے اس اعلان کے لحاظ سے، چھ برس کی عمر سے لیکر گیارہ برس تک کے تمام بچّے اسکول جانے کے پابند ہونگے۔ اور جو بچّے اسکول نہ پہنچائے جائینگے۔ اُن کے والدین سے سرکاری طور پر پوچھ گچھ اور تاکید ہوگی۔

تھوڑے دن گذرے، مُلک یونان اور فرانس کی حد میں ایک عجیب لڑکا پایا گیا ہے۔ جو وہیں کے کسی مزدور کا بیٹا ہے۔ اُس کا آدھا جسم، آدمیوں کا سا اور آدھا جانوروں کا سا ہے یعنی صورت شکل سے آدمی ہے۔ اور باقی بندر اور بندروں ہی کی طرح چلتا پھرتا بھی ہے۔ یہ لڑکا آدمیوں اور جانوروں، دونوں کی زبانیں سمجھ لیتا ہے مگر خود بات چیت نہیں کرتا۔

جاپان میں، جو ہندوستان سے بدرجہا چھوٹا ہے۔ صرف بچوں کے لئے ماہوار رسالوں کی تعداد چھ ہے۔ اور عورتوں کے رسالوں کی تعداد گیارہ۔ اور ان سب کے خریدار بکثرت ہیں۔

جناب حامد اللہ صاحب افسر بی۔ اے میرٹھی نے ایک کتاب، جس کا نام "چار چاند" ہے بچّوں کے لئے چار کہانیوں، میں تالیف فرمائی ہے۔ زبان آسان اور بچّوں کے لئے دلچسپ ہے۔ پانچ آنے میں، انڈین بُک ڈپو، اندرکوٹ شہر میرٹھ سے مل سکتی ہے۔

مینہ

مینہ برسنے کا دیکھنا عالم | بوندیاں پڑ رہی ہیں کیا چھم چھم
قطرے ہیں لہلہاتے سبزہ پر | یا زمرّد پہ لوٹتے ہیں گہر
جھک کے سبزہ کو چومتے ہیں درخت | جھونکے لیتے ہیں جھومتے ہیں درخت
کیا دھڑلّے سے چلتے ہیں نالے | اودے بادل اِدھر اُدھر کالے
ہے یہ کیسی فضا سماں کیسا | ہو گیا دیکھو آسماں کیسا
مینہ کی چادر ہے کشتیوں پر بھی | راہگیروں کی چھتریوں پر بھی

گرتی ہیں کیا بڑی بڑی بوندیں
موتیوں کی طرح سمندر میں

ذہین

شہر شہری اور شہریت

بارھواں سبق

شہر

جس طرح یہ الگ الگ گھر مل کر دیہات میں اور چھوٹے چھوٹے دیہات بلکہ قصبوں میں تبدیل ہو گئے۔ اسی طرح اِن قصبوں نے ترقی کرتے کرتے شہروں کی صُورت اختیار کر لی۔ اِن شہروں میں ہر قسم کے باشندوں کی تعداد قدرتی طور پر زیادہ تھی۔ اور چونکہ ہر قسم کا کام کرنے والوں کی کثرت تھی۔ اس لئے آپس میں مقابلہ کرنے کا موقع مُیسّر تھا۔ چنانچہ اس مقابلہ اور ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ شہروں میں گاؤں اور قصبوں کی نسبت عمدہ قسم کا کام ہونے لگا۔ اور چونکہ اچھّے کام کی ہر جگہ زیادہ مانگ ہوتی ہے۔ شہروں کے کاروبار کی زیادہ قدر ہونے لگی۔ اور شہروں کی تجارتی منڈیاں زیادہ ترقّی کرنے لگیں۔ بعض شہر خاص خاص قسم کے کاروبار کے لئے مشہور ہو گئے۔

اسی زمانے میں لوگوں کے رسم و رواج اور قاعدے قانون میں بھی تبدیلی ہو گئی۔ اور ان کے رہنے سہنے کے طریقے بھی بدل گئے۔ جھونپڑوں اور پھونس کے چھپروں کی جگہ اب

اینٹوں اور چونے کے مکان نظر آنے لگے۔ قُدرتی پیداوار کی جگہ جنگلوں میں انسان کے ہاتھ سے بوئے ہُوئے کھیت لہلہانے لگے۔ چمڑے اور درختوں کی چھال کے بنے ہُوئے کپڑے اب بالکل غائب ہو گئے۔ اور ان کی جگہ مختلف قسم کے روئی کے سوت سے بُنے ہُوئے رنگین کپڑوں نے لے لی۔ باشندے زراعت اور تجارت کی ترقی سے زیادہ امیر اور دولتمند ہو گئے۔ مگر اس زمانے میں دولتمند ہونا روپے پیسے کی زیادتی کا نام نہ تھا۔ بلکہ دولتمند وہ کہلاتا تھا۔ جس کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین، مویشی اور کام کاج کرنیوالے لوگ ہوں۔

مگر ان تمام ترقیوں کے ساتھ ساتھ ان شہروں کا انتظام رکھنے میں بھی مشکلیں پیش آئیں پہلے چھوٹے چھوٹے گاؤں میں انتظام کر لینا آسان تھا۔ مگر ان بڑے بڑے شہروں کے تمام باشندوں کو امن و امان کی حالت میں رکھنا۔ جھگڑے فساد، چوری اور ڈاکہ قتل اور خون کو روکنا، ہر شخص کو اپنا اپنا فرض ادا کرنے اور دوسرے کا حق دینے پر مجبور کرنا۔ ایک مشکل کام تھا۔ اس لئے ان شہروں میں جو سب سے زیادہ بڑی تبدیلی واقع ہُوئی۔ وہ ان کے انتظام اور ان کے بزرگوں کے اختیارات میں ہُوئی۔ ایک ہی بزرگ سے ان تمام کاموں کا سرانجام ہونا اتنا مشکل ہو گیا۔ کہ ان بزرگوں اور دوسرے عقلمند لوگوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے نئے انتظامات کرنے کی تدبیریں کیں

(باقی آئندہ)

ایڈیٹر

سچائی کی برکت

حضرت غوث الاعظم سیّد عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ جوانی میں علم سیکھنے کے لئے اپنے گھر سے بغداد کو روانہ ہونے کے وقت اپنی والدہ ماجدہ سے رُخصت لینے گئے۔ والدہ کو ان کی جُدائی بہت ناگوار گذری لیکن علم کی خاطر انہیں رضامند ہونا پڑا۔ چالیس دینار جو حضرت کے والد بزرگوار کے ترکہ میں سے اُن کو ورثے میں ملے تھے۔ اُن کے حوالے کئے۔ اور ان پیسوں کو حضرت کے جُبّے کی بغل کے نیچے سی دیا۔ اور روانگی کے وقت اپنے بیٹے کو یہ نصیحت کی "کہ ہمیشہ سچ بولو۔ مجھے یقین ہے کہ تم کبھی اس کے خلاف نہ کرو گے" یہ کہہ کر حضرت کو خُدا کے سپرد کر کے رُخصت کیا۔ حضرت قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ کئی منزلوں کی مسافت طے کرنے کے بعد چوروں کا ایک گروہ قافلے پر آپڑا۔ اور سب کو لُوٹ لیا۔ حضرت کو ایک مفلس درویش سمجھ کر کسی نے نہ چھیڑا۔ لیکن ایک نے پُوچھا۔ کہ اے درویش تُمہارے پاس بھی کچھ ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ اُس نے پُوچھا کہاں ہیں؟ حضرت بولے۔ کہ میرے جُبّے کی بغل کے نیچے رسے ہُوئے ہیں۔ چور سمجھا۔ کہ درویش ہنسی سے کہتا ہے۔ یہ جواب سُن کر چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرا چور آیا۔ اُس نے بھی حضرت سے سوال کیا۔ کہ تُمہارے پاس کیا ہے؟ حضرت نے اُس کو بھی وہی جواب دیا۔ جو پہلے کو دیا تھا۔ اِن دونوں نے جاکر اپنے قافلے کے سردار سے تمام حال سُنایا۔ سردار نے

حضرت کو اپنے پاس بُلا کر پُوچھا۔ کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ "میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ جو میرے جُبّے کی بغل کے نیچے سِلے ہُوئے ہیں"۔ سردار نے کہا۔ کہ اے نیک بخت جوان! تُم نے کس واسطے اپنے پیسے ہم کو بتائے۔ حضرت نے جواب دیا۔ کہ میری والدہ محترمہ نے مجھے روانگی کے وقت یہ نصیحت کی تھی۔ کہ ہمیشہ سچ بولنا۔ سو میں اُس کے خلاف کیسے چل سکتا ہوں۔ حضرت کی اس بات نے چوروں کے سردار کے دل پر ایسا اثر کیا۔ اور خُدا کا خوف اس پر اس قدر غالب ہُوا۔ کہ اس نے حضرت کے دست مُبارک پر بوسہ دیا۔ اور اپنے کئے پر نادم ہُوا۔ اور قافلے کا سارا مال قافلے کے لوگوں کو واپس کر دیا۔ دوسرے چوروں نے بھی اپنے سردار کی پیروی کی۔ اور سب نے توبہ کی۔ اور ڈاکہ زنی اور چوری کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔

موتیوں کی لڑی

۱۔ قرض دولت کا دشمن ہے۔ اِسلئے اس سے بچو۔

۲۔ آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرو۔ اگر ضرورت پڑے ایک آدھ دِن بھُوکے رہ جاؤ۔

۳۔ جو کام شروع کرو پہلے سوچ لو۔

۴۔ جب شروع کر دو۔ پھر دِل میں پکّا ارادہ کر لو۔ کہ اس میں کامیابی حاصل کرنا ہے۔

۵۔ اپنے کمرے کی دیواروں پر لکھ کر لٹکا دو۔ کہ ہم کامیاب ہونگے۔ پھر تُم ناکامیاب نہ ہوگے۔

۶۔ جو کام کرو۔ ایمانداری سے کرو۔ ورنہ انکار کر دو۔

۷۔ یہ خیال دِل سے نکال دو۔ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ دُنیا کے تمام بڑے بڑے آدمی کبھی تم جیسے بچّے ہی تھے۔

۸۔ کامیابی کے کسی حصّہ پر مغرور نہ ہو۔ یہ کمینہ پن ہے۔

۹۔ ناکامیابی کے کسی حصّہ پر حوصلہ نہ ہار دو۔ یہ بزدلی ہے۔

معافی

ایک دیہاتی مدرسے کے میدان میں پانچویں جماعت کے طلبا سبق پڑھ رہے تھے۔ سبق میں یہ فقرہ "بُرائی پر بھلائی سے غالب آجاؤ" آگیا۔ اُستاد اس کا مطلب بچّوں کو سمجھا رہا تھا۔ کہ اچانک ایک واقعہ ظہور میں آیا۔ جس نے اس کی تشریح کر دی۔

محمود اپنی چھوٹی بہن کے پاس ہی کھیل رہا تھا۔ ان کی ماں دُور ایک درخت کے سایہ میں بیٹھی رومال پر بیل بوٹے کاڑھ رہی تھی۔ محمود کو کسی بات پر اتنا غصّہ آیا۔ کہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اور اُس نے جھٹ بے سوچے سمجھے بہن کو طمانچہ مارا۔ جس سے حمیدہ کی نازک گالوں پر اس کی اُنگلیوں کے نشان پڑ گئے۔ حمیدہ رونے لگی۔ اور محمود کو کوستی اپنی امّاں کے پاس بھاگتی ہُوئی چلی گئی۔

ماں نے بیٹی کو روتا دیکھکر پوچھا۔ "بیٹی کیا ماجرا ہے؟" حمیدہ نے پُورا واقعہ سُنا دیا۔

ماں نے کہا۔ بیٹی آپس میں لڑنا جھگڑنا نہیں چاہیئے لڑاکوں سے خدا بھی ناراض ہے۔ اور رسُول بھی بچّی تُم نے دو غلطیاں کی ہیں۔ ان سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔"

حمیدہ آنسو پونچھ کر۔ "اچھّی امّاں۔ مَیں نے کون کونسی غلطیاں کی ہیں؟"

ماں نے جواب دیا۔ "ایک تو تُم نے بڑے بھائی کو کوسا۔ اُسی سے لڑیں۔ اور پھر دوسرے اس کی چغلی تُم نے میرے آگے کھائی۔ جاؤ۔ ان گناہوں کی تلافی کرو۔ اور اپنے بھائی سے معافی مانگو"

حمیدہ اچھّی لڑکی تھی۔ اُس نے جھٹ اپنی ماں کا کہنا مان لیا۔ بھاگتی ہُوئی بھائی کے پاس گئی۔ اور اُس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ محمود بہن کی اس حرکت پر شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اس نے بھی حمیدہ سے معافی مانگ لی۔ اور پھر دونوں اُسی طرح کھیلنے لگے۔

راجہ ہریشچندر

(۱)

کچھ زمانہ ہوا، اجودھیا میں مہاراجہ رام چندر جی کی نسل سے ایک راجہ ہریشچندر راج کرتا تھا۔ وہ ایسا نیک اور پاک دل تھا۔ کہ لوگ اُسے دیوتا کہا کرتے تھے۔ اور اس کے راج میں رہنا خوش قسمتی سمجھتے تھے۔ راجہ ہریشچندر میں کئی خوبیاں تھیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھی۔ کہ وہ ہمیشہ سچ بولتا تھا۔ اور جو زبان سے کہہ دیتا تھا۔ اُسے پورا کر دکھاتا تھا۔

ایک دن رشی وشوامتر اُس کے دربار میں آئے۔ اور کہنے لگے کہ "اے راجہ! میرا دل چاہتا ہے کہ کچھ دنوں راج کروں۔ اس لئے تو اپنا راج مجھے دان کر دے۔"

ہریشچندر ہاتھ باندھ کر سنگھاسن سے نیچے اُتر آیا۔ اور سر جھکا کر بولا۔ "بہت اچھا! تخت و تاج آپ لے لیں۔ میں نے دان کیا۔"

وشوامتر نے ہنس کر کہا۔ "تو بڑا نیک اور دھرماتما ہے۔ دیوتا لوگ بھی تیری تعریف کرتے ہیں۔ تو نے میری خواہش پوری کی ہے۔ پرماتما تجھے سُکھی رکھے۔"

(۲)

یہ کہکر وہ راج سنگھاسن پر چڑھ گئے۔ ہریشچندر نے تاج رشی کے سر پر رکھا۔ شاہانہ لباس اُتار دیا۔ اور سادھوؤں کے کپڑے پہن کر محل میں چلے گئے۔ رانی تارا نے انہیں دیکھکر پوچھا۔ "سوامی! میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں۔"

راجہ ہریشچندر نے تمام واقعہ سُنا کر کہا۔ کہ اب چلو۔ کاشی جی چلیں۔ یہ محل اب ہمارا نہیں رہا۔ رانی تارا اپنے نیک شوہر کی دریا دلی دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور زیور وغیرہ اُتار کر اُن سے خود بھی ویسا ہی لباس پہن لیا۔ جیسا اُس کے شوہر نے پہنا تھا۔ اُن کا ایک بیٹا روہت تھا۔

اُسے بھی سادھوؤں کے کپڑے پہنا دیئے۔ اور
جس طرح کئی لاکھ سال پہلے اسی اُجدھیا سے
سری رام چندر جی سیتا اور لکشمن کے ساتھ بن باس
کو روانہ ہوئے تھے۔ اُسی طرح راجہ ہریشچندر اپنے
لڑکے اور بیوی کو ساتھ لیکر شہر سے باہر نکلے۔
آج بھی لوگ اُسی طرح رو رہے تھے۔
اتنے میں وشوامتر آ گئے۔ اور راجہ ہریشچندر
کے پاس پہنچکر بولے۔ راجن! یہ راج کا دان
تو تم نے مجھے دے دیا۔ مگر میرا اندرانہ اب
تک نہیں دیا۔ جب تک وہ نہ دو گے تب تک
دان ادھورا رہیگا۔
راجہ ہریشچندر نے پوچھا۔" مہاراج! اندرانہ
کتنا چاہیئے۔
"ایک ہزار اشرفی"۔
بہت بہتر مہاراج! ایک مہینہ میں یہ رقم
بھی آپ کو دے دُونگا"۔
یہ کہکر وہ تینوں روتے ہوئے لوگوں کو چھوڑ
کر کاشی کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۳)

ایک مہینے کے بعد وشوامتر پھر راجہ ہریشچندر
کے پاس پہنچا۔ اور کہنے لگا۔ راجہ! مہینہ پورا ہو گیا
اب میرا اندرانہ دیدو"۔
راجہ ہریشچندر نے جواب دیا۔" مہاراج!
مَیں نے بہت کوشش کی ہے۔ مگر کہیں نوکری
نہیں ملی۔ نہ کسی نے قرض دینا منظور کیا ہے۔
اس لئے میرے پاس تو کھانے پینے کیلئے
بھی نہیں۔ ہزار اشرفی کہاں سے دُوں"؟
وشوامتر نے غُصّہ سے کہا۔ تو تُو نے جُھوٹ
کیوں بولا تھا۔ کہ ایک مہینہ میں دیدونگا۔ اب
دو ہی باتیں ہیں۔ کہ یا تو سُورج غروب ہونے
سے پہلے پہلے ہزار اشرفی دیدے۔ یا یہ کہہ
دے۔ کہ مَیں نے دیا ہوا راج واپس لوٹا لیا
تیسرا طریقہ کوئی نہیں۔ اور خیال رکھ۔ کہ مَیں بیکار
آدمی نہیں۔ کہ تیری ایک ہزار اشرفی کے بدلے

تیرے پیچھے پیچھے پھرتا رہونگا۔اس لئے شام تک انتظام ہوجانے"

یہ کہکر وشوامتر رشی تو چلے گئے۔مگر راجہ ہریشچندر پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔وہ بار بار سوچتا تھا۔کہ اب کیا کرنا چاہئے۔اس وقت اُس کے دل میں ہزاروں خیال آتے تھے۔مگر کوئی راستہ نہ سُوجھا۔ناچار رونے لگا۔یہ دیکھکر اس کی بیوی تارا نے کہا۔مہاراج آپ روکیوں رہے ہو۔ آپ نے جو اقرار کیا ہے۔اُسے پُورا کرنا چاہئے راجپوت کی پہچان دو چیزیں ہیں۔تلوار اور زبان اگر آپ اس طرح گھبرا جائینگے۔تو اقرار کیسے پُورا ہوگا۔اور لوگ آپ کو چھتری کیسے کہینگے؟"

ہریشچندر نے پُوچھا۔"تو ہی بتا۔مَیں اس وقت کیا کرسکتا ہوں؟"

تارا نے جواب دیا۔"مجھے بیچ دیجئے۔دھرم بچ رہیگا"

یہ سُنکر ہریشچندر کا کلیجہ دہل گیا۔اُسے تارا جان سے زیادہ عزیز تھی۔مگر دھرم اُس سے بھی زیادہ عزیز تھا۔اس لئے اُس نے یہ قبول کرلیا۔کہ بیوی کو بیچ دُوں۔مگر یہ قبول نہ کیا۔کہ لوگ اُسے جھُوٹا کہکر بُلائیں۔

شام کے وقت تارا بازار میں نیلام کی جارہی تھی۔آخر ایک مہاجن نے پانسو اشرفی دے کر اُسے اور روہت دونوں کو خرید لیا۔جُدائی کے وقت تینوں کے دل پھٹے جارہے تھے۔مگر روہت کا مچلنا اور رونا سُنکر تو عام لوگوں کی بھی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

(باقی پھر) سُدرشن

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انساں کے لئے
بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح
مُردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جیئے

ایک چوہا اور ہرن

کسی جنگل میں ایک چوہا رہتا تھا۔ اتفاق سے اُس کی دوستی ایک ہرن سے ہوگئی تھی۔ یہ دونوں آپس میں نہایت محبّت سے رہتے تھے۔ اور یہ دوستی اسقدر بڑھ گئی تھی۔ کہ بلا ایک دوسرے کے دیکھے چین نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ دونوں ملکر ایک نہایت عمدہ ہرے بھرے کھیت پر گئے۔ جہاں ہرن تو چرنے لگا۔ اور چوہا بھی کھیت کی مٹی میں سے غلّہ کے پُرانے دانے چُن چُن کر کھانے لگا۔ جب دونوں کے پیٹ بھر گئے۔ تو اپنے اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔ راستے میں ایک گھنا درخت لگا ہُوا تھا۔ ہرن نے کہا کہ آؤ دوست کچھ دیر اِس درخت کے سایہ میں ٹھیریں۔ پھر کچھ دیر ٹھیر کر گھر چلیں گے۔ یہ کہہ کر دونوں اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ ہرن نے چوہے سے کہا۔ کہ دیکھو دوست اِس وقت ہماری تمہاری دوستی ایسی ہے کہ جنگل کے دوسرے جانور دیکھکر ہم پر حسد کرتے ہیں خُدا کرے یہ دوستی ایسی ہی قائم رہے۔ مگر دوست یہ تو بتاؤ۔ کہ اگر خدانخواستہ ہم پر کوئی مُصیبت آئی۔ تو تم کچھ کام بھی آؤ گے یا صرف خالی خولی دوستی ہی دوستی کا دم بھرتے ہو۔ چوُہے نے نہایت زور سے کہا کہ بھائی جان یہ کیا خیال کرتے ہو۔ اوّل تو خُدا نہ کرے۔ کہ تم پر کوئی وقت آئے۔ اور اگر خدانخواستہ تم پر کوئی مصیبت آئی۔ تو مَیں اپنی جان تک تم پر نثار کرنیکو تیار ہوں ہرن نے کہا۔ اچھّا دوست دیکھو یہ بات یاد رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ وقت پر مُنہ پھیر لو۔ چوُہے نے کہا ایسا کبھی نہ ہوگا۔ غرض یہ باتیں کرکے چوہے نے کہا کہ چلو آج ہمارے گھر ہی چلو۔ وہیں کچھ دیر آرام کرنا۔ ہرن نے کہا چلئے۔ اچھّا ہے۔ آپ ہی کے یہاں کچھ دیر ٹھیرینگے۔ یہ کہکر ہرن چوہے کے ساتھ ہولیا اتفاق کی بات ہے۔ کہ جہاں چوہے کا گھر تھا وہیں

کسی شکاری نے ہرن پکڑنے کے لئے جال بچھا رکھا تھا۔ جیسے ہی ہرن اُس پر سے گذرا اُس کے پاؤں جال میں پھنس گئے۔ اور ہرن دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ چوہے نے ہرن کا جو یہ حال دیکھا دُم دبا کر سیدھا اپنے سوراخ میں جا گھسا۔ اور وہاں سے مُنہ نکالکر ہرن کا تڑپنا دیکھنے لگا۔ جب ہرن نے دیکھا کہ چوہا اپنے سوراخ سے مُنہ نکالے مجھے دیکھ رہا ہے۔ تو اُس نے بڑی منت سماجت سے کہا۔ کہ اے دوست یہ وقت مُنہ دیکھنے کا نہیں ہے۔ بلکہ جلد آکر میرے پاؤں کے پھندوں کو اپنے تیز دانتوں سے کاٹ ڈالو۔ تاکہ مَیں شکاری کے آنے سے پہلے ہی بھاگ جاؤں۔ چوہے نے ہنسکر جواب دیا۔ کہ بس حضرت یہ وقت مدد کا نہیں ہے کیونکہ اگر مَیں نے تمہارے پھندے کاٹ دیئے تو شکاری میری جان کا دشمن ہو جائیگا۔ اور میرے بنے بنائے گھر کو تباہ کر ڈالیگا۔ ہرن نے جب چوہے کا یہ سوکھا سا جواب سُنا۔ تو بیچارہ مایوس ہو گیا۔

اتنے میں شکاری آیا۔ اور اُس نے ہرن کو جال سے نکالکر رسّی میں باندھ لیا۔ اور اپنے گھر کی طرف لیجانے لگا جونہی ہرن کو شکاری لیکر چلا۔ ایک عقاب جو اس جگہ کسی جنگلی چوہے کی تاک میں اُڑ رہا تھا۔ اُوپر سے جھپٹا۔ اور چوہے کو اپنے پنجہ میں اُٹھا کر لے اُڑا۔ اور ایک درخت پر بیٹھ کر اُسے تکّا بوٹی کر کے کھا گیا۔ اِدھر ہرن کو شکاری ابھی لیجا رہا تھا۔ کہ راستہ میں ایک شخص مِلا۔ اور اُس نے دیکھا۔ کہ ایک نہایت ہی خوبصورت ہرن ہے۔ جسے ظالم شکاری رسّی میں باندھے لئے چلا جا رہا ہے۔ بس اِدھر سے ہرن کی اس حالت پر ترس آگیا۔ اور اُس نے شکاری کو کچھ روپیہ دیکر ہرن کو چھوڑ دیا۔ اور ہرن اپنے جنگل کی طرف خوشی خوشی بھاگ گیا۔

یہ قصّہ اس لئے کہا گیا کہ دوستوں کے ساتھ جو وعدہ کیا جائے۔ اُسے سچّائی کے ساتھ پُورا کرنا چاہیئے اور جو لوگ کہ جھُوٹا وعدہ کرتے ہیں۔ اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کی مصیبت میں کام نہیں آتے اُن کا وہی حشر ہوتا ہے جو چوہے کا ہُوا۔

زرداد
شہنشاہ بابر کا دوست

(مسلسل قصّہ)

(۱۲)

ایلچیوں کے رُخصت ہونے کے بعد سلطان احمد مرزا نے بابر پر چڑھائی کرنے کے متعلق اپنے سرداروں سے مشورہ کیا۔ اور یہ رائے قرار پائی کہ کچھ دِن وہیں قیام کیا جائے۔ تاکہ لشکر اور سامانِ رسد کی فراہمی کا انتظام ہو سکے۔ اور حملہ کا نقشہ تیار کر لیا جائے۔ کیونکہ بابر کے سردار بھی بہادر اور جان نثار ہیں۔ اور اپنی اپنی جمعیت کے ہمراہ بابر پر جان قربان کرنے کو تیار۔ چنانچہ دوسرے ہی دِن سے تیاریاں ہونے لگیں۔ مگر سلطان احمد مرزا کو اپنے سلوک سے کچھ اس قدر پشیمانی اور پریشانی تھی۔ کہ اُس کا دِل بیٹھا جاتا تھا۔ اور اگرچہ وہ زبان سے تو نہ کہتا تھا۔ مگر دل ہی دِل میں شرمندہ ہوتا تھا کہ بھائی کے کم عمر بیٹے کے ساتھ اُس نے کیا کیا۔

مگر خُدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ لشکر میں وبا پھیل گئی۔ اور کچھ ایسی جلدی سے کہ اُسے روکنے کے لئے جو تدبیر کی گئی۔ کارگر نہ ہُوئی۔ سپاہی، افسر، گھوڑے، غرض کوئی جاندار اس مُہلک وبا سے محفوظ نہ رہا۔ اس سے کچُھ ہل چل سی پڑ گئی۔ اور عام طور پر سپاہیوں کو یہ وہم سا ہو گیا۔ کہ یہ مہم خُدا کی مرضی کے خلاف ہے۔ بجائے اس کے کہ فوجوں کو آراستہ کیا جاتا اور حملے کی تیاریاں ہوتیں۔ سلطان احمد مرزا اور

اس کے سرداروں کو سپاہیوں کا دل سنبھالنے
کی فکر ہوگئی۔ چنانچہ یہ فیصلہ کر کے کہ اس جگہ پر
قیام کرنا مناسب نہیں۔ کوچ کا حکم دے دیا
گیا۔ لشکر میں کچھ ایسی ہڑبونگ مچ رہی تھی۔ کہ
سپاہی کوچ کا حکم سنتے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔
اس مقام اور اندجان کے درمیان دریائے
قبا حائل تھا۔ برسات کی کثرت سے پانی
چڑھاؤ پر تھا۔ اس دریا کے چڑھاؤ کی ہمیشہ
کچھ ایسی حالت ہو جاتی تھی۔ کہ کناروں کی سیاہ
مٹی گھل کر اس کے پانی کو سیاہ کر دیتی تھی۔
اسی لئے اس دریا کو آبِ سیاہ بھی کہتے تھے۔
اس پر سے گذرنے کے لئے صرف ایک پُل
تھا۔ اور پل کی راہ کے بغیر دریا کے پار اُترنا ناممکن
تھا۔ اب اس پریشانی اور افراتفری میں لشکر کا
اس پُل پر کچھ ایسا ہجوم ہُوا۔ کہ پل ٹوٹ گیا۔ اور
بہت سے سپاہی، گھوڑے اور سامان دریا
میں ڈوب گئے۔ تین سال پہلے سلطان احمد مرزا
کو اسی دریا کو عبور کرتے وقت ایسا ہی حادثہ
پیش آیا تھا۔ سپاہیوں پر عجیب وہم اور شک
چھا گیا۔ کہ یہ مقابلہ ہی منحوس ہے۔ سب نے
دل ہار دِتے۔ اِدھر دریا کا خیال اُدھر پانی میں
ڈوب مرنے کا وہم اس پر طُرہ یہ کہ بابر کی طرف
سے سب کے دل میں ایک قدرتی ہمدردی پیدا
ہوگئی۔ اور بابر کے وفادار ساتھیوں کی ہمّت
اور شجاعت کا کچھ ایسا اثر ہُوا۔ کہ سب نے ہمّت
ہار دی۔ جب سلطان احمد مرزا اور اس کے
سرداروں نے یہ حالت دیکھی۔ تو ناچار یہی فیصلہ
کیا۔ کہ اب صلح کرنے میں ہی مصلحت ہے۔
چنانچہ اندجان سے ایک کوس کے فاصلے پر
پہنچکر درویش محمّد خاں کو صلح کا پیغام دے کر
اندجان کے قلعے کی طرف روانہ کیا۔ تاکہ وُہ
بابر اور اس کے سرداروں سے صلح کے متعلق
بات چیت کرے۔

(باقی آئندہ)

پرہیز

خوراکی اشیا میں بعض غذاؤں سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے۔ مگر عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بچّے اِن چیزوں کے متعلق کسی قسم کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان کو استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے لازم ہے۔ کہ اس کے متعلق چند مختصر اور ضروری ہدایات دے دی جائیں۔

بچوں کو مصالحہ دار خوراک سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے۔ نمک جسقدر کم مقدار میں کھایا جائے اچھّا ہے۔ مرچ۔ رائی۔ سرکہ، اور اسی قسم کے خراش پیدا کرنے والے مصالحے خواہ وہ کیسے ہی مزیدار کیوں نہ ہوں بالکل استعمال نہ کرنے چاہئیں۔ اچھّی اور لذیذ خوراک حقیقت میں وہی ہے۔ جس میں اس کے اصلی اجزا کا مزا پایا جائے۔ جو باورچی ترکاریوں اور دوسری غذائی اشیا کو مزیدار بنانے کے لئے مصالحوں کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ اصل میں انکو نقصان دہ بناتے ہیں۔

مٹھاس سے بھی عام طور پر پرہیز لازمی ہے اگرچہ بچّے میٹھی چیزوں کو زیادہ رغبت سے کھاتے ہیں۔ تاہم اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ مٹھاس خوراک کے اعتبار سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ ہاں مزے کے اعتبار سے بچّوں کو بہت پسند ہے۔ اگر بچّے خوراکی اشیاء کے استعمال میں صرف مزے کی طرف ہی توجّہ کریں گے۔ تو یقیناً وہ اسی عادت سے مجبور ہوکر ہمیشہ مزیدار چیزوں کو ہی پسند کریں گے۔ اور ان خوراکوں کو پسند نہ کریں گے جو اگرچہ مزیدار نہیں ہوتیں تاہم طاقت اور صحت کے لئے بہت مفید ہوتی ہیں۔ شروع سے بچّوں کو اس عادت سے بچانے میں ایک بڑی مصلحت ہے۔

(امر کنشاہل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوانچند پروپرائیٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت ادب لطیف لاہور کے لئے سید افضال علی حسنی پبلشر نے شائع کیا)

۶۸۶

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱ | اشاعت مورخہ ۸۔ اکتوبر ۱۹۲۲ء | نمبر ۱۳

فہرست مضامین

ہم تم

جزیرہ ٹرینی ڈاڈ میں ایک عجیب وغریب عورت رہتی ہے جس میں تمام قوتیں تو موجود ہیں لیکن قوت احساس مطلق نہیں ہے یعنی اُس کے بدن میں اگر سوئی وغیرہ چبھوئی جائے۔ تو اُسکو کوئی تکلیف معلوم نہیں ہوتی۔ اگر اُس کے جسم پر چاقو وغیرہ سے زخم ڈالدیا جائے۔ تو اُس کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہانتک کہ اُس کے ہاتھوں کو طمنچہ کی گولیوں سے داغا گیا۔ اور اُس نے کسی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ وہ انگاروں پر چلتی ہے۔ اور گرمی اور جلن کا اثر اُس کی طبیعت میں نہیں ہوتا۔ اور ان تمام باتوں پر ہنستی ہے۔ آجتک وہ کبھی کسی جلدی مرض میں مبتلا نہیں ہوئی

انگلستان میں ایک مشین ایجاد ہوئی ہے۔ جس کے ذریعہ سے سمندر کی ہوا کناروں کی طرف پھیل کر آجاتی ہے۔ اس ہوا میں یہ اثر ہوتا ہے۔ کہ پُرانی کھانسی کے مریض اچھے ہو جاتے ہیں۔

برازیل کے ایک ڈاکٹر نے آدمی وغیرہ کے رنگ بدلنے کا طریقہ معلوم کرلیا ہے جس کے ذریعہ سے کالا آدمی گورا اور گورا کالا ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "آدمی اور ہر جاندار چیز کے خون میں اس قسم کے کیڑے ہوتے ہیں۔ جن کا اثر رنگ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کے خون میں سے کالے رنگ کے کیڑے نکال لئے جائیں اور بجائے اُنکے سفید رنگ کے کیڑے داخل کردئے جائیں۔ تو وہ کالا آدمی گورا ہو جائیگا۔

رات اور دن کی لمبائی اگر معلوم کرنی ہو۔ تو اس طرح شمار کرلو۔ کہ دن کی لمبائی معلوم کرنے کے لئے سورج چھپنے کا وقت دریافت کرو۔ مثلاً اگر سورج سات بجے شام کو چھپتا ہے۔ تو اس سات کے عدد کو دوگنا کرو۔ اب یہ عدد چودہ ہو جائیگا۔ سمجھ لو کہ دن چودہ گھنٹے کا ہے۔ اسی طرح معلوم کرو۔ کہ آفتاب کتنے بجے نکلتا ہے اگر پانچ بجے نکلتا ہے۔ تو رات دس گھنٹے کی ہوگی۔ اس دس اور چودہ کو جمع کرو گے۔ تو رات دن کے چوبیس ۲۴ گھنٹے پورے ہو جائینگے

تیتری سے دو دو باتیں

تیتری تو اڑتی پھرتی ہے کہاں دم لے ذرا
باتیں بچپن کی بہت سی مجھ کو آجاتی ہیں یاد
تو مجھے گذرے زمانہ کو دلا دیتی ہے یاد
میری نظروں میں وہ پھر جاتی ہیں تصویریں تمام
وہ گئی، یہ آئی، وہ پھولوں پہ بیٹھی، وہ اڑی

اس طرف اڑتی ہوئی آ سامنے دم بھر ٹھہر
میرے بچپن کی مورخ تیری صورت دیکھ کر
سامنے میرے تو منڈلا مجھ سے تو ہرگز نہ ڈر
مجھ کو اپنے باپ ماں کا یاد آجاتا ہے گھر
اس طرف کو آتے آتے مڑ گئی لو پھر اُدھر

کیا خوشی کا وہ زمانہ تھا کہ بچے مل کے سب
تیتری کے پیچھے پیچھے دوڑتے پھرتے تھے سب

آمنہ میری بہن، میں کھیلتے تھے بیشتر
پھاند کر میں باڑھ کو چڑھ جاتا تھا دیوار پر

آمنہ میری بہن، رحمت خدا کی اُس پہ ہو
تیتری کے پر کو چھوتے ڈرتی تھی وہ کس قدر

شہر شہری اور شہریت

تیرھواں سبق

شہروں کا انتظام

زمین کی پیداوار کی زیادتی اور تجارت کی ترقی کا لازمی نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ شہروں کے لوگ زیادہ دولتمند اور آرام طلب ہو گئے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بعض مقامات ایسے بھی تھے۔ جہاں ابھی تک وہی پہلے کی سی حالت تھی۔ اور ایسی جگہوں کے رہنے والے، شہروں کے رہنے والوں کو رشک اور حسد کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور چونکہ ان میں زیادہ تر وہی وحشیانہ عادتیں موجود تھیں۔ اس لئے جب کبھی موقع ہاتھ آتا۔ وہ ان شہروں پر حملہ کر دیتے اور شہر کے رہنے والے دولتمندوں کا مال و مویشی چُرا کر لے جاتے۔ اس لئے اب سب سے پہلے جس بات کا انتظام ضروری تھا۔ وہ یہ تھی کہ شہروں کو ایسے لوگوں کے حملوں سے محفوظ کیا جائے۔ چنانچہ شہروں کے بزرگوں نے مل کر یہ تدبیر کی۔ کہ شہروں کے ارد گرد یا تو مضبوط دیواریں بنا دیں۔ جن کو فصیل کہتے ہیں۔ اور یا چوڑی چوڑی خندقیں کھود دیں۔ تاکہ یہ دُشمن اچانک شہر میں نہ گھُس آیا کریں۔ ساتھ ہی ان خندقوں اور فصیلوں کی حفاظت کے لئے آدمی مقرر کر دیئے جن کے خرچ اخراجات کا بوجھ تمام شہر پر تھا۔ یہی حفاظتی فوج کی ابتدا ہے۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں کی تعداد میں زیادتی ہوتی گئی۔ اور یہی کام باقاعدہ طور پر ان کا پیشہ بن گیا۔ اسی طرح ان کے اخراجات کے لئے تمام شہر سے اس شہر کا بزرگ چندہ جمع کر لیا کرتا تھا۔ جو لوگوں کی حیثیت کے موافق ہوتا تھا۔ اور

اس حیثیت کا اندازہ اکثر زمینداروں کی زمین کی پیداوار اور سوداگروں کی آمدنی کے حساب سے ہوتا تھا۔ اس کو لگان یا مالیہ کہتے تھے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ اسی سے ٹیکس لگانے کی رسم جاری ہوگئی۔ اب حقیقت میں شہر کا بزرگ ایک حاکم یا چھوٹے سے بادشاہ کی حیثیت اختیار کر رہا تھا۔ یہ سب روپیہ اسی کے پاس جمع ہوتا اور وہ اس روپے کو شہر کی حفاظت کے لئے جس جس کام کے لئے مناسب سمجھتا صرف کرتا۔ حفاظت کرنے والی فوج بھی اسی کا حکم مانتی۔ اور اسی کی مرضی کے مطابق دشمنوں سے جنگ کرتی۔ مگر ایک ہی شخص سے یہ سب کام اور انتظام ہونا مشکل تھا۔ اس لئے ہر شہر کے حاکم نے ان انتظامی کاروبار کو کرنے کے لئے کچھ ایسے آدمی مقرر کر لئے۔ جو عقل تجربہ اور حیثیت کے لحاظ سے شہر میں اعلےٰ درجہ رکھتے ہوں۔ وہ ہر ایک معاملہ میں حاکم کو مشورہ دیتے۔ اور ہر کام میں اس کی امداد کرتے۔

رفتہ رفتہ ان میں سے ہر ایک کے سپرد ایک ایک یا دو دو کام کر دئے گئے۔ ان سے صرف حاکم ہی بازپرس کر سکتا تھا۔ اور وہ صرف حاکم کا حکم ہی مانتے تھے۔ یہی لوگ بعد میں حاکموں یا بادشاہوں کے نائب اور ان شہروں کے عہدہ دار ہوگئے۔ ان کے کام کا بدلہ حاکم اسی مالیہ یا ٹیکس میں سے ادا کرتا۔ یہ ٹیکس ابھی تک جنس کی صورت میں ہی وصول کیا جاتا تھا۔ اور جنس کی صورت میں ہی لوگوں کو تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ کیونکہ ابھی روپے پیسے یا سکّوں کا رواج جاری نہیں ہُوا تھا۔

(باقی آئندہ)

ایڈیٹر

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی دیانت

اسلام کے مشہور خلیفہ[۵۱] حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) ایک روز، رات کو بیٹھے ہوئے حکومت کا کچھ کام کر رہے تھے۔ اور چراغ کی روشنی میں کچھ رعایا کے ضروری کاغذات ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اتنے میں آپ کا ایک غلام حاضر ہوا اور کچھ آپ کے ذاتی کاموں کے متعلق باتیں کرنے لگا جن کا تعلق حکومت کے کاروبار سے نہ تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، "پہلے چراغ بجھا دو پھر مجھ سے باتیں کرنا۔ کیونکہ اس چراغ میں جو تیل جل رہا ہے۔ یہ ہمارے داموں کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے بیت المال[۵۲] کا ہے۔ اس کا صرف میرے ذاتی کاموں کے وقت جائز نہیں ہے۔ بلکہ صرف مسلمانوں ہی کے کاموں میں ہونا چاہیئے۔ غلام نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ چراغ گل کر کے باتیں کرتا رہا۔

غلام جب باتیں کر کے رخصت ہونے لگا۔ چراغ پھر روشن کر دیا گیا۔ اور حضرت اپنی سلطنت کے کام میں مشغول ہو گئے۔

اللہ اللہ! یہ تھی اسلامی بادشاہوں کی احتیاط[۵۳] اور دیانت داری[۵۴] کہ رات دن بغیر کسی معاوضہ کے مسلمانوں کے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ مگر دھیلے کا تیل بھی اپنے کام میں لانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ واقعی ایمانداری اور امانت[۵۵] اسی کا نام ہے۔ انہیں خوبیوں سے تو اسلام نے دنیا میں اتنی ترقی کی ہے۔

محوی لکھنوی

---

[۵۱] اسلام کے سب سے بڑے بادشاہ کو خلیفہ کہتے ہیں۔
[۵۲] اسلامی حکومت کا خزانہ۔
[۵۳] سوچ سمجھ کر کام کرنا [۵۴] ایمانداری [۵۵] دوسرے کی چیز سنبھال کر رکھنا۔ اور جب مانگے فوراً دے دینا۔

ایک بازی گر اور سانپ

ایک بازی گر کو جانور پالنے کا بہت شوق تھا اور وہ ہر قسم کے جانوروں سے محبّت کرتا تھا۔ وہ تمام جانوروں کی بولیاں بھی جانتا تھا۔ ایک دفعہ وُہ کسی پہاڑ کے پاس سے گذرا۔ دیکھا۔ کہ ایک نہایت خُوبصورت سانپ بیٹھا ہُوا ہے۔ بازی گر اُس کے پاس گیا۔ اور کہا کہ مجُھے تمام جانوروں سے محبّت ہے۔ اگر تو بھی میرے ساتھ چلے تو مَیں تجھے بھی اچھّی طرح رکھونگا۔ تیری خوب خاطر تواضع کرونگا۔ سانپ نے کہا۔ کہ دُنیا میں کوئی سچّا دوست ایسا نہیں ہے۔ جو بلا غرض کے کسی کی خدمت کرے۔ لہٰذا اگر تجھے مجھ سے محبّت ہے۔ تو تو خود میرے پاس آجایا کر لیکن مَیں تیرے ساتھ تو نہ چلونگا۔ بازیگر کو چونکہ سانپ سے بہت محبّت ہوگئی تھی اِس لئے اُس نے اس بات کو منظور کرلیا۔ اور وہ روزانہ اُس پہاڑ پر سانپ سے ملنے آیا کرتا تھا۔ گھنٹوں اُس کے پاس بیٹھتا تھا۔ اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے چلا جایا کرتا تھا ایک روز جب عادت کے موافق بازیگر سانپ سے ملنے آیا۔ تو اُس نے دیکھا کہ سانپ نہایت سُست اور ٹھٹھرا ہُوا پڑا ہے۔ نہ تو چلتا پھرتا ہے۔ اور نہ بولتا ہے۔ بازیگر نے ہرچند اُسے پُکارا لیکن اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بازی گر سمجھا۔ کہ اِس پر سردی نے اثر کیا ہے۔ اور یہ مارے جاڑے کے ٹھٹھر گیا ہے۔ لہٰذا اُس نے یہ سوچکر کہ سانپ میرا دوست ہے۔ اس کی اس تکلیف کو کسی طرح دُور کیا جائے وہ اپنے گھر اُسے اُٹھا لایا۔ اور ایک توبڑہ لاکر اُس میں سانپ کو رکھا۔ اور توبڑہ کو اپنے گھوڑے کے مُنہ میں لٹکا دِیا۔ تاکہ توبڑہ میں گھوڑے کے مُنہ کی جو گرم بھاپ جائیگی۔ تو اُس کی گرمی سے سانپ بھی گرم ہو جائیگا۔ اور جب اس کا جاڑا

دُور ہو جائیگا۔ تو اسے ہوش آجائیگا۔ آخر جب توبرہ گھوڑے کے مُنہ سے باندھ دیا گیا۔ اور گھوڑے کی تیز سانس لینے سے سانپ کو گرمی پُہنچی۔ اور وہ ہوش میں آیا۔ تو اس نے گھوڑے کے مُنہ میں کاٹ لیا۔ بس سانپ کے کاٹتے ہی گھوڑا دھڑام سے زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اور سانپ توبرہ سے نکلکر رفوچکّر ہو گیا تھوڑی دیر میں گھوڑا تو مر گیا۔ اور بیچارہ بازی گر اپنا سر پیٹنے لگا۔ کہ ہائے میں نے یہ کیا نادانی کی؟ افسوس کہ مَیں نے تو سانپ کے ساتھ بھلائی کی تھی۔ مگر اُس نے تو میرے ہی گھوڑے کو کاٹ لیا۔ جب یہ بازی گر روتا پیٹتا اپنے گھر میں آیا۔ تو مینا کے پنجرہ کے پاس گیا! اور یہ تمام قصّہ مینا کو کہہ سُنایا۔ مینا نے کہا۔ کہ احمق آخر کو تو نے ایسے دغاباز اور بے وفا جانور سے کیوں محبّت کی تھی۔ جس کا یہ نتیجہ تجھے دیکھنا پڑا۔ یاد رکھ۔ کہ جو لوگ دنیا میں کمینوں اور شریر طبیعت والے لوگوں سے دوستی کرینگے وہ ہمیشہ اسی طرح نقصان اُٹھاتے رہیں گے۔

یہ قصّہ اس لئے کہا گیا کہ دُنیا میں کبھی کمینوں اور شریر لوگوں سے دوستی نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ اُن کا بھی وہی حشر ہوگا۔ جو بازی گر کے گھوڑے کا ہُوا۔ جب دوستی کی جائے۔ تو ہمیشہ شریف آدمیوں اور پڑھے لکھّے لوگوں سے دوستی کی جائے۔ کیونکہ جاہل اور شریر لوگ کبھی اپنے دوست کو فائدہ نہیں پُہنچاتے۔ بلکہ اُن کی تو طبیعت ہی میں شرارت اور نقصان پُہنچانا ہوتا ہے۔ اور وہ سانپ کی طرح اپنے دوستوں ہی کو نقصان پُہنچاتے رہتے ہیں۔

(ترجمہ)

توحیدی

ہریشچندر

(مسلسل)

(۴)

ہریشچندر سوچنے لگا کہ پانسو اشرفی تو ہوگئی اب اور پانسو کا انتظام کیسے ہوگا؟ تاکہ وشوامتر کا قرض اُتر سکے۔ اتنے میں وشوامتر سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔ راجہ ہریشچندر کا جسم خوف سے کانپنے لگا۔ وشوامتر نے آتے ہی کہا۔ "ہریشچندر میرے نذرانہ کا انتظام ہوا یا نہیں"؟ ہریشچندر نے پانسو اشرفی رشی کے قدموں میں رکھدی۔

وشوامتر نے اشرفیاں گن کر کہا۔ "اور باقی پانسو؟" ہریشچندر نے جواب دیا۔ بیوی اور بچّے کو بیچ کر یہ انتظام کیا ہے۔ باقی کا بھی ہوجائیگا"

وشوامتر نے غصّہ سے کہا۔ "یہ کیا بیہودگی ہے؟ کیا نذرانہ دینے کا یہی طریقہ ہے۔ بابا بیوی بچّے کو بیچا ہے۔ تو اپنے آپ کو بھی بیچ دے۔ اور باقی پانسو اشرفیاں بھی میرے حوالہ کر"۔

ہریشچندر اُسی وقت بازار میں کھڑے ہوگئے۔ اور چلّا چلّا کر بولے۔ "کہ "مَیں بکنے کے لئے تیار ہوں۔ کوئی چاہے تو مجھے خریدلے۔ مول پانسو اشرفی"۔

شمشان کے داروغہ کو ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ اُس نے پانسو اشرفی اُسی وقت گن دی۔ اور کہا۔ تُم آج سے میرے غلام ہو۔ تمہارا کام شمشان میں پہرہ دینا اور جو کوئی مُردہ جلانے آئے۔ اُس سے ایک روپیہ محصول لے لیا کرنا

اس طرح سے بہادر ہریشچندر نے ہزار اشرفی وشوامتر کو دی۔

(۵)

ادھر تو ہریشچندر شمشان میں مردے جلاتا تھا۔ اُدھر اُس کی رانی تارا مہاجن کے ہاں کام کاج

کرتی تھی۔ مگر مہاجن اور اُس کی بیوی دونوں اُس
سے ناخوش ہی رہتے تھے۔ اس سے تارا کو
بہت تکلیف ہوتی تھی۔ بیچاری دن رات
روتی تھی۔ اور سوچتی تھی۔ کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا
اپنے پرانے دن یاد کرکے اُس کی آنکھوں میں
آنسو آجاتے تھے۔ مگر مہاجن کی بیوی اُسے
روتا دیکھ کر آگ بگولا ہو جاتی تھی۔

ایک دن شام کے وقت روہت باغ میں
پھول توڑنے گیا۔ وہاں اُسے ایک سانپ
نے کاٹ کھایا۔ اور وہ مر گیا۔ بیچاری تارا کی
نگاہوں میں دُنیا اندھیر ہو گئی۔ وہ روتی ہُوئی
جلانے کے لئے شمشان میں لے گئی۔

اُس وقت رات ہو چکی تھی۔ مگر بعض مُردے
ابھی تک جل رہے تھے۔ اور ہریشچندر ہاتھ میں
لاٹھی لئے پہرہ دے رہا تھا۔ تارا اپنے بیٹے
کی لاش لے کر وہاں روتی ہُوئی آئی۔ اور لڑکے
کو جلانے لگی۔ ہریشچندر نے کہا۔ "اے عورت!
پہلے ایک روپیہ دے دے۔ پھر لڑکے کو جلانا"۔

ہریشچندر مہتر کے لباس میں تھا۔ اس لئے
تارا نے اُسے نہ پہچانا۔ اور رو کر بولی۔ مہاراج!
مَیں غریب ہوں۔ میرے پاس روپیہ نہیں"۔

ہریشچندر نے تارا کی شکل نہ پہچانی تھی اُسے
غموں نے تبدیل کر دیا تھا۔ مگر اُس کی آواز پہچان
لی۔ اسے دُنیا کی کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی
اور روتے ہوئے اُس کے گلے سے لپٹ گیا۔
تارا کو بھی آواز سُن کر شک سا ہُوا تھا۔ اب یقین
ہو گیا۔ وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جب رو کر دِل کا غبار نکل چکا۔ تو ہریشچندر
نے کہا۔ تارا جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب رونے سے
کیا حاصل۔ روپیہ نکالو۔ اور روہت کے جسم کو
آگ کے حوالے کرو"۔

تارا نے جواب دیا۔ "میرے پاس تو ایک
پیسہ بھی نہیں۔ روپیہ کہاں سے دُوں"۔
مگر ہریشچندر نے کہا۔ کہیں سے لاؤ۔ مگر

جب تک روپیہ نہ لاؤ گی۔ لاش میں نہ جلانے دونگا میرے مالک کا یہی حکم ہے۔"

(۶)

تارا نے لڑکے کی لاش وہیں رکھی۔ اور کسی سے روپیہ مانگنے کے لئے شہر کی طرف روانہ ہوئی۔ مگر جو کوئی اُس کی بات سُنتا تھا۔ وُہی اُسے جھڑک دیتا تھا۔ لاچار وہ خالی ہاتھ واپس ہوئی یکایک سپاہیوں نے آکر اُسے جکڑ لیا اور وہاں کے راجہ کے پاس لے گئے۔ اُس دن اُس کا لڑکا کسی نے قتل کر دیا تھا۔ راجہ نے حکم دیا تھا۔ کہ اگر آدھی رات سے پہلے پہلے قاتل گرفتار نہ ہو گیا۔ تو میں کوتوال کو قتل کرا دوں گا۔ کوتوال نے آدھی رات قریب دیکھکر تارا کو گرفتار کر لیا۔ اور اُس پر قتل کا الزام لگا دیا۔

راجہ نے تارا سے پُوچھا۔ "یہ قتل تم نے کیا ہے؟" تارا پر پے در پے آفتیں ٹوٹی تھیں وہ بیہوش سی ہو گئی تھی۔ اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس لئے وہ کچھ جواب نہ دے سکی۔ راجہ نے سمجھا۔ کہ یہ اپنا قصور تسلیم کرتی ہے۔ اس لئے اُس نے حکم دیا۔ کہ اسے ابھی شمشان میں لے جاؤ۔ اور چھتر سے قتل کرا دو۔

سپاہی اُسے ہریشچندر کے پاس لے گئے۔ بیچارے پر اور مصیبت آگئی۔ مگر اُس نے اُف نہ کی۔ سوچا! یہ میری نوکری ہے۔ مجھے جو حکم دیا گیا ہے۔ اُس کی تعمیل نہ کروں گا۔ تو پاپ لگے لگا۔ اس لئے اُس نے ایشور کا نام لیا۔ اور تلوار کھینچ کر مارنے ہی کو تھا۔ کہ پیچھے سے کسی نے ہاتھ پکڑ لیا۔ ہریشچندر نے مُڑ کر دیکھا۔ تو وشوامتر تھے۔ اس وقت اُن کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہُوئے تھے۔ اُنہوں نے ہریشچندر کو گلے سے لگا لیا۔ اور کہا۔ بیٹا! میں آزما رہا تھا۔ کہ تو کس حد تک دھرم پابند ہے معلوم ہُوا۔ کہ دُنیا جو تیری تعریف کرتی ہے۔ وہ غلط نہیں ہے۔

اتنے میں کاشی کا راجہ بھی وہیں آگیا۔ اُس نے جب سب حال سُنا۔ تو بہت شرمندہ ہوا۔ اور ہریشچندر سے معافی مانگنے لگا۔ روہت کی لاش ابھی تک پڑی تھی۔ وشوامتر کے پاس سانپ کاٹے کی ایک بہت عمدہ دوا تھی۔ وہ نکال کر اُس نے روہت کے جسم پر مل دی۔ سانپ کا زہر اُتر گیا۔ اور وہ تندرست ہوگیا۔

ہریشچندر، تارا اور روہت کئی دن تک مہاراجہ کاشی کے مہمان رہے۔ اور اس کے بعد اجدھیا کو واپس گئے۔

وشوامتر نے بڑے اصرار سے اُن کا راج اُن کے حوالے کر دیا۔ اور آپ بنوں میں عبادت کرنے کے لئے چلے گئے۔

سُدرشن

کوریا کے عجائبات

(۱) کن شانشاو کے پاس گرم پانی کا ایک چشمہ ہے جس میں نہانے سے تمام بیماریاں جاتی رہتی ہیں۔

(۲) اس جزیرے کے دونوں کناروں پر مقابلے میں دو کنوئیں ہیں۔ ان میں سے ایک میں اگر پانی آجاتا ہے تو دوسرا خشک ہو جاتا ہے۔

(۳) ایک غار ہے جس کے اندر سے نہایت سرد ہوا آندھی کی طرح نکلتی رہتی ہے۔

(۴) صنوبر کا ایک گھنا جنگل ہے جس کے درختوں کی جڑوں تک کو خواہ کتنا ہی نقصان پہنچایا جائے لیکن بڑھوار اور پیداوار نہیں رکتی۔

(۵) ایک محل کے کچھ اوپر ایک بڑا پتھر معلق، بغیر کسی سہارے کے لٹکا اور ٹھیرا ہوا ہے۔

(۶) ایک پہاڑی پر ایک پتھر پڑا ہوا ہے جو ہمیشہ نہایت تیز گرم رہتا ہے۔ اور اُس میں سے گرمی نکلتی بھی رہتی ہے۔

(۷) ایک مندر میں ایک بُت ہے جس کے اثر سے تیس تیس گز تک گھاس یا کوئی درخت نہیں پیدا ہوتا اور اس کی طرف کبھی کوئی جانور رُخ نہیں کرتا۔

شیر شاہ سوری

ہندوستان کے مشہور اور طاقتور بادشاہوں میں سے شیر شاہ سوری بھی ایک بہادر، عالی ہمت اور کامیاب بادشاہ گذرا ہے۔ اس کا اصلی نام فرید خاں تھا۔ اور اس کے باپ کا نام میاں حسن خاں تھا۔ شیر شاہ کا دادا جس کا نام ابراہیم خاں سور[1] تھا۔ صرف گھوڑوں کی تجارت کرتا تھا۔ اور سب سے پہلے اس خاندان کا یہی شخص افغانستان سے ہندوستان آیا تھا

سلطان بہلول نے جو اس زمانہ میں ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ پٹھانوں کو خوش کرنے اور اپنی فوج بڑھانے کے لئے ان لوگوں کو جاگیریں وغیرہ تقسیم کرنی شروع کی تھیں اسی سلسلہ میں ابراہیم خاں سوری کے بیٹے میاں حسن خاں یعنی شیر شاہ سوری کے باپ کے نام بھی علاقہ شہسرام میں دو پرگنے، بطور جاگیر کے سلطان نے کر دیئے تھے۔

شیر شاہ بچپن ہی سے حوصلہ مند تھا۔ اس کے باپ نے ایک لونڈی سے بھی شادی کر لی تھی، اور اسی کی شکایت پر وہ شیر شاہ سے ناراض رہتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ ناراضی بہت بڑھ گئی تو شیر شاہ گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اور جون پور کے حاکم کے پاس پہنچ گیا۔ اور اپنے باپ کی بے انصافیاں بیان کیں۔ یہ حاکم بھی پٹھان تھا۔ اور اس کو حسن خاں کی یہ حرکت پسند نہ آئی۔ اس نے شیر شاہ کو بہت آرام سے رکھا یہیں کے مدرسوں میں شیر شاہ نے اس زمانہ کی اچھی خاصی تعلیم حاصل کی تعلیم سے اسکے خیالات اور زیادہ اچھے ہوگئے۔ ہمت بلند ہوگئی اور حوصلے عالی، طبیعت میں عدل و انصاف پیدا ہوگئے جو انتظام اور حکومت کیلئے ضروری ہیں۔ اسکی قابلیت دیکھ کر جون پور کے حاکم جمال نے اسکے باپ کو بلا بھیجا۔ اور باپ بیٹوں کی صلح کرادی۔ اب حسن خاں نے اپنے بیٹے کو لائق پاکر اپنی جاگیر کا تمام انتظام سپرد کر دیا۔ اور شیر شاہ نے بھی ایسے انصاف خوش انتظامی اور قوت سے کام کیا۔ کہ دور دور شہرہ ہوگیا۔

جب اس کا باپ مر گیا تو اسکے سوتیلے بھائی سلیمان نے ایک اور جاگیردار سے ملکر شیر شاہ کے خلاف فساد کرنا چاہا۔ شیر شاہ

[1] سور ایک خاندان کا نام ہے

نے اُس جاگیردار کو بھی شکست دیدی اور اپنی جاگیر میں اور بہت سا اِدھر اُدھر کا علاقہ شامل کرکے بڑا علاقہ دار بن گیا۔

ابھی تک شیر شاہ کا نام شیر شاہ نہ تھا بلکہ فرید خاں تھا۔ ایک دفعہ یہ حاکم بہار سلطان محمد کے دربار میں ٹھیرا ہوا تھا۔ کہ سلطان محمد کے ساتھ شکار میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اور اُس نے تن تنہا ایک زبردست شیر شکار کیا۔ سلطان محمد نے اسکو "شیر خاں" کا لقب دیدیا۔ اسطرح فرید خاں "شیر خاں" ہو گیا۔

اسی زمانہ میں اسکی رسائی شہنشاہ بابر کے دربار میں ہوئی۔ بابر نے اس کے چہرہ سے پہچان لیا۔ کہ یہ کوئی بڑا شخص ہونیوالا ہے۔ اور اس کو اپنے قبضہ میں لانا چاہیئے مگر شیر شاہ بھی بابر کی نگاہیں پہچان گیا۔ اور راتوں رات بادشاہ کے لشکر سے نکل گیا۔ اور پھر سلطان محمد حاکم بہار کے پاس گیا۔ یہ پہلے ہی سے شیر شاہ سے بہت خوش اور اسکی قابلیت کا قدردان تھا۔ اُسنے شیر شاہ کو اپنے کم عمر بیٹے جلال خاں کا اتالیق مقرر کردیا۔ اور شیر شاہ جلال خاں کی تربیت کرنے لگا۔

تھوڑے ہی دن کے بعد سلطان محمد مرگیا۔ اور اُسکا جانشین بھی جلال خاں ہوا۔ چونکہ جلال خاں نو عمر تھا اسلئے سلطان محمد کی بی بی نے شیر شاہ کو اپنے بیٹے جلال حاکم بہار کا نائب مقرر کیا۔ اسطرح شیر شاہ کا اثر تمام ملک بہار میں قائم ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اسنے بنگال بھی فتح کرلیا۔ جس زمانہ میں شیر شاہ بنگال میں اپنی حکومت پھیلا رہا تھا اس وقت بابر وفات پا چکا تھا۔ اور اُسکا بیٹا ہمایوں ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ ہمایوں کو شیر شاہ کی یہ باتیں ناگوار تھیں کہ بادشاہی صوبوں کو اپنی حکومت بناتا چلا جاتے لہٰذا اُسنے بھی بنگال پر شیر شاہ کے خلاف چڑھائی کردی جسمیں کامیابی شیر شاہ ہی کو ہوئی۔

اب شیر شاہ نے مالوہ اور دوسرے شاہی علاقوں پر بے دھڑک حملے کرنے شروع کردیتے۔ اور میوات پر قبضہ کرکے پنجاب و لاہور کو بھی فتح کرلیا۔ اور دِلّی پر چڑھائی کردی۔ ہمایوں کو یہاں بھی شکست ہوئی۔ اور لاہور میں آکر پناہ لی۔ شیر شاہ کا لشکر برابر ہمایوں کا تعاقب کر رہا تھا آخر کار ہمایوں اپنے بھائی کامران کو لیکر ملتان روانہ ہوا۔ دریائے سندھ سے اُتر کر ترکستان چلا گیا۔ اور شیر شاہ کو سارے ہندوستان کی بادشاہت مل گئی۔ اور بڑے انتظام سے اُس نے حکومت کی۔ آخر میں کالنجر کے راجہ سے لڑ رہا تھا کہ حقہ آتش[۵۱] سے جلکر ۹۵۲ھ ہجری میں وفات پائی لیکن اپنے مرنے سے پہلے کالنجر کے قلعہ کی فتح اور راجہ کالنجر کو گرفتار دیکھ چکا تھا۔

[۵۱] دشمن کی فوج میں اس کے ذریعہ سے آگ لگائی جاتی ہے۔

زرداد

شہنشاہ بابر کا دوست

(مسلسل قصّہ)

(۱۳)

جس دن سے زرداد سلطان احمد مرزا کے لشکر کی دیکھ بھال کر کے ایلچیوں کے ہمراہ واپس آیا اُس دن سے اس نے اپنا ہر روز کا معمول کر لیا۔ کہ بابر سے اجازت لیکر ہر روز قلعہ سے باہر جانا اور ادھر اُدھر سے سلطان احمد مرزا اور اس کی فوج کے متعلق جو خبر ملتی لے آنا۔ اسی کے ذریعے بابر اور اسکے سرداروں کو سلطان احمد مرزا اور اس کی فوج کی تباہی کا حال معلوم ہوتا۔ ایک دن زرداد اپنے اسی دورے میں مصروف تھا۔ کہ اُس نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سُنی۔ وہ درختوں کی آڑ میں چھپ گیا۔ اتنے میں اُس نے دیکھا۔ کہ درویش محمد خاں اور اُس کے ہمراہی آ رہے ہیں۔ زرداد فوراً تاڑ گیا۔ کہ ان کا آنا بے معنی نہیں۔ آخر ایک جنگجو قوم کا بچہ تھا۔ دن رات لڑائی معرکے ہوتے رہتے تھے۔ اپنے لوگوں کی عادات سے اچھی طرح واقف تھا۔ سمجھا۔ کہ یا تو یہ لوگ قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے کچھ خبریں اُڑانے آئے ہیں اور یا صلح کا پیغام لائے ہیں۔ دل ہی دل میں کچھ سوچ رستہ چلنے والے معمولی مسافروں کی طرح اُن کے قریب جا پہنچا۔ اُس کو دیکھ کر کسی کو کیا شک ہوتا۔ چھوٹی سی عمر اس پر کمزور دُبلی ڈول مگر کوئی کیا جان سکتا تھا۔ کہ اس لاغر اور کم سن بچے کے سینے میں شیر کا دل ہے۔ درویش محمد خاں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ کہ اس طرح اطلاع کے بغیر قلعے کے پاس جانا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ سلطان احمد مرزا کے سرداروں نے جو حالت بابر کے ایلچیوں کی کی تھی۔ وہ ایسی نہ تھی۔

کہ ان کو بابر کے قلعے میں جانے کا حوصلہ ہوتا۔ جو سلوک انہوں نے کیا تھا۔ وہ اسی سے ڈر رہے تھے۔ آخر صلاح یہ قرار پائی۔ کہ ایک آدمی صلح کا جھنڈا لیکر جائے۔ اور یہ عرض کرے۔ کہ بابر کی طرف سے ایلچی آجائیں۔ اور نمازگاہ میں صلح کی شرائط طے پائیں۔ زرداد یہ خبر لے کر ادھر اُدھر سرکتا ہوا نظر بچا کر اُڑ گیا۔ اور جاتے ہی بابر کو تمام کیفیت کہہ سنائی۔ بابر نے ایسے طاقتور دشمن کو اس طرح زیر ہوتے دیکھا۔ تو حیران ہو گیا۔ فوراً زمین پر گر پڑا۔ اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور وہ زمین پر پیشانی کو رگڑ رگڑ کر کہہ رہا تھا۔ کہ "خداوندا! یہ سب تیری عظمت ہے۔ مَیں کیا۔ اور میری طاقت کیا۔ اے چیونٹی کو ہاتھی پر فتح دینے والے، اس کمزور بندے کی عزّت تیرے حوالے"

اتنے میں درویش محمد خاں کا بھیجا ہوا آدمی بھی قلعہ کے دروازے پر آپہنچا۔ سرداروں نے بابر سے اجازت لیکر اسے باریابی کا حکم دیا۔ بابر جب صلح کا پیغام سُن چکا۔ تو سرداروں کو تنہائی میں لے گیا۔ اور اُن سے کہا۔ کہ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ اس وقت دشمن صلح پر آمادہ ہے۔ اور ہم جو شرط چاہیں منوا سکتے ہیں۔ وہ بے بس ہے۔ اور ہم قلعے میں محفوظ۔ مگر دیکھو وہ دشمن آخر میرا چچا ہی تو ہے۔ اگر اُس نے اپنے فرض کو بھلا دیا۔ تو یہ اس بات کے لئے کوئی وجہ نہیں۔ کہ مَیں بھی بھُول جاؤں۔ بہتر ہے۔ کہ ہم اپنا ایلچی نمازگاہ میں بھیجدیں۔ اور چچا سُلطان کی عزّت پر حرف نہ آنے دیں۔ سرداروں نے اپنے نیکدل بادشاہ کی زبان سے یہ کلمے سُنے۔ تو چپ ہو گئے اور اُس کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا۔ بابر نے حسن یعقوب نام ایک امیر کو اپنی طرف سے صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے بھیجدیا۔ زرداد بھی بادشاہ سے اجازت لے کر اس کے ہمراہیوں میں شامل ہو گیا۔ (باقی پھر)

دمرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوانچند پروپرائیٹر چھپا۔ اور دارالاشاعت ادب لطیف لاہور کیلئے سید فضل علی حسنی پبلشر نے شائع کیا۔

۷۸۶

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

جلد ۱ | اشاعت مورخہ ۲۲۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء | نمبر ۱۵

فہرست مضامین

ہم تم

بجنور سے بچوں کے لئے ایک ہفتہ وار رسالہ جاری ہوا ہے جس کے ایڈیٹر قاضی بدرالحسن صاحب جلالی بی۔اے ہیں۔ رسالہ کا نام "غنچہ" ہے۔ اور تعلیمی، تاریخی، حرفتی، اخلاقی، مقصد سرورق پر لکھے ہوئے ہیں کاغذ اور چھپائی اچھی ہے قیمت چار روپے سالانہ ہے۔ رسالہ کو دیکھکر خوشی ہوئی کہ بچوں کا بھی خیال لوگوں میں پیدا ہو چلا ہے۔ اور خدا سے دعا ہے کہ "غنچہ" اپنے مقاصد کو اچھی طرح ظاہر کر سکے۔

پہلے نمبر میں محترمی قاضی محمد جلال الدین صاحب قبلہ پروفیسر علیگڈھ کالج کی ایک رباعی خوب ہے جو ناظرین "نونہال" کے لئے نقل کی جاتی ہے؛

جاہل مت رہ، چمار، چوڑے کی طرح — عاری تہذیب سے ہوڑے کی طرح
انسان، نہ بنا تو خوب رکھ یاد جلال — پھنکوا دیا جائے گا تو کوڑے کی طرح

ان ثقیل اور سافل قافیوں کا ایسا نتیجہ خیز استعمال قاضی صاحب قبلہ ہی کا کام ہے۔

احسن القصص کے نام سے کتابوں کا ایک سلسلہ چھپنا شروع ہوا ہے اور اس کا پہلا نمبر اس وقت ہمارے سامنے ہے جناب مولوی بدرالدین صاحب سیوہاروی بی اے (علیگ) اس کتاب کے مؤلف ہیں کتاب میں بزرگان قوم کے مختصر تاریخی حالات درج ہیں۔ یہ کتاب بچوں کیلئے بہت مفید اور ضروری ہے قیمت ۶؍ ملنے کا پتہ بکینز اینڈ کمپنی تاجران کتب رسلگنج علیگڈھ

"مذہب کی باتیں" یہ چھوٹی سی تقطیع کے سینتیس صفحوں کا رسالہ ہے۔ جناب حافظ محمد انوار الحق صاحب ایم اے منشی فاضل اس کے مؤلف ہیں چونکہ جناب ممدوح ریاست بھوپال کے ناظم محکمہ تعلیم ہیں اس لئے آپنے خاص طور پر بچوں کی تعلیم عقائد کے لئے یہ رسالہ لکھا ہے اسمیں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ چھوٹے بچوں کے لئے یہ رسالہ مفید ہو سکتا ہے قیمت معلوم نہیں ملنے کا پتہ۔ محمد خاں ایم۔ اے برادرز اینڈ کو بھوپال

کوّا اور ہرن کا بچّہ

نمبر ۲

جس کھیت پر یہ لے کے گیا اس کو بدگال وان پہلے دیکھ آیا تھا وہ اک ہرن کا جال

لے پہنچا جب ہرن کے تئیں کھیت پر شغال جاتے ہی واں ہرن نے دیا منہ کو اس میں ڈال

منہ ڈالتے ہی جال میں واں پھنس گیا ہرن

واں پھڑپھڑاتا آ گیا کوّا بھی ناگہاں گیدڑ کو دے کے گالی ہرن سے کہا کہ ہاں

تڑپے مت اس میں ورنہ تو ہووے گا ناتواں کوّے کی بات سنتے ہی ہمت کو باندھ واں

جیسے کہ گر پڑا تھا وہیں پھر اٹھا ہرن

گیدڑ لگا جب آنے ہرن کی طرف جھپٹ کوّا پکارا مار تو سینگ اک جو جاوے ہٹ

یا اک کھڑی تو ایسی لگا پاؤں کی لپٹ جاوے جو اس کے لگتے ہی گیدڑ کا پیٹ پھٹ

سنتے ہی یہ تو سینگ ہلانے لگا ہرن

گیدڑ نے خوب کوّے کو دیں جل کے گالیاں صیّاد واں ہوا تھا کسی کام کو رواں

اس میں شکاری آ کے ہوا دور سے عیاں کوّا پکارا لیٹ جا دم بند کر کے ہاں

دم بند کر کے اپنا وہیں گر پڑا ہرن

(باقی آئندہ)

شہر شہری اور شہریت

پندرھواں سبق

حقوق و فرائض میں تبدیلی

اب لوگوں کو معلوم ہوگیا۔ کہ کسی شہر میں رہنا یا کسی شہری علاقے سے تعلق رکھنا ایک بڑی بات ہے۔ اور اس سے ان کی حیثیت میں بڑا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کسی کا تعلق کسی شہری علاقے سے ہو تو اس کی جان و مال کی حفاظت اس علاقے کے حاکم اور اس کی فوج کے سپرد ہو جاتی ہے۔ شروع شروع میں بھی جان و مال کا خوف اور دشمنوں سے محفوظ رہنے کا خیال تھا جس نے اس طرح اکٹھے ہو کر رہنے کی عادت ڈالی۔ اور پھر یہ عادت رفتہ رفتہ ترقی کر گئی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے۔ کہ حقوق اور فرائض کا سلسلہ جو انسان کی ترقی کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا۔

اب ایک اور صورت اختیار کرنے لگا۔ پہلے تو ایک شخص دوسرے کا کام اس لئے کرتا تھا۔ کہ دوسرا شخص اس کام کے عوض کوئی اور کام اس شخص کے لئے کرتا ہے یعنی ہر شخص اپنے فرض کو اپنی غرض کے لئے ادا کرتا تھا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کا کوئی کام نہ کرتا۔ تو اس کے لئے کوئی شخص کوئی کام نہ کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ایسا کام کوئی شخص نہیں کرتا تھا۔ جس سے اگرچہ دوسرے لوگوں کو فائدہ ہو۔ مگر اس کی ذات کو نقصان پہنچے۔

گویا ہر شخص کو ہر وقت اپنی ذاتی غرض اور ذاتی فائدے کا خیال رہتا تھا۔ مگر اب لوگ

اپنے اپنے مقررہ کام اس لئے کرتے تھے۔ کہ ان کے انجام دینے کا فرض حاکم نے ان کے سپرد کر دیا تھا۔ خواہ اس سے ان کی ذات کو فائدہ پہنچے یا نقصان۔ مثلاً ایک سپاہی جو شہر کی حفاظت کرتا تھا۔ اس کو ہمیشہ اپنی جان کا خطرہ رہتا تھا۔ مگر چونکہ شہر کی حفاظت کا کام حاکم نے اس کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ اسے کرتا تھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ اگرچہ اس کام سے اس کی جان کو خطرہ تھا۔ مگر باقی کے لوگوں کی جانیں محفوظ تھیں۔ گویا اب لوگ اپنی ذاتی غرض کے لئے کام نہ کرتے تھے۔ یعنی اپنے فرض کو محض اسے ایک فرض سمجھ کر ادا کرتے تھے۔ مگر ایسے کاموں کے لئے جن کے بدلے میں اور کوئی دُوسرا کام نہ کیا جا سکے۔ اب معاوضہ دینے کی رسم جاری ہو گئی۔ جو پہلے تو غلّوں اور دوسری جنسوں کی صورت میں ادا ہوتا رہا۔ اور بعد میں جب سونے چاندی کے سکّوں کا رواج ہو گیا۔ تو تنخواہوں کی صورت میں ادا ہونے لگا۔ یہ معاوضہ اس لئے تھا۔ کہ وہ لوگ جو خود کسی کا کام کر کے اپنا کام ان سے نہ کرا سکیں۔ لوگوں کو غلّہ اور دُوسری جنس یا روپیہ پیسے دے کر کام کرا لیں۔ یہ معاوضہ کی رسم آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئی۔ اور اسی سے مزدوری اور تنخواہ کی بُنیاد پڑ گئی۔ مگر اب لوگوں کو خود بخود ایک نئی ذمہ داری کا احساس ہونے لگا۔ اور وہ سب معاوضہ یا ذاتی فائدے کے خیال کو چھوڑ کر ایک دُوسرے کے فائدے کے لئے کام کرنے لگے۔

(باقی آئندہ)

ایڈیٹر

قحط سالی اور اسلامی بادشاہ

حضرت عمرؓ کی خلافت کا پہلا ہی سال تھا۔ کہ عرب میں ایک بڑا عظیم قحط پڑا مخلوق فاقہ کشی کی اذیت سے سخت عاجز و پریشان ہو گئی۔ حضرت عمرؓ کی بیقراری اور پریشانی اس درجہ بڑھ گئی تھی۔ کہ آپ شب و روز اس بلائے عظیم کے روکنے کے لئے ہر ایک ممکن طریقہ سے بڑی سرگرمی کے ساتھ مصروف تھے۔ مگر آپ ناکامیاب رہے۔ اور قحط کو روک نہ سکے۔ مخلوقِ خدا کی پریشانی کو دیکھ دیکھ کر آپ کی یہ حالت تھی۔ کہ تمام دن اور ساری رات خبرگیری میں اور انتظام کرنے میں صرف ہو جاتا تھا۔ ایک دن آپ شب کو جنگل کی طرف گشت میں چلے گئے۔ دیکھا کہ کہیں کہیں خیمے لگے ہوئے ہیں۔ اور لوگ آباد ہو رہے ہیں۔ کہ ایک جانب آپ کی نظر پڑی۔ اور جا کر دیکھا۔ کہ ایک بڑھی عورت ہے۔ اور اُس کی گود میں کئی بچے بیٹھے ہیں۔ مگر اُن کی حالت نہایت خراب ہے۔ مگر چہرہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ کسی اُمید کے سہارے وہ دم بخود بیٹھے ہیں۔ اور ایک طرف کو چُولھے پر دیگ چڑھی ہُوئی ہے۔ اور اُس میں کچھ پک رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کو قحط کا ملال جاتا رہا۔ اور دل میں آپ نے خیال فرمایا۔ کہ اب قحط کم ہو چلا ہے۔ سامان خور و نوش لوگوں کو میسّر آنے لگا۔ آپ آگے بڑھے اور اُسی ضعیفہ سے دریافت فرمایا۔ کہ اب تو قحط کی شکایت کم ہو چلی ہے۔ خدا نے چاہا۔ تو جلد سب خوشحال

ہوجائینگے۔ اس دیگ میں کیا چیز پک رہی ہے۔

اُس ضعیفہ نے آپ کے کلمات سُنے۔ اور زارو قطار رونے لگی۔ اب حضرت عُمرؓ کی یہ حالت تھی۔ کہ آپ تعجب میں آ گئے۔ کہ یا الٰہی اس کو میری وجہ سے کیا تکلیف پہنچی۔

اُس ضعیفہ کو آپ نے اطمینان دِلایا۔ اور دریافت فرمایا۔ کہ آخر اس رونے کا سبب کیا ہے مجھے بتلاؤ؟

ضعیفہ نے ایک سرد آہ کھینچی۔ اور کہا۔ کہ اے مردِ خدا تجھ کو یہ خیال ہُوا۔ کہ اس میں کوئی شے کھانے کی پک رہی ہے۔ اس میں صرف پانی مَیں نے چڑھا دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ خورد سال معصوم بچے آج تین دن سے بھُوک کے صدمہ سے خاک پر تڑپ رہے رہے ہیں۔ مجھ سے ان کی یہ پریشانی نہ دیکھی گئی۔ تو مجبوراً میں کو اُن کو تسلّی دینے کے لئے یہ بہانہ کیا ہے۔ مَیں نے خالی پانی چڑھا دیا ہے۔ کہ بچّو ذرا دم لو۔ ابھی کھانا پکا جاتا ہے اور مَیں تم کو کھلاتی ہوں۔

حضرت عمرؓ کا یہ سُننا تھا۔ کہ آپ نے بے اختیار رونا شروع کیا۔ اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔ اُسی وقت آپ بازار پہنچے۔ اور کافی مقدار میں کھانے پینے کا سامان اپنے سر پر رکھ کر لائے۔ اور خود چُولھے کو پھُونک پھُونک کر کھانا پکانے میں مصروف ہُوئے۔ اس وقت آپ کے چہرۂ مُبارک کی یہ حالت تھی۔ کہ دھوئیں اور آگ کی وجہ سے سُرخ ہو رہا تھا۔ مگر آپ نے مطلق کسی تکلیف کی پروا نہ فرمائی۔ اور کھانا پکا کر بچّوں کو کھلایا۔ جب بچّے کھانا کھا چکے تو اُن کے چہروں سے خوشی اور اطمینان کے آثار چمک اُٹھے۔ ضعیفہ نے حضرت عمرؓ کو بہت دُعائیں دیں۔

محمد داؤد

احسان کا قید خانہ

ایک بادشاہ کا سپہ سالار بڑا عقلمند اور بہادر تھا۔ اُس پر بادشاہ کو ایسا اعتبار تھا کہ سلطنت کا تمام کام اُسی پر چھوڑ رکھا تھا۔ اُس نے تمام سلطنت کے کاروبار میں اختیار حاصل کر کے چاہا۔ کہ بادشاہ کو مار ڈالے۔ اور آپ بادشاہ بن جائے۔ اور چپکے چپکے اس کا انتظام بھی کرنا شروع کر دیا۔ بادشاہ کو جب اُس کا یہ ارادہ معلوم ہُوا۔ تو بہت گھبرایا۔ اور اپنے وزیروں مشیروں کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ کہ اس بلا کو کس طرح دفع کرنا چاہیے۔ سب نے یہی صلاح دی۔ کہ اس نمکحرام کو جس طرح ہو۔ قید کر دینا چاہیے۔ بادشاہ نے یہ رائے بہت پسند کی۔ اور یہ کہکر سب کو رخصت کیا۔ کہ ایسا ہی کرونگا۔ دوسرے دن بادشاہ نے سپہ سالار کو بلایا۔ اور اُسکی خدمتوں کی بہت تعریف کی۔ اُسکے انتظام پر پورا اعتبار ظاہر کیا۔ اور اُس کو امیر الامرا کا خطاب۔ بہت سا انعام و اکرام بھاری قیمتی خلعت اور بڑی جاگیر دیکر رخصت کیا۔ وزیروں امیروں نے بادشاہ سے اس اُلٹی کارروائی کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے کہا۔ مَیں نے تو وہی کیا جو تم سب نے کہا تھا۔ سب بولے ہم نے تو قید کرنیکی رائے دی۔ بادشاہ نے فرمایا مَیں نے تو اُسے ایسی قید میں قید کیا۔ جس سے وہ کبھی نکل نہیں سکتا۔ فرض کرو۔ اگر مَیں ہتھکڑیاں بیڑیاں ڈالکر جیلخانے بھیجتا۔ تو ممکن تھا کہ پہرے والوں سے مل ملا ہتھکڑیاں بیڑیاں کٹوا ڈالتا۔ مَیں نے سوچا۔ کہ اسکو ایسے قید خانے میں بند کرنا چاہیے جہاں سے زندگی بھر نکل ہی نہ سکے۔ اسلئے مَیں نے اُسے احسان کے قید خانے میں قید کیا ہے۔ امید ہے کہ وہ اب اُس میں ہمیشہ پھنسا رہیگا اور پھر میرے ساتھ کبھی دشمنی نہ کریگا۔ سب نے بادشاہ کی اس تدبیر کی بہت تعریف کی۔ کہتے ہیں کہ پھر وہ سپہ سالار تمام عمر بادشاہ کا فرمانبردار رہا۔

افتخار الرسول بدر

نیکی

لوگ زمانہ قدیم سے کہتے چلے آئے ہیں۔
اور یہ ایک مشہور مقولہ ہے۔ کہ
آدمی مر جاتا ہے۔"لیکن اُس کی نیکی ہمیشہ زندہ
رہتی ہے" اگر تم اس پر غور کرو گے۔ تو تُمہیں
اس کی سچائی میں کوئی شبہ نہ رہ جائیگا۔ کہ آدمی
کے نیک کام کبھی نہیں مرتے۔ بلکہ وہ اپنے
ساتھ ساتھ اُس مرنے والے کو بھی زندہ رکھتے
ہیں۔ جس نے یہ نیکی کی ہے۔
آج تم سینکڑوں برس پہلے گذرے ہُوئے
لوگوں کا نام عزّت کے ساتھ لیتے ہو۔ اور جن
کی عظمت تُمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تُم اُنکی سوانحعمری
(زندگی کے حالات) پڑھو۔ تو تُمہیں معلوم ہو
جائیگا۔ کہ اُن کی اس عزّت وعظمت کا باعث
صرف اُن کی نیکی ہے۔ جو اُنہوں نے اپنی
زندگی میں دوسروں کے لئے کی تھی۔

دیکھو آج "حاتم طائی" کو مرے ہُوئے
چودہ سو برس گذر چکے ہیں۔ یعنی حضرت
محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی
پہلے عرب میں پیدا ہُوئے تھے۔ لیکن آج
بھی اُن کے نام سے بچّہ بچّہ واقف ہے۔ اور
اُن کی فیاضی اور نیکی کے قصّے قریب قریب
دُنیا کی ہر زبان میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ جو اُن
کو قیامت تک زندہ رکھیں گے۔
اسی طرح پیرس کے ایک مشہور کروڑپتی
موسیو شارو نے (جس کو انتقال کئے ہُوئے
ابھی تھوڑا عرصہ ہُوا ہے) مرتے وقت اپنا
کروڑوں روپیہ غریبوں اور ضرورتمندوں میں
اس طرح تقسیم کر دیا۔ کہ تمام دُنیا کے لوگ اُسے
سُن کر دنگ ہو گئے۔ اور ہر طرف اسکی فیاضی
اور وطن پرستی کے چرچے ہونے لگے۔

موسیو شارو "پیرس" میں کپڑوں کا سب سے بڑا تاجر تھا۔ اس نے تنہا اپنی قوتِ بازو سے کروڑوں روپیہ پیدا کیا تھا۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدے دار اس کے مقروض رہا کرتے تھے۔ پریسیڈنٹ لوبے سے اس سے بے تکلفانہ دوستی تھی۔

چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اِس لئے جب یہ بیمار ہؤا اور اُس کو اپنی موت کا یقین ہوگیا۔ تو اُس نے جن لوگوں کو حقدار یا ضرورتمند سمجھا۔ اُن کے نام الگ الگ رقمیں لکھادیں کہ میرے مرنے کے بعد میری دولت میں سے اُن کو اتنا اتنا دیدیا جائے۔ چنانچہ ذیل میں اُن لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ جن کو اُس نے روپیہ دِئے جانے کی وصیّت کی تھی۔

اپنے کارخانے میں کام کرنے والے مزدوروں کو ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ یعنی اٹھارہ لاکھ روپیہ دیا۔ اور اپنے ایک دوست اور مُلک کے مشہور عقلمند جارج لیگ کو چار لاکھ اسّی ہزار پونڈ اور اُن کی بیوی کو چالیس ہزار پونڈ اور اُن کے دونوں لڑکوں کو چالیس چالیس ہزار پونڈ دِئے۔

پیرس سے ایک اخبار نکلتا ہے۔ جس کا نام "فگارو" ہے۔ یہ اخبار اسے بہت پسند تھا۔ اس لئے اس کے ایڈیٹر کو اسّی ہزار پونڈ دینے کا حکم دیا۔

اسی طرح اس نے پیرس کے غریبوں کے لئے آٹھ ہزار پونڈ اور دوسرے خیراتی کاموں میں ایسی ایسی اور کئی رقمیں وقف کیں۔ ایک شریف عورت میڈم بورسین کے لئے یہ حکم دیا۔ کہ یہ تمام روپیہ تقسیم ہوجانے کے بعد جو کچھ بچے۔ وہ اُس کو دے دیا جائے۔ چنانچہ جب وہ مرگیا۔ اور اُس کا جنازہ اُٹھایا گیا۔ تو اس شریف عورت نے بھی پیرس کے

غریبوں اور محتاجوں کے لئے چالیس ہزار پونڈ وقف کئے۔

کہتے ہیں۔کہ اس کا جنازہ اس دھوم دھام سے اُٹھایا گیا تھا۔کہ پیرس میں کبھی کسی کا جنازہ اس شان وشوکت سے نہ نکلا ہوگا۔اس نے اپنے مرنے سے پہلے ہی اپنے گور وکفن کا پُورا سامان کرلیا تھا۔اس لئے مرنے کے بعد اس کے سامان کرنے میں کسی کو کوئی تکلیف نہ اُٹھانا پڑی۔

بچّو! دیکھو جب تک یہ زندہ رہا اپنے خاندان اور مُلک کے غریب آدمیوں کی مدد کرتا رہا۔اور مرتے مرتے اپنے مُلک کے غریب آدمیوں اور حق داروں کے ساتھ سلوک کر گیا جسے دُنیا کے لوگ قیامت تک یاد کرتے رہیں گے۔اور اس کے نام کو ہمیشہ عزّت کے ساتھ لیں گے۔

برخلاف اس کے بہت سے آدمی روپیہ پاکر مغرور ہو جاتے ہیں۔اور اپنے غریب اور کمزور بھائیوں کو تکلیفیں پہنچانے لگتے ہیں۔جس سے خدا بھی ناراض ہوتا ہے۔اور لوگوں کے دِل بھی اُنہیں بددُعا دیتے ہیں اور ان کے مرنے کے بعد اُنہیں نہایت بُرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔

اس لئے تُم اس سے سبق لو۔اور جب خُدا تُمہیں روپیہ دے۔تو اپنے خاندان، محلے اور شہر کے غریب اور مستحق لوگوں کو نہ بھولنا۔کیونکہ اس دُنیا میں کسی کے کام آجانا یہی حقیقی زندگی اور اصلی خوشی ہے۔یہ زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔کہ جب بھوک معلوم ہُوئی تو کھالیا۔رات آئی تو سو رہے۔اور صبح ہُوئی تو اُٹھ بیٹھے۔عزیز بچّو! یہ زندگی تو جانوروں کی زندگی ہے۔

سیّد ابو محمد ثاقب کانپوری

فردوسی

فردوسی کے نام سے سب واقف ہونگے۔ یہ ایک مشہور فارسی شاعر گذرا ہے۔ اس کا ایک واقعہ لکھتا ہوں۔ امید ہے کہ دلچسپ ہوگا۔

سلطان محمود جب تخت نشین ہوا۔ تو اُس کو ہر وقت یہ خیال ستاتا تھا۔ کہ وُہ قدیم ایران کے حالات نظم میں کسی شاعر سے لکھواتے آخر اُس نے اشتہار دیا۔ کہ جو شاعر ایران کے قدیم حالات کو دلچسپ پیرائے میں شعروں کا جامہ پہنائے۔ اُسے ہر شعر کی قیمت ایک اشرفی دی جائیگی۔ خواہ وہ شعر ہزار ہوں یا لاکھ۔

اشتہار بہت سے شاعروں نے دیکھا مگر کسی کی جُرائت نہ ہوئی۔ آخر فردوسی نے اس کام میں کمر باندھی۔ اور کام شروع کیا۔ اس نے دوسرے کام چھوڑ دئے۔ اور اس دُھن میں لگا۔ پُورے تیس سال کے بعد وہ اس کام سے فارغ ہُوا۔ اور ساٹھ ہزار اشعار کی ایک بڑی کتاب تیار کی۔ اُسکا نام شاہنامہ رکھا۔ آج یہ کتاب دُنیا کی معتبر اور مشہور کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

فردوسی نے شاہنامہ سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ اسے بار بار پڑھتے اور دوسروں سے پڑھواتے۔

یہ تو دُنیا کا قانون ہے۔ کہ ہر شخص کے حاسد ہوتے ہیں۔ سلطان کے وزیر درباری فردوسی کے حاسد بن گئے۔ اُنہوں نے سلطان کے کان میں یہ بات ڈالی۔ اور انہیں سمجھایا بجھایا۔ کہ اگر ساٹھ ہزار اشرفیاں فردوسی کو دی جائیں۔ تو خزانہ خالی ہو جائیگا۔ بہتر یہ ہے

کہ ساٹھ ہزار درم (چاندی کا سکّہ) دیتے جائیں سلطان کی نیّت بھی بدل گئی۔ اور اُسے لالچ نے گھیرا۔ آخر اُس نے حکم دیا۔ کہ فردوسی کو ساٹھ ہزار درم دیتے جائیں۔ یہ سُنتے ہی فردوسی کا دِل ٹُوٹ گیا۔ وُہ بہت ناراض ہُوا۔ اور وہ یہ رقم لینے سے انکار کرنا چاہتا تھا۔ مگر پھر اُس نے دل میں سوچا۔ کہ اِس وقت انکار کرنا ٹھیک نہیں۔ اُس نے ایک تدبیر نکالی۔ اور سلطان سے کہا۔ کہ مَیں اپنے مُلک کو جانا چاہتا ہوں۔ اگر مَیں اتنی رقم ساتھ لے جاؤنگا۔ تو میرے جان کا خوف ہے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ میرے جانے کے چند روز بعد آپ یہ رقم روانہ کیجئے۔ سلطان نے اس بات کو منظور کرلیا۔

فردوسی گھر پُہنچا۔ اور تین سو ساٹھ اشعار کی ایک کتاب لکھی۔ پہلی کتاب شاہ نامہ میں فردوسی نے محمود کی تعریف اور فیاضیوں کا حال لکھا تھا۔ مگر اب کے اس میں محمود کی بُرائی بیان کی۔ فردوسی نے اس کتاب کے ایک شعر میں سلطان کا لونڈی زادہ ہونا بیان کیا۔

فردوسی یہ کتاب لِکھ کر منتظر رہا۔ کہ جب لوگ وہ رقم لے کر آئیں۔ اُن کے ساتھ یہ کتاب سلطان محمود کو بھیج دے۔

جب لوگ درم لیکر فردوسی کے پاس پُہنچے۔ تو فردوسی نے اُن کی اچھی طرح خاطر تواضع کی۔ اُن کے جانے کے وقت اُس نے وُہ رقم بھی واپس کردی۔ اور وہ نئی کتاب بھی محمود کے لئے اُن لوگوں کو دے دِی۔

جب وہ لوگ غزنی واپس آئے۔ تو اُنہوں نے تمام قصّہ کہہ سُنایا۔ اور وہ کتاب محمود کے پاس پیش کی۔ محمود اسے پڑھ کر بہت غمگین ہُوا۔ اور دل ہی دِل میں جلا۔ مگر اب وہ کیا کر سکتا تھا۔ کیونکہ فردوسی اس کے مُلک سے

باہر تھا۔

محمود تمام عمر اپنے کئے پر بہت ہی نادم اور پشیمان رہا۔ اور پھر حکم دیا۔ کہ ساٹھ ہزار اشرفیاں اُونٹوں پر لاد کر فردوسی کے ہاں پہنچاؤ۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔ کئی اونٹ اشرفیوں سے بھرے ہُوئے فردوسی کے وطن کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر افسوس کہ اشرفیاں پُہنچنے سے پہلے فردوسی موت کا شکار ہو گیا تھا۔ ایک دروازے سے اُونٹ شہر میں داخل ہُوئے۔ تو دوسرے دروازہ سے فردوسی کا شاندار جنازہ قبرستان جانے کے لئے باہر نکلا۔

اب فردوسی کے گھر صرف اس کی ایک اکلوتی بیٹی تھی۔ اُس نے اشرفیاں رکھ لیں۔ اور اپنے باپ کی یادگار میں اپنے گاؤں میں ان اشرفیوں سے ایک نہر بنوائی۔ تاکہ لوگوں کو صاف ستھرا اور میٹھا پانی میسّر ہو سکے۔ فردوسی کے گاؤں میں پانی کی بڑی دِقّت تھی۔ اِس لئے اُس نے اِن اشرفیوں سے خلقِ خُدا کی یہ ضرورت پوری کی۔ اور ہمیشہ کے لئے فردوسی کی یاد کو تازہ کر دیا۔

محمد بشیر الدین

بے تکی بات کا جواب خاموشی ہے

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ جو اکبر بادشاہ کا پرپوتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کے پاس گیا۔ یہ صاحب بیمار تھے۔ اور بادشاہ سلامت اُس کی عیادت کے لئے گئے تھے کچھ دیر بیٹھنے کے بعد دیندار بادشاہ نے کہا۔ "آپکو لازم ہے کہ خُدا کا شُکر کریں"۔ اُنھوں نے کہا "خوب کیا آپکو نہیں معلوم کہ خدا فرماتا ہے۔ جس چیز کا بندہ شکر کرتا ہے۔ ہم وہ چیز بندہ کو اور زیادہ دیتے ہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں۔ کہ مَیں عرصے تک بیمار رہوں"۔ عالمگیر یہ سُنکر خاموش ہو رہا اور چلا آیا۔

(مطلوب حسین)

زرداد

شہنشاہِ بابر کا دوست

(مسلسل قصّہ)

(۱۵)

اللہ کی شان! بارہ برس کے بچّے میں باپ کا سایہ اُٹھتے ہی یہ ہمّت و فراست پیدا ہو گئی کہ سلطان احمد مرزا اور محمود خاں جیسے جرّار بادشاہوں کو پسپا ہونا پڑا۔ اسے اگر شاہی اقبال ہی کہا جائے۔ تو درست ہے۔ ورنہ بابر کی کیا بساط تھی۔ کہ وہ اپنے چچا اور ماموں جیسے بہادر اور شان و شوکت والے بادشاہوں سے لڑ سکتا۔ لیکن ابھی اقبال کو بابر کی ہمّت اور آزمائش کرنی تھی۔ ابھی محمود خاں کی واپسی ہی کی خبر پہنچی تھی۔ کہ ابوبکر مرزا درغلات کاشغر کے حاکم نے ارکند کے راستے آ کر فرغانہ کے مشرقی علاقے کے قریب ڈیرے ڈال دئیے

ابوبکر مرزا کا خاندان بابر کے خانداں کا احسانمند تھا۔ بلکہ کاشغر کی حکمرانی بھی اس کو بابر کے چچا کی بدولت ہاتھ آئی تھی۔ مگر دولت کی ہوس اور دُنیا کا لالچ انسان کے دل سے سب احسانوں کو بُھلا دیتا ہے حقیقت میں بابر کو کم سن اور نادان دیکھ کر اپنے پرائے سب کے مُنہ میں پانی بھر آیا تھا۔ سب نے باری باری اپنی قسمت آزمانے کی کوشش کی۔ ابوبکر مرزا اگرچہ سلطان احمد مرزا اور محمود خاں کا انجام دیکھ چکا تھا۔ مگر اُسے خیال تھا۔ کہ آخر وہ چچا اور ماموں ہی تھے۔ بابر پر رحم کھا کر واپس ہو گئے۔ ادھر ان دونوں کی پسپائی نے

بابر کے حوصلے بلند کر رکھے تھے۔ اُسے
یقین تھا۔ کہ خُدا میرے ساتھ ہے۔ ابوبکر
مرزا کے حملے کی خبر سُنکر فوراً قلعہ چھوڑ باہر
آگیا۔ اور پھر لشکر کو ترتیب دے کر اُس نے
کچھ ایسی پھُرتی اور چالاکی سے حملہ کیا۔ کہ
ابوبکر مرزا کے اوسان خطا ہو گئے۔ کہاں
اسے یہ خیال تھا۔ کہ اس کے حملہ کی خبر سُنتے
ہی بابر ہار مان لیگا۔ اور اس کا باجگذار حاکم
بننے کو ہی غنیمت سمجھیگا۔ کہاں اُس نے
ناگہاں یہ دیکھا کہ بابر کے جان نثار اور
وفادار سپاہی اس پر بپھرے ہوتے شیروں
کی طرح آگرجے۔ حیران ہوگیا۔ آخر اسی میں
خیر دیکھی۔ کہ صلح کی درخواست کرے۔ اور اپنے
جرم سے توبہ کرے۔ بابر کی ہمّت اور اُس
کے سپاہیوں کی شجاعت کے سامنے سب
مشکلات آسان ہو رہی تھیں۔ مگر بابر ان
فتوحات سے مغرور نہ ہوتا تھا۔ بلکہ زمین پر
ماتھے کو رگڑ رگڑ کر خُدا کا شُکر ادا کرتا تھا۔
بابر نے ابوبکر مرزا سے جرمانے کے طور پر
بہت سے گھوڑے ہر قسم کے سامانِ جنگ
کی ایک بڑی مقدار اور زر و جواہر وصول
کئے۔ اور اسے واپس ہونے کی اجازت
دی۔ وُہ چاہتا تو اُس کو قتل کر کے اس کے
مُلک پر قبضہ کر لیتا۔ مگر ابھی تو اُسے اپنے باپ
کی چھوڑی ہُوئی سلطنت کو بچانا ہی مشکل ہو رہا
تھا۔ دوسروں کے علاقوں کی خاک فکر کرتا۔
اب بابر اپنے لشکر کے ساتھ فرغانہ چلا۔ کہ
وہاں جا کر باضابطہ تخت نشینی کا جشن منائے۔
مگر چلنے سے پہلے اس نے حسن یعقوب کو
ایک وفادار اور نمک حلال سردار سمجھ کر
اس کی خدمت کے بدلے میں اندجان کا
حاکم مقرر کر دیا۔

(باقی آئندہ)

ایڈیٹر

[illegible]

قیمت سالانہ چھ روپے ۔/۶ عہ

قیمت ششماہی چار روپے فی پرچہ ۲ ؎

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی ۔ اے (علیگ)

جلد ۱ اشاعت مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۲ء نمبر ۲۲

فہرست مضامین

دلچسپ خبریں

آنریبل ڈاکٹر تیج بہادر سپرو جو حکومت ہند کے وزیر قانون تھے۔ حضور وائسرائے بہادر کی کونسل سے بوجہ علالت مستعفی ہو گئے ہیں آنریبل سر میاں محمد شفیع جو لاہور کے ایک مشہور معزز و صاحب فضیلت خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جو اب تک وزیر تعلیم کے عہدے پر ممتاز تھے۔ ان کی جگہ پر مقرر کئے گئے ہیں۔

حضور گورنر بہادر پنجاب آجکل صوبہ کے دورہ میں مصروف ہیں۔

اٹلی میں ایک شخص لپوپی نامی نے نو گھنٹے ۱۵ منٹ اور ۳۷ سیکنڈ میں ساڑھے باسٹھ میل کا سفر پا پیادہ چل کر ختم کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت تک کسی نے اتنا سفر اتنے وقت میں پا پیادہ طے نہیں کیا۔

لارڈ ہارڈنگ جو ایک زمانہ میں ہندوستان کے وائسرائے رہ چکے ہیں۔ ایک عرصے سے ملک فرانس میں برطانوی سفیر کے عہدے پر ممتاز تھے۔ اب وہ اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اور ان کی جگہ لارڈ کریو جو ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۵ء تک اعلیٰحضرت ملک معظم کے وزیر ہند رہے ہیں مقرر کئے گئے ہیں

جنگ یورپ کا جرمنی کے سکے کی قیمت پر کیا اثر ہوا۔ اس کا اندازہ شاید اس امر سے لگ سکتا ہے۔ کہ جنگ سے پہلے جرمن مارک کی قیمت قریباً ۲۵½ پونڈ تھی اور اب ایک پونڈ میں ۲۸۵۰۰ مارک ملتے ہیں

بوائے اسکاؤٹس کا گیت

ہم بھارت ماتا کی سیوا میں تن من دھن کو لگا دیں گے
ہم کیسے جواں ہیں بھارت کے یہ دُنیا کو دکھلا دیں گے
بھارت کی کریں گے خدمت ہم ظالم کے نہیں ہیں حامی ہم
ہیں امن و اماں کے پیامی ہم، عالم سے نفاق مٹا دیں گے
جب دُنیا کو کچھ غم ہوں گے، غمخوار جہاں میں کم ہوں گے
دُکھ درد کے ساتھی ہم ہوں گے، غم سارے جہاں کا مٹا دینگے
امداد کی حاجت ہو گی اگر، امداد کو جائیں گے گھر گھر
تسکین اُداسی میں دیکر، ہم روتوں کو بھی ہنسا دیں گے
ہر دل میں کریں گے اپنا گھر، ہیں ہم تو محبت کے پیکر
ہر کونے کونے میں جا کر، ہم پریم کے راگ سُنا دیں گے
دُکھ میں بھی نہ رونے دیں گے ہم، مایوس نہ ہونے دینگے ہم
غفلت میں نہ سونے دینگے ہم، سوتوں کو جا کے جگا دینگے
جب رنج میں تم کو پائیں گے، ہم رنج مٹانے آئیں گے
پھر تم کو ہنسا کر جائیں گے جب در پہ تمہارے صدا دینگے

ہم نفس کو اپنے ماریں گے، ہم جوش دلوں میں اُبھاریں گے
جب جے بھارت کی پکاریں گے، اِک شور جہاں میں اُٹھا دینگے
جب کوئی مسافر پائیں گے، ہم اُس کے ناز اُٹھائینگے
سب گھر کے چین بھُلائینگے، پردیس کو دیس بنا دیں گے
کشتی جو بھنور میں پائیں گے، طوفان کا جوش مٹائیں گے
ہم ڈوبیں گے، مرجائیں گے، پر بیڑا پار لگا دیں گے

حامد اللہ افسر
(از نقیب)

والیِ ریاست فرید کوٹ، واقع پنجاب کی محترم و بزرگ پردادی صاحبہ کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ان کی عمر ایک سو چار برس کی تھی۔ اور وہ اپنی عمر میں ریاست کے چھ والیانِ حکومت کی تاجپوشی دیکھ چکی تھیں۔

سلسلہ کوہ ہمالیہ کی سب سے بلند چوٹی مونٹ ایورسٹ کی تصاویر بذریعہ سینیمٹوگراف لیگئی ہیں۔ غالباً یہ پہلی دفعہ ہے کہ تبت اور ہمالیہ کے ان بلند کوہستانی علاقوں کی تصاویر اس طریق سے حاصل کی گئی ہیں۔ اہل مغرب کے لئے خصوصاً اور دُنیا کے لئے عموماً یہ تصاویر بہت دلکش ثابت ہونگی۔

زمین کی سرگذشت

(۲)

سر اسحاق نیوٹن نے تو سیب کو زمین پر گرتے دیکھ کر یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ زمین میں کوئی نہ کوئی کشش ایسی ہے۔ جو چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مگر اس کے ایک پیرو نے جس کا نام ہرشل تھا۔ اپنی تمام عمر اسی کشش کی اصلیّت دریافت کرنے میں صرف کر دی۔ وہ دن رات بڑی بڑی دور بینیں لیے پھرتا رہتا۔ یہی وہ شخص ہے۔ جس نے آسمان پر چمکنے والے ستاروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو دریافت کیا۔

وہ کہا کرتا تھا۔ کہ آسمان ایک ایسے باغ کی مانند ہے۔ جس میں طرح طرح کے پھل پھول اور پودے موجود ہوں اور جو اپنی ترقی کی مختلف منزلیں طے کر رہے ہیں۔ ایک شفاف بادل کو ایک روشن اور بڑا ستارہ بننے کے لئے قریب قریب ویسی ہی ترقی کرنی پڑتی ہے۔ جیسی کہ ایک چھوٹی سی کلی کو ایک خوبصورت پھول بننے کے لئے یا ایک چھوٹے سے پودے کو ایک خوشنما اور بڑا درخت بننے کے لئے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح زمین کی اندرونی کشش پھولوں اور پودوں کو زمین کے ساتھ وابستہ رکھتی ہے۔ اُسی طرح آسمانوں پر بھی یعنی ان شفاف اجسام میں بھی ایک کشش موجود ہے۔ جو ان کو خاص خاص فاصلوں پر قائم اور ایک دوسرے

سے وابستہ رکھتی ہے۔ گویا اس نے نظام شمسی کی اس کشش کا راز دریافت کیا جسکی وجہ سے تمام سیارے قائم ہیں۔ اور معیّنہ فاصلوں پر رہ کر گردش کرتے ہیں۔ حقیقت میں دُنیا میں کوئی چیز ساکن نہیں ہر شے ہر وقت حرکت کرتی رہتی ہے۔ اگر کوئی کشش ان بڑے سیاروں کو کھینچے ہوئے نہ رکھتی۔ تو یقیناً یہ حرکت سے آپس میں ٹکرا جاتے۔ اور دُنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ بس دُنیا کے قیام کے لئے جیسے حرکت ضروری ہے۔ ویسے ہی یہ کشش بھی لازمی ہے۔ تاہم فضا ایسے چھوٹے چھوٹے اجسام سے بھری ہوئی ہے۔ جن کو انسان خوردبین کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ اور جو ہر وقت حرکت میں رہتے ہیں۔ اور بعض اوقات آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ ٹکر سے رگڑ پیدا ہوتی ہے۔ اور رگڑ کا لازمی نتیجہ گرمی ہے۔ دیاسلائی کو جب جلاتے ہو۔ تو اُسے کسی چیز سے رگڑتے ہو۔ اس رگڑ سے اتنی حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو دیاسلائی کو جلا سکے۔ یہ تو تم جانتے ہو۔ کہ رگڑ کے لئے حرکت کی سب سے پہلے ضرورت ہے۔ اگر تُم نے ان باتوں کو یعنی حرکت، کشش، رگڑ اور حرارت کے ان سیدھے سادے اصولوں کو سمجھ لیا ہے۔ تو تمھارے لئے زمین کی سرگذشت کا سمجھ لینا مشکل نہ ہوگا۔

(باقی پھر)

ایڈیٹر

اعلیٰ حضرت شاہِ ایران یورپ کی سیر کے بعد واپس تشریف لے آئے ہیں۔

حواسِ خمسہ ظاہری

اُردو زبان کا ایک فصیح محاورہ ہے۔ اور ہماری اکثر بہنیں آئے دِن بولتی رہتی ہیں کہ "اُس کے حواس تو بجا نہیں رہے" "ہمارے حواس تو ٹھکانے نہیں"۔ "ذرا حواس تو درست کرو"۔ "تمہارے تو حواس جاتے رہے" وغیرہ لیکن غالباً بہت کم بہنوں نے کبھی غور کیا ہوگا۔ کہ یہ چار حرفی لفظ جو ہماری زبان پر بے تکلف جاری ہے۔ اور خانگی سیاست کا ایک جزو بن گیا ہے۔ اس کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اور اس کے معنی کیا ہیں۔ یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ کوئی اصطلاحی لفظ ہے یا معمولی۔ اچھا آؤ ہم بتائیں۔ اور مختصر مگر جامع عبارت میں اس کی بابت سمجھائیں۔

حواس اصل میں حاسہ کی جمع ہے۔ اور ایک اصطلاحی عربی زبان کا لفظ ہے۔ سین مہملہ کی تشدید کے ساتھ حاسہ ایک قوت کا نام ہے۔ جس سے کسی چیز کی حس یعنی علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اُس کا اثر معلوم کیا جاتا ہے۔ حاسہ کو علم طبعیات میں مدرکہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی دس قسمیں ہیں۔ پانچ ظاہری اور پانچ باطنی اور ان کو حواس خمسہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

دُنیا کی بڑی بڑی زبانوں میں علم طبعیات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں ان کا بہت تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ لیکن ہم اس وقت نہایت اختصار کے ساتھ

چند بہت معمولی معلومات پہنچانا کافی سمجھتے ہیں۔ اور انشاء اللہ آئندہ کبھی مزید وضاحت سے لکھیں گے۔

حواس خمسہ ظاہری کی پہلی قسم باصرہ ہے۔ جس سے ہماری آنکھیں دُنیا کی جاندار و غیر جاندار مخلوقات کی صورتوں اور شکلوں، رنگوں کا اختلاف دیکھتی بھالتی اور معلوم کرتی ہیں۔ اس کی حکماء کے نزدیک تین قسمیں ہیں۔

دوسری قوت سامعہ ہے۔ جس سے ہمارے کان مختلف چیزوں کی آواز کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اور ہر چیز کی آواز میں امتیاز کرتے ہیں۔ مثلاً برتنوں کی جھنکار گھنٹہ کی ٹن ٹن، بادل کی گرج، بجلی کی کڑک، باجوں کی آوازیں، جانوروں کی بولیاں، آدمیوں کی بول چال۔

تیسری قوت شامہ ہے۔ (سیم کی تشدید کے ساتھ) اس کے ذریعہ سے اشیاء کی خوشبو، بدبو ناک کی راہ سے دریافت ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً باغ میں پہنچکر پھولوں کی خوشبوئیں جب ہمارے دماغ میں پہنچتی ہیں۔ تو ہم فوراً ایک قسم کی فرحت پاتے ہیں۔ پھر گلاب، چنبیلی، جوہی۔ بیلا۔ مولسری سب پھولوں کی خوشبوئیں جُدا جُدا سمجھ میں آجاتی ہیں اور سبزہ کی بدبو خراب اور سڑی ہوئی چیز کی بدبو سے دماغ فوراً پریشان ہوجاتا ہے۔ یہ اثر اسی قوّتِ شامّہ کی مدد سے حاصل ہوتا ہے۔

چوتھی قوت ذائقہ ہے۔ جو خُدا کی طرف سے زبان میں رکھی گئی ہے۔ اس کی بدولت ہم فوراً کھانے پینے کی چیزوں کا مزہ معلوم کرلیتے ہیں۔ مثلاً نارنگی کھٹی۔ شکر میٹھی۔ ہڑ پھیکی۔ بادام سوندھا۔ اور نیم کڑوا ہے سالن نمکین سلونا وغیرہ وغیرہ اسی قوتِ ذائقہ

سے پہچانے جاتے ہیں۔

پانچویں قوت لامسہ ہے۔ جو ہمارے تمام جسم کی جلد میں اور انگلیوں کے اوپر کے پوروں میں خاصکر کلمہ والی انگلی کے سرے والے پوروں میں زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے ہر چیز کو چھوکر ہم اُس کی سختی و نرمی اور گرمی و سردی وغیرہ بآسانی معلوم کر لیتے ہیں اُسی انگلی پر کچھ موقوف نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے جسم کے کسی حصّہ سے بھی ذرا کوئی شے چھو جائے پس ہم کو فوراً معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ چیز گرم تھی یا سرد۔ نرم تھی یا سخت۔

اگر کبھی کسی عارضہ یا بیماری کی وجہ سے ان پانچوں قوتوں میں سے کسی ایک کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ اور کبھی بالکل جاتا رہتا ہے تو ایسی حالت میں انسان کو سخت تکلیف اُٹھانا پڑتی ہے۔ اور زندگی انتہا درجہ کی بدمزہ ہو جاتی ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ اندھے ہوتے ہیں۔ یعنی آنکھیں تو موجود ہوتی ہیں۔ مگر قوتِ باصرہ جس کو بینائی بھی کہتے ہیں۔ جاتی رہتی ہے اور اندھے کسی چیز کے حُسن، خوبصورتی و بدصورتی کے مشاہدہ اور اثر سے محروم ہو جاتے ہیں اسی طرح جو لوگ بہرے ہوتے ہیں۔ وہ بھی ایک بڑی نعمت سے ناآشنا ہو جاتے ہیں۔ پیانو اور ہارمونیم، گراموفون وغیرہ ایسے ایسے لطیف باجوں کی سُریلی اور دلکش آوازوں کی کیفیّت سے وہ لذّت آشنا نہیں ہو سکتے۔ خوش گلو اور موسیقی دان صاحب کمالوں کے دلپذیر گیتوں کے سُننے سے جو رُوحانی تفریح حاصل ہوا کرتی ہے! وہ بیچارے اسے جانتے ہی نہیں۔ اور نہ نغمہ سنج و ترنم ریز جانوروں کی پرکیف و سرور بخش آوازیں ان کے کانوں میں پہنچکر ان کو محظوظ کر سکتی ہیں۔ کان ہوتے ہیں مگر

قوتِ سامعہ نہیں ہوتی۔ بعض بیچارے سونگھنے کی حس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور خوشبو بدبو کچھ انہیں سمجھ نہیں پڑتی۔ اور یہ گویا خدا کی بہترین نعمت سے محروم ہو جانا ہے۔ بعض لوگوں کی زبان سے ذائقہ کی قوت فنا یا خراب ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے یا تو بالکل احساس نہیں رہتا ہے یا ہر مزہ دار چیز بدمزہ معلوم ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ کس قدر نعمتوں سے وہ محروم رہتے ہیں۔

بعض میں لامسہ کی قوت باقی نہیں رہتی جیسے سُن کے عارضہ سے یا قدرتاً ہوتی ہی نہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ کوئی لازمی بات نہیں۔ کہ ان پانچ قوتوں سے زیادہ ہونا ممکن ہی نہیں۔ یا یہ کہ ہر جاندار میں یہ پانچوں حسیں ضرور پائی جاتی ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب تک جن حواس کا ہم کو علم ہوا ہے۔ وہ صرف پانچ ہی ہیں بہت ممکن ہے کہ حقیقت میں کوئی اور دوسرا حاسّہ بھی پایا جاتا ہو۔ انسان میں نہیں تو اور حیوانات ہی میں سہی۔ اور ہم کو اس کا علم نہ ہو۔ اور بعض ایسے بھی جاندار ہیں۔ جو ان پانچ حواس میں سے کسی حاسہ سے محروم ہی ہوتے ہیں۔ جیسے قدرتی اندھا کہ وہ بینائی کو جانتا ہی نہیں وغیرہ

محمد حسین محوی

جی۔ آئی۔ پی ریلوے تیسرے

درجہ کے مسافروں کی سہولت کے لئے ایسی گاڑیاں بنا رہی ہے۔ جس میں اکٹھا سفر کرنے والی جماعتوں اور کنبوں کو یکجا سفر کا آرام مل سکے ہمیں امید ہے۔ کہ دوسری ریلوے کمپنیاں بھی اس طرف متوجہ ہونگی۔

ہم کپڑے پہنکر سردی کیوں محسوس نہیں کرتے

جب ہمیں سردی لگتی ہے۔ تو ہم کوٹ پہن لیتے ہیں کمبل اوڑھتے ہیں۔ گرم گرم بستروں میں بلّی کی طرح دبک جاتے ہیں۔ مگر کیا ہم نے کبھی اپنے دماغوں سے یہ بھی پُوچھا۔ کہ ٹھنڈ لگنے میں کونسی چیز مانع آتی ہے۔ کیا ہمیں کوٹ گرمی پُہنچاتا ہے؟ بالکل نہیں۔ کیونکہ جو چیز خود گرم نہ ہو۔ وہ دوسروں کو کیا گرمی پُہنچا سکتی ہے اگر ہم فلالین یا کسی دوسرے گرم سرد کپڑے کے ٹکڑے میں تھرمامیٹر لگا کر دیکھیں۔ تو صاف ظاہر ہوجائیگا۔ کہ ان میں خاک بھی گرمی یا سردی نہیں ہوتی۔

سُورج اور آگ ہمیں گرمی پُہنچاتے ہیں کیونکہ دونوں بذات خود گرم ہیں۔ مگر کپڑے جو نہ سرد ہیں نہ گرم یہ کام انجام نہیں دے سکتے ہاں اگر ہم انہیں تھوڑی دیر تک آگ کے آگے رکھکر گرم کر کے پہنیں۔ تو ضرور کچھ نہ کچھ گرمی محسوس کرتے ہیں۔ آخر جب ہمیں کوٹ یا کپڑے گرمی نہیں پُہنچاتے۔ تو وہ کونسی چیز ہے۔ جو ہمیں گرم رکھتی ہے۔ دراصل ہم خود ہی اپنے آپکو گرم رکھتے ہیں مگر کپڑوں کی مدد سے۔ اگر کپڑے نہ پہنیں۔ یا پہنیں بھی تو بہت باریک تو ہمارا بدن جو گرمی پیدا کرتا ہے۔ وہ کپڑوں کے سوراخوں میں سے بآسانی نکل جاتی ہے۔ اگر کپڑے موٹے ہوں تو وہ گرمی کو باہر جانے سے روکتے ہیں۔

یہ تو ہم سب نے ضرور بالضرور محسوس کیا ہوگا۔ کہ جب ہم صبح صبح کوٹ کھونٹی پر سے اُتار کر پہنتے ہیں۔ تو وہ ٹھنڈا معلوم ہوتا ہے۔ مگر جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے گرم ہوتا

جاتا ہے۔ آخر جب ہم اسے اپنے بدن سے علیحدہ کرتے ہیں۔ تو پہلے کی نسبت بہت گرم ہوتا ہے۔ بھلا کیوں؟ کیا ہم نے اسے آگ کے سامنے رکھ کر گرمی پہنچائی تھی؟ نہیں! بلکہ اس لئے کہ ہمارے بدن کی گرمی نکل نکل کر اس میں جمع ہو گئی۔ اور کوٹ نے اسے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی۔ غرض اس طرح گرمی سے کوٹ بھی گرم ہو گیا۔ اور ہم بھی سردی میں ٹھٹھرنے سے بچ گئے۔

اب حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ گرمی کوٹ کے اندر کس طرح محفوظ رہتی ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ کئی قسم کی چیزیں۔ کئی قسم کی چیزوں کو بکھرنے اور علیحدہ علیحدہ ہونے سے روکتی ہیں۔ جب ہم پانی گلاس میں رکھتے ہیں تو وہ بہنے سے بچ جاتا ہے۔ جب ہم اپنے کمرے کے دروازوں پر پردے ڈال دیتے ہیں۔ تو روشنی اندر نہیں آسکتی۔ اسی طرح جب ہم ہنڈیا پر ڈھکنا دے دیتے ہیں۔ تو گرمی اندر ہی رہتی ہے۔ اور جب ہم چاء دانی پر غلاف چڑھا دیتے ہیں۔ تو چاء کی بھاپ اور گرمی باہر نہیں نکلنے پاتی۔ اسی اصول پر کپڑے بنائے گئے ہیں۔ جب ہم انہیں پہنتے ہیں تو وہ چاء دانی کے غلاف، ڈھکنے، پردوں اور گلاس کی طرح ہماری گرمی کو اپنے اندر بند رکھتے ہیں۔ باہر کی سرد ہوا کو ہمارے بدن سے چھونے اور گرمی کو نکلنے نہیں دیتے۔

غرض اگر ہم چیزوں کو ان کی اصلی حالت یعنی گرم یا سرد رکھنا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں چاہیے کہ کسی ایسی چیز کا استعمال کریں جس سے گرمی اور سردی کے ملنے میں روکاوٹ پیدا ہو۔

جب ہم کوٹ پہنتے ہیں تو یہ ہمارے بدن کی گرمی کو باہر نہیں جانے دیتا۔ اور اس کے سبب ہمیں ٹھنڈک نہیں لگتی۔

محمد اسمٰعیل

ایک مسلمان بچّہ اور ایک لومڑی

اسلام کے مشہور شہر بغداد میں ایک دولتمند تاجر رہتا تھا جس کا نام شیخ مُراد تھا۔ خدا نے شیخ مراد تاجر کو ایک بیٹا دیا۔ فخر الدین اس کا نام رکھا گیا۔ مراد بچپن ہی سے اپنے بچے کو ساتھ رکھتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جب اُس نے ہوش سنبھالا تو وہ ایک بڑا تاجر اور لین دین میں بڑا ماہر اور تجارت کے کاموں سے خوب واقف ہو گیا۔ باپ نے چاہا کہ اس لائق بیٹے کو بھی تجارت میں لگاتے۔ اور دُور دُور کے مُلکوں کا سفر کرنے کی عادت ڈالے۔ اُس زمانہ میں سفر کے لئے ایسی ریل نہ تھی۔ جو آج کل ہے پیدل یا گاڑی گھوڑے اور اُونٹ پر سفر کرتے تھے۔ باپ نے خوب ساز و سامان کیا اور بچّہ سفر کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہ خُدا کا نام لیکر شہر سے نکلا اور چند منزلیں طے کر کے ایک جگہ رات کو قیام کیا۔ تاکہ صبح پھر روانہ ہو۔ چاندنی رات تھی۔ تمام جنگل کی زمین چاند کی روشنی سے نورانی ہو رہی تھی۔ کچھ رات گئے بچّہ کی آنکھ کھل گئی۔ نیند نہ آتی۔ یہ اُٹھا اور ٹہلنے لگا۔ اس نے ایک طرف کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک لومڑی تھوڑے فاصلہ پر پڑی کراہ رہی ہے۔ قریب جا کر دیکھا۔ تو لومڑی نہایت کمزور اور دُبلی ہو رہی تھی۔ بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے چلنا پھرنا حرکت کرنا تک اسے دشوار تھا۔ نو عمر سوداگر تھوڑے فاصلہ پر کھڑے ہو کر سوچنے لگا۔ یہ غریب کمزور لومڑی کیونکر کھاتی پیتی ہو گی کیا عجب کہ دو چار روز میں یونہی پڑے پڑے مر جائے۔ بھوک کی شدّت اور ناطاقتی دونوں مِلکر اس بیکس کی جان لے لیں۔ نو عمر سوداگر اس سوچ میں کھڑا تھا۔ کہ ایک شیر آتے ہوئے دکھائی دیا شیر ایک شکار کیا ہوا جانور مُنہ میں دباتے تھا یہ

شیر آکر اُس لومڑی کے قریب بیٹھ گیا۔ اور شکار کا گوشت کھاتا رہا۔ خوب سیر ہو کر جب کھا چکا تو اپنا پس ماندہ (بچا ہوا) چھوڑ کر چلتا ہوا۔ اب لومڑی اُٹھی اور دھیرے دھیرے کھسکتی ہوئی شیر کے پس خوردہ گوشت کے پاس آکر کھانے لگی۔ لومڑی نے بھی سیر ہو کر کھایا اور گوشت تھوڑا سا بچ رہا۔ نوعمر سوداگر خدا کی قدرت کا یہ تماشہ بڑے غور سے دیکھتا اور تعجب کرتا رہا۔ کہ خدا اپنے مجبور اور معذور بندوں کو روزی پہنچانے کا خود ذمہ دار ہے۔ تو انسان کیوں سفر کی مصیبتیں اُٹھائے اور جان جوکھوں میں ڈالے۔ بیٹھا ہوا خدا کی یاد اور اُس پر بھروسہ کرے۔ یہ سوچکر نوعمر سوداگر اپنے گھر کو پلٹ آیا۔ اور اپنے باپ سے لومڑی اور شیر اور خُدا کے روزی پہنچانے کا سارا قصّہ بیان کیا اور پھر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ فخر الدین کا باپ بڑا تجربہ کار سوداگر تھا۔ اُس نے دل میں سوچا ایسا نہ ہو کہ بچہ ہمت ہار بیٹھے اور معذور لومڑی کی طرح کھانے کا عادی ہو جائے۔ اُسنے کہا۔ بیٹا مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم نے خُدا کی قدرت کا تماشہ دیکھ لیا۔ مگر میرے خیال میں اس سے تم نے جو نتیجہ نکالا ہے وُہ درست نہیں ہے۔ مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ تُم بھی ایسے ہی شیر بنجاؤ۔ کہ تمہارے دسترخوان سے سینکڑوں معذور مجبور لومڑیوں کی پرورش ہو اور پیٹ پلے۔ تمہاری گاڑھی اور محنت کی کمائی سے محتاج اور ضرورتمند تمہارے بھائی فایدہ اُٹھائیں اور دُعائیں دیں۔ نہیں کہ تم خود ایک بھوکی اور اپاہج لومڑی بنکر دوسرونکی مدد کے محتاج ہو۔ اور خُدا کے شیروں کے بچے کھچے کھانے کے انتظار میں رہو۔ یہ ہمّت اور مردی کی بات نہیں ہے۔ بلکہ کم ہمتی کی بات ہے۔ اب تم بتاؤ کہ شیر بننا پسند کرتے ہو یا لومڑی بننا؟

نوعمر سوداگر اپنے باپ کی باتیں بہت غور سے سُنتا رہا۔ شیخ مراد کی نصیحت نے اُسکے دل میں اور زیادہ حوصلہ پیدا کر دیا۔ اور یہ اثر کیا کہ ہمت ور فخر الدین نے دَم نہیں لیا۔ اور اُسی وقت پھر بسم اللہ کہکر سفر کو روانہ ہو گیا۔ ماشاء اللہ ہمّت والوں کا یہی کام ہے۔ کہ دوسروں کی امداد کریں نہ یہ کہ خود دوسروں کی امداد کے محتاج بنیں۔

زرداد

شہنشاہ بابر کا دوست

(مسلسل قصّہ)

(۲۲)

فرغانہ میں آکر بابر نے چند دنوں تک آرام کیا اور اپنے علاقے کی حکومت کو مستحکم کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ مگر بہت جلد ہی ہر طرف سے یہ خبریں آنے لگیں۔ کہ محمود مرزا کی ناگہانی موت کے بعد سمرقند کی حالت بہت خراب ہے۔ اور اس کے حاکم بایسنغر خاں کی کمزوری اور عیش پرستی کے باعث وہاں ہر وقت فساد مچا رہتا ہے۔ آخر بابر نے اپنے سرداروں کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ اور کہا۔ اس میں کچھ نہیں کہ میرے لئے موجودہ علاقہ ہی کافی ہے۔ اور اسکی حکومت بھی اتنا بوجھ ہے کہ میں تن تنہا اسے اُٹھا نہیں سکتا۔ مگر سمرقند کے باشندوں کی حالت اس کے حاکم کی کمزورطبیعت کے باعث خراب ہے۔ آخر یہ بھی میرے بزرگوں کی سلطنت کا ایک حصّہ ہے۔ اور اس کا مجھ پر کچھ حق ہے۔ پھر اگر میں خاموش بیٹھ رہوں تو کیا ہے۔ اِدھر اُدھر کے حاکم سمرقند پر دانت رکھتے ہیں۔ حملہ کرنے کے لئے صرف وقت کا انتظار کر رہے ہیں لازم ہے کہ اس وقت ہمت اور حوصلے سے کام لیا جائے۔ اور سمرقند کو اس بلا سے نجات دلائی جائے"۔ تمام سرداروں نے بابر سے اتفاق رائے ظاہر کیا۔ اور بابر نے فوراً لشکر کو ترتیب دیکر سمرقند پر حملہ کر دیا۔ سمرقند کے قریب پہنچے۔ تو

معلوم ہُوا کہ بابر کا اندازہ بہت درست تھا۔ آگے ہی دو اور حاکموں نے سمرقند کی فتح کے ارادے سے لشکر سمیت ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ اب اس بدبخت شہر کی حالت کو دیکھتے۔ کہ ایک طرف مسعود مرزا والیِ حصار دوسری طرف سے سلطان علی حاکمِ بخارا اور تیسری جانب سے بابر اس کی فتح کے درپے تھے۔ زرداد بھلا اپنی چالوں سے کب چوکنے والا تھا۔ اس نے دو تین روز ہی میں ادھر اُدھر پھر کر دوسرے دونوں لشکروں کی کیفیّت دریافت کرلی۔ اور بابر کے حضور میں آکر عرض کی۔ کہ مسعود مرزا کا لشکر تو برائے نام ہے۔ البتہ سلطان علی ایک لشکرِ جرار رکھتا ہے۔ اور خود بھی صاحب ہمّت ہے۔ بہتر ہے کہ اس وقت مصلحت سے کام لیا جائے اور سلطان علی سے مصالحت کرکے پہلے تو مسعود مرزا کو نیچا دکھایا جائے۔ پھر آپس میں نپٹ لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ بابر پہلے تو اس خیال پر ہنسا۔ مگر بعد میں اس کو اس کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ آخر زرداد کو ہی اس کام کے انجام دینے پر مامور کیا۔ زرداد نے سلطان علی کے پاس جاکر کچھ ایسی شیریں زبانی سے کام لیا۔ کہ تیسرے روز ہی سلطان علی اور بابر کا سمجھوتہ ہوگیا۔ یہ خبر سُنتے ہی مسعود مرزا نے تو اپنے لشکر کو واپسی کا حکم دیا۔ مگر ادھر سلطان علی اور بابر کے لشکر پر ایک اور مصیبت آئی۔ جاڑے کی سختی ایک طرف تکلیف دے رہی تھی۔ اور خوراک اور رسد بالکل ختم ہوگئی۔ آخر دونوں بادشاہوں نے خیر اسی میں دیکھی کہ اس مہم کو گرمی کے موسم پر ملتوی کیا جائے۔ اس طرح سمرقند ان کی دستبرد سے بال بال بچ گیا۔

ایڈیٹر

درکنشاں الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوان چند پرنٹر چھپا اور دفتر ادب لطیف کے لئے سید افضال علی حسنی پبلشر نے شائع کیا

۷۸۶

قیمت سالانہ چھ روپے

قیمت ششماہی چار روپے فی پرچہ (۲ر)

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر حکیم احمد شجاع بی-اے علیگ

جلد ۱ | اشاعت مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۲ء | نمبر ۲۳

فہرست مضامین

دلچسپ خبریں

گورنمنٹ ہند کے صیغہ مال نے ۱۶۹۵۰۰۰ روپے کی رقم برطانوی نمائش میں ایک ہندوستانی عمارت تیار کرنے کے لئے منظور فرمائی ہے۔

شاہی فوجی کالج سینڈہرسٹ میں تعلیم پانے کے لئے چھ ہندوستانی امیدوار منتخب کئے گئے ہیں۔ جو جنوری ۱۹۲۳ء سے اپنا زمانہ تعلیم شروع کرینگے۔

امریکن گورنمنٹ کی طرف سے ہوائی جہاز الاسکا کے علاقوں میں جھیلوں کو دریافت کرنے اور ان کی تصاویر حاصل کرنے کے کام میں لگائے گئے ہیں۔

کراچی میں ایک چھوٹا لڑکا اپنی بہن کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ بہن نے ایک بندوق اٹھا کر اپنے کندھے پر رکھ لی۔ اور اس سے کھیلنے لگی۔ بندوق کا گھوڑا اتفاق سے دب گیا۔ بندوق بھری ہوئی تھی۔ گولی لڑکے کو لگی۔ اور وہ ہلاک ہوگیا۔ بے پروا والدین اور بچوں کے لئے یہ ایک سبق ہے۔ ایسی چیزوں سے نہ کھیلنا چاہیے۔ جن سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

برطانیہ کلاں اور دوسرے تمام برطانوی علاقوں کے مابین بے تار خبر رسانی کے لئے انگلستان میں ایک عظیم الشان تار گھر بنانے کی تجویز کی گئی ہے یہ کام ۱۸ ماہ میں اختتام کو پہنچ جائیگا۔ مارکونی کمپنی جو سلسلہ برق کے موجد کے نام پر قائم ہے۔ اس کام کو اپنی نگرانی میں انجام کو پہنچائیگی۔

ہمّت والوں کی صدا

گر قوم کی خدمت کرتا ہے | احسان تو کس پر دھرتا ہے
کیوں غیروں کا دم بھرتا ہے | کیوں خوف کے مارے مرتا ہے
اس ہاٹ کا یہ ہی پرتا ہے | کچھ گانٹھ سے دے تب ترتا ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے | پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

جو عمر یوں مفت گنوائے گا | وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا | جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا | یہ وقت بھی آخر جائے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے | پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

جو موقع پا کر کھوئے گا | وُہ اشکوں سے منہ دھوئیگا
جو سوئے گا وُہ روئے گا | اور کاٹے گا جو بوئے گا
تو غافل کب تک سوئے گا | جو ہونا ہوگا ہوئے گا
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے | پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

یہ دُنیا آخر فانی ہے | اور جان بھی اِک دِن جانی ہے
پھر تجھ کو کیوں حیرانی ہے | کر ڈال جو دِل میں ٹھانی ہے
جب ہمّت کی جولانی ہے | تو پتھّر بھی پھر پانی ہے
اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے | پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے

زمین کی سرگذشت

اب ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ کہ یہ معلوم کریں۔ کہ کُرّۂ زمین کی شکل ابتدا میں کیسی تھی۔ بعض لوگ جنہوں نے اس امر پر غور کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ زمین کی شکل ابتدا میں ناشپاتی کی طرح لمبوتری اور غیر مسطح ہوگی اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کی شکل ایک سنگترے کے مانند چپٹی اور غیر ہموار ہوگی۔ بہرحال ہم یہ کسی قدر وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ زمین کی شکل شروع میں ایسی نہ تھی۔ جیسی اب ہے بلکہ ممکن ہے کہ زمین کی شکل بھی سورج کی سی ہو۔ اگرچہ سورج کے مقابلے میں زمین کا رقبہ کوئی حقیقت نہ رکھتا ہو۔

زمین حقیقت میں اس مٹی یا پانی کا نام نہیں ہے۔ جو سمندروں اور بڑا عظموں کی شکل میں ہمیں نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ وہ تمام فضا بھی ہے جو پانی اور زمین کے اُوپر ہے۔ اور جسے ہم دیکھ نہیں سکتے۔ یہ کُرّۂ زمین کے ساتھ سورج کے اردگرد چکّر لگاتی ہے۔ اور اس حرکت کے دوران میں زمین کے ساتھ ساتھ لچک جاتی ہے۔ گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ ہوا بھی کُرّۂ زمین کا ایک حصّہ ہے۔ جہانتک معلوم ہو سکا ہے یہ کُرّۂ ہوائی زمین کے کُرّۂ آبی اور کُرّۂ خاکی سے سو میل کے قریب بلندی تک موجود ہے۔ جب ہوائی جہاز میں اس کُرّۂ ہوائی میں سفر کرتے ہیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہم جس قدر اُونچے اُڑتے جاتے ہیں اُسیقدر ہوا لطیف ہوتی جاتی ہے۔ جس کے معنی یہ

ہیں۔ کہ وہ کم ہوتی جاتی ہے۔ گویا ایک درجہ ایسا بھی آسکتا ہے۔ جہاں ہوا بالکل موجود نہ ہو۔ اسی طرح کرۂ خاکی اور کرۂ آبی کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے۔

ایک زمانے میں یہ کرہ زمین چکدار گیس کا ایک کرہ تھا۔ جس میں گرمی حرکت اور لچک موجود تھی۔ یہ ان چھوٹے چھوٹے ذرّوں سے مرکب تھا۔ جو اس حرکت یا رگڑ سے گرم ہوتے تھے گرمی سے ان میں نرمی اور لچک پیدا ہوگئی۔ اور اُنہوں نے پانی۔ مٹی۔ چٹان۔ ہوا اور دوسری جاندار اشیاء کی صورت اختیار کرلی۔ ہوا حقیقت میں گیسوں کا ایک مرکب ہے۔ جو ایک گرم اور نرم غلاف کی طرح کرۂ زمین کو ڈھانپے رکھتا ہے۔ اگر تم اس قدر سمجھ گئے ہو تو تمہارے لئے یہ سمجھ لینا مشکل نہیں کہ جس طرح مچھلیاں پانی کے سمندروں کی تہ میں رہتی ہیں۔ ہم ہوا کے ایک وسیع سمندر کی تہ میں چلتے پھرتے ہیں۔ اور جس طرح مچھلیاں کبھی اس تہ سے اُبھر کر پانی کی درمیانی لہروں پر یا اُوپر کی سطح پر تیرنے لگ جاتی ہیں۔ اب انسان نے عقل اور علم کے ذریعے ہوائی جہازوں وغیرہ سے اس ہوا کے سمندر کی سطح پر تیرنا سیکھا ہے۔ جیسے کہ پرندے مچھلیوں کی طرح مشینوں کی مدد کے بغیر شروع سے ہی اس ہوائی سمندر میں تیرتے تھے۔ فرق اتنا ہے کہ اس تیرنے کو اڑنا کہتے ہیں۔

ایڈیٹر

مورخہ ۶۔ دسمبر بروز بدھ کی شام کو ۷ بجکر ۲۸ منٹ پر لاہور میں زلزلہ محسوس ہُوا۔ اسی دن ۷ بجکر ۳۰ منٹ پر پشاور میں زلزلہ محسوس ہُوا۔ کئی مکان گر پڑے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ابتک کسی نقصان جان کی اطلاع موصول نہیں ہُوئی۔

ایک بہادر لڑکا

عزیز بچو! دُنیا میں فرمانبرداری سے بڑھکر کوئی چیز نہیں۔ فرمانبردار لڑکے کو سب پیار کرتے ہیں اور عزّت کی نظر سے دیکھتے ہیں خصوصاً والدین کی فرمانبرداری تمہارے لئے بہت ضروری ہے۔ تم کو ہر بزرگ کا کہنا ماننا چاہئے۔ اور بغیر پس و پیش کے اُن کے حکم پر عمل کرنا چاہئے۔ جو تمہارے لئے آئندہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔ اس لئے کہ بچپن جس کی گود میں تم پرورش پا رہے ہو۔ ایک ایسا زمانہ ہے۔ کہ اس میں جو عادت پڑجائے خواہ وُہ بری ہو یا بھلی قیامت تک باقی رہتی ہے۔ دیکھو دُنیا میں جتنے بڑے بڑے حکمران اور قابل شخص ہوئے ہیں۔ وہ ضرور اپنے لڑکپن میں بڑوں کے فرمانبردار رہے ہوں گے ذیل کے دو قصّوں سے تمہیں معلوم ہوگا کہ نیک لڑکے خواہ کتنی ہی آفت و مصیبت کیوں نہ آئے اپنی فرمانبرداری کو نہیں چھوڑتے۔

تم نے فرمانبرداری کے بہت سے قصّے سُنے ہونگے۔ اور غالباً رام کا قصّہ بھی سُنا ہوگا۔ جو کہ اپنی سوتیلی ماں کیکئی اور اپنے بزرگ باپ دسرتھ کے صرف ذرا سے کہنے پر ۱۴ سال کے لئے جنگل کو چلے گئے تھے۔ اُنہوں نے تختِ شاہی کی پروا نہ کی۔ اور فوراً والدین کے حکم کے مطابق فقیرانہ کپڑے پہن کر جنگل کی طرف چلے گئے۔

پیارے بچو! وہ بھی تمہارے ہی طرح سے بچّے تھے۔ اور ان کے دل میں بھی اپنے والدین کی محبّت کا دریا موجزن تھا۔ مگر وہ اُن کے حکم کی تابعداری اپنا فرض سمجھتے تھے۔ جو لڑکے دُنیا میں فرمانبردار ہوتے ہیں۔ ان کا نام آسمان پر ستاروں کی طرح چمکتا ہے۔ اور لوگ اُنہیں عزّت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کے حالات سے

سبق لیتے ہیں۔ چنانچہ مجھے ایک پرانا قصہ یاد آیا جو تمہارے پڑھنے کے لئے لکھتا ہوں۔

ایک مرتبہ ایک فرانسیسی کپتان سمندر کی ایک بڑی لڑائی میں شریک ہوا۔ اس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا۔ جس کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں ہے۔ دونوں لڑائی کے لئے جہاز پر سوار ہوتے۔ اور کپتان نے لڑکے کو ایک جگہ کھڑا کرکے کہا۔ کہ جب تک میں نہ کہوں تم اسی جگہ پر کھڑے رہنا۔ مگر بدقسمتی سے دشمن نے جہاز میں آگ لگا دی۔ اور بہادر لڑکا جہاز کے جلتے ہوتے تختے پر تنہا کھڑا رہا۔ جہاز کے دوسرے لوگ آگ کی بڑھتی ہوئی لپٹوں سے ڈر کر بھاگ چکے تھے۔ اس کے چاروں طرف اونچے اونچے شعلے اٹھ رہے تھے۔ جس کی روشنی جہاز کے تمام حصّوں میں پڑے ہوتے مُردوں کے چہروں پر پڑ رہی تھی۔ لیکن باوجود اس خوفناک منظر کے یہ بہادر لڑکا اسی طرح اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

آگ بھڑک رہی تھی۔ شعلے اونچے پہاڑوں کی شکل اختیار کر رہے تھے۔ جہاز چند لمحوں کا مہمان تھا۔ مگر لڑکا اپنے پیارے باپ کے حکم کے بغیر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اور اس سے پکار پکار اجازت مانگتا رہا۔ لیکن آہ وہ نہ جانتا تھا۔ کہ اس کے باپ کو موت نے ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا ہے۔ وہ پکارتے پکارتے تھک گیا۔ یہانتک کہ اس کی آواز آنا بند ہوگئی۔ اور سارے جہاز میں سناٹا ہوگیا۔ کہ یکایک اس لڑکے نے پھر زور سے چلا کر کہا۔

میرے پیارے باپ کیا ابھی میں یہیں کھڑا رہوں۔ مگر اس کے اس سوال کا جواب کون دیتا۔ کیونکہ اس کا باپ تو جہاز کے نچلے حصّے میں موت کی گہری نیند سو رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر پھر زور سے پکارا۔ میرے باپ بولو . . . . مجھے اس کا جواب دو۔ کہ کیا میں جاؤں؟ مگر اس کے جواب میں صرف گرجتے ہوئے دشمن

کے گولوں اور سمندر کی خوفناک لہروں کی آواز کے اور کچھ نہ سُنائی دیا۔

اب آگ تمام جہاز میں پھیل گئی تھی۔ اور اُس کی لپٹ سے اُس کا خوبصورت چہرہ جھلسا جاتا تھا۔ مگر اُس نے اُس کی کچھ پروا نہ کی اور برابر اپنی اُسی جگہ پر کھڑا رہا۔ جہاں اُس کے باپ نے اُسے کھڑا کیا تھا۔

جب آگ بالکل قریب آگئی تو اُس نے پھر ایک مرتبہ اپنی پوری طاقت سے چلّا کر کہا۔

"میرے باپ جلد بولو کیا اب بھی میں یہیں ٹھیرا رہوں" مگر اس مرتبے بھی اس فرمانبردار لڑکے کو کوئی جواب نہ ملا۔ اور جہاز نہایت تیزی سے جلنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دھڑاکے کی آواز سُنائی دی۔ اور جہاز جلکر سمندر میں غرق ہو گیا۔ اور یہ بہادر فرمانبردار لڑکا اپنے باپ سے جا ملا۔

[اس بہادر لڑکے کا نام "کیسا بیانکا" تھا۔ ایڈیٹر]

(ترجمہ انگریزی) شیام کشور

بُرائی کا نتیجہ

ایک چور نے ایک مشہور جوہری کے گھر میں چوری کرنی چاہی۔ رات کے وقت وہ جوہری کے مکان پر گیا۔ اور ایک دیوار میں نقب لگائی جب وہ نقب کے ذریعہ سے اندر پہنچا۔ تو اُس نے جلدی جلدی بہت سی قیمتی چیزوں کو جمع کیا۔ جب سب چیزیں جمع کر چکا تو اُسے یہ فکر ہوئی کہ اب ان تمام چیزوں کو کیونکر لے جاؤں۔ اس نے جلدی سے اپنی دھوتی کھول کر زمین پر بچھائی اور تمام چیزوں کو اس میں باندھنا شروع کیا۔ وہ باندھ ہی رہا تھا کہ جوہری جاگ اُٹھا اور پکارا "محلہ والو دوڑو چور میرا سب مال لئے جاتے ہیں۔" چور اپنی جان بچا کر نقب کی راہ سے نکل بھاگا۔ جوہری بھی اس کے پیچھے لپکا۔ چور نے پیچھے پھر کر جوہری سے کہا "اے لالہ اب مجھے کیا ڈھونڈتے ہو۔ کیونکہ تو نے میری دھوتی تک نہ چھوڑی" اور یہ کہکر بھاگ گیا۔

فیاضی

ایک دن معن بن زائدہ چند لوگوں کے ہمراہ شکار کے لئے روانہ ہُوا۔ جب جنگل میں پہنچا تو بہت سے ہرن سامنے گذرتے ہوتے دکھائی دیتے۔ ہر شخص نے الگ الگ ان کے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیتے۔ اور معن تنہا ایک ہرن کے پیچھے روانہ ہُوا۔ اور اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو گیا۔ جب شکار سے فارغ ہُوا تو دم لینے کے لئے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا ابھی تھوڑی ہی دیر ہُوئی تھی۔ کہ اُس نے ایک شخص کو ایک گاؤں سے آتے ہُوئے دیکھا۔ جو اپنے خچر پر سوار تھا۔ یہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کی طرف چلا۔ قریب پہنچکر اُسے سلام کیا۔ اور اس کے حالات معلوم کرنے کے لئے اس طرح کہنے لگا۔

معن۔ تُم کہاں سے آتے ہو اور کہاں جاؤ گے

دیہاتی مَیں وہاں سے آرہا ہوں۔ جہاں تین سال سے مسلسل قحط پڑتا رہا تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ اس سال خوب بارش ہُوئی۔ اور تمام خشک زمین از سرِ نو شاداب ہو گئی۔ مَیں نے بھی اب کی ککڑیاں بوئی تھیں۔ جو اپنی فصل سے پہلے تیار ہو گئیں۔ مَیں نے خیال کیا۔ کہ ان ککڑیوں میں سے اچھی اچھی ککڑیاں معن بن زائدہ کی خدمت میں لے جاؤں اور دیکھوں کہ اسکی فیاضی اور قدردانی کے قصّے کہاں تک ٹھیک ہیں۔

معن۔ ان ککڑیوں کے عوض میں تمہیں کتنی رقم کی امید ہے۔ کہ وہ دیگا۔

دیہاتی۔ میرا خیال ہے کہ وہ ایک ہزار روپیہ سے کم نہ دیگا۔

معن۔ اگر وہ کہے کہ اتنے روپے بہت ہیں۔

دیہاتی۔ تو پانچ سو ضرور ہی دیگا۔

معن۔ اگر ان کو بھی زیادہ بتاتے۔
دیہاتی۔ تو پھر تین سو سے کیا کم دیگا۔
معن۔ اگر اتنا دینے سے بھی انکار کرے۔
دیہاتی۔ تو سو روپیہ تو ضرور ہی دیگا۔
معن۔ اگر اس رقم کو بھی بہت بتاتے۔
دیہاتی۔ تو پھر پچاس سے ہرگز کم نہ دیگا۔
معن۔ اگر اسے بھی نامنظور کرے۔
دیہاتی۔ تو پھر تیس سے تو ہرگز کم نہ دیگا۔ اس لئے کہ اس سے کم دینا اُس کی شان کے خلاف ہے۔
معن۔ فرض کرو۔ اگر وہ اسے بھی زیادہ خیال کرے۔
دیہاتی۔ تو میں اُس کی یہ حقیر رقم ہرگز قبول نہ کرونگا۔ اور واپس آکر اس کی فیاضی کی اِس جھوٹی شہرت کی قلعی کھولونگا۔
معن ہنسا اور اپنے تیز گھوڑے کو ایڑی لگاکر اپنے ہمراہیوں سے آملا۔ اور دربان کو حکم دیا۔ کہ تھوڑی دیر میں ایک بڈھا ککڑیاں لیکر آئیگا۔ اُسے میرے پاس لے آنا۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی۔ کہ بڈھا ککڑیاں لئے ہُوئے آگیا۔ اور معن کے دربار میں حاضر کردیا گیا بڈھا یہاں کی شان وشوکت دیکھ کر معن کو نہ پہچان سکا۔ اس نے دیکھا ایک شخص دربار کے بیچ میں ایک مسند پر بیٹھا ہُوا ہے۔ اور چاروں طرف نوکر ہاتھ باندھے ہُوئے کھڑے ہیں۔ بڈھے نے سامنے آکر سلام کیا۔ اور خاموش کھڑا ہوگیا۔

معن نے پوچھا تُم کس لئے آئے ہو۔
دیہاتی۔ جناب کی خدمت میں مجھے میری اُمیدیں کھینچ لائی ہیں۔ اور نذر کے لئے ایک حقیر تحفہ لایا ہوں۔ اگر آپ قبول فرمالیں۔ تو میری بڑی خوش قسمتی ہوگی۔
معن۔ ہاں یہ بتاؤ معاوضہ کی تمہیں کیا امید ہے۔
دیہاتی۔ ایک ہزار روپیہ۔

معن۔ یہ تو بہت ہیں۔

دیہاتی (دل ہی دل میں) شاید یہ اُس منحوس شخص کی ملاقات کا اثر ہے۔ جو راستہ میں ملا تھا اور اس قسم کے سوالات کئے تھے۔

کہنے لگا اچھا پانچ سو۔

معن۔ یہ بھی زیادہ ہیں۔

یہانتک کہ اسی طرح گھٹتے گھٹتے پچاس روپیہ پر نوبت پہنچی۔ اور ان کو بھی معن نے زیادہ بتایا۔

دیہاتی۔ تو پھر کم سے کم تیس روپے ضرور...

لیکن معن نے ان کو بھی زیادہ بتایا۔

دیہاتی۔ تو اس سے کم میں نہ لونگا۔

معن ہنسنے لگا جس سے اس دیہاتی نے فوراً اسے پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے جو راستہ میں ملا تھا۔

جناب عالی اب تو میں بغیر لئے ہوئے یہاں سے نہ ہٹونگا۔

معن اور بے اختیار ہو کر ہنسنے لگا یہانتک کہ فرش پر گر پڑا۔ اور اپنے خزانچی کو بُلا کر حکم دیا کہ اس کو ہزار، پانچ سو، تین سو، سو، پچاس، اور تیس روپیہ دیدو۔ چنانچہ معن کے حکم سے ایک ہزار چھ سو اسّی (۱۶۸۰) روپیہ اس غریب دیہاتی کو دیدیا گیا۔ اور وہ اپنی امید سے زیادہ روپیہ پاکر خوش خوش اس پر دعاؤں کے پھول برساتا ہوا چلا گیا۔

(ترجمہ از عربی)

محمد عربی رحمانی

اِطّلاع

رسالہ نونہال کے وہ خریدار صاحبان جن کا چندہ ششماہی دسمبر ۱۹۲۲ء تک ختم ہوتا ہے۔ آئندہ کے لئے رقم چندہ جنوری ۱۹۲۳ء کے شروع ہونے سے پہلے پہلے دفتر میں بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں (منیجر)

حُب الوطنی

(۱)

روم میں جمہوری حکومت کو قائم ہوئے عرصہ نہیں ہوا تھا۔ کہ شاہی خاندان لوگوں کو برسرِ پرخاش دیکھ کر اٹلی میں جا گزیں ہوا۔ اس طرح روم میں جمہوری سلطنت قائم ہو گئی۔ اور روم امن و چین کی زندگی بسر کرنے لگا۔ کہ اتنے میں شاہی خاندان سکسنوں سے مدد حاصل کر کے روم پر حملہ آور ہوا۔ اور دریائے ٹائبر سے کچھ فاصلہ پر خیمے ڈال دیئے۔

اہالیان روم کو جب اچانک یہ خبر ملتی ہے تو سب لوگ گھبرا اُٹھتے ہیں۔ اور ان کو موقعہ نہیں ملتا۔ کہ بادشاہ کے مقابلہ کیلئے تیاریاں کر سکیں۔ نہ راہِ رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ ہے۔ آخر جلدی سے شہر میں اس واقعہ کی منادی کرائی جاتی ہے۔ اور شہر کا ایک ایک ہتھیار بند بلا تمیز۔ اس کے کہ وہ بچہ ہے یا بوڑھا۔ امیر ہے یا غریب۔ تعلیم یافتہ ہے یا جاہل شہر سے باہر نکل کر دریائے ٹائبر کے اس پار پُل کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے اور ہر ایک بہادر حب الوطنی کے جوش میں بھرا ہوا کٹ مرنے کو آمادہ نظر آتا ہے۔ مگر پھر بھی ایک قسم کی بد دلی ہے۔ جو ہر ایک کے چہرہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ کوئی تجویز سمجھ میں نہیں آتی۔ جس سے دشمن کو روکا جاتے۔ کسی کا دماغ کام نہیں کرتا۔ اسی اثنا میں اچانک ایک طرف سے کچھ آواز آتی ہے۔ سب کی نگاہیں اس طرف مُڑ جاتی ہیں۔ اور ہمہ تن گوش ہو کر سُننے لگ جاتے ہیں۔

"دوستو، عزیزو، اب سرگوشیاں کرنے

کا موقعہ نہیں رہا۔ آؤ۔ جسے اپنی جان کی نسبت
اپنی قوم زیادہ پیاری ہے۔ اور اپنی ماؤں،
بہنوں اور بیٹیوں کی عصمت پیاری ہے
آؤ میرے ساتھ وہ دو شخص آئیں۔ جن کو
اپنے ملک سے محبت ہے۔ پل بالکل تنگ
ہے۔ اور اس پر سے صرف دو شخص ایک وقت
میں گذر سکتے ہیں۔ پس تین بہادر شخص دشمن
کو اتنا عرصہ تک اس پار روک سکتے ہیں۔
جب تک کہ باقی لوگ پل کو درمیان میں سے
توڑ دیں۔

یہ ایک ایسے شخص کی آواز تھی۔ جس کو
بہت کم لوگ جانتے تھے۔ جس کا نام ہوریشس
تھا۔ بولنے والا خاموش ہوا۔ اور چاروں طرف
سے واہ واہ کے نعرے بلند ہوئے۔ مگر کوئی
بھی دیدہ دانستہ موت کے منہ میں پڑنا پسند
نہ کرتا تھا۔ ہوریشس نے سلسلہ کلام جاری
رکھتے ہوئے پھر کہا۔

"آہ! میں سمجھتا تھا۔ کہ کوئی نہ کوئی ضرور
نکلے گا۔ مگر افسوس۔ اے روم تیرے باشندوں
کے دلوں میں تیرے لئے کچھ بھی محبت نہیں
رہی لیکن یہ کوئی نہ کہے۔ کہ روم دشمن کے حوالے
کیا گیا۔ اور اس کی حفاظت میں کوئی تلوار
نہیں اٹھی۔ دوستو! لو تمہارا فدائی اکیلا ہی
چلتا ہے۔ اور اسے یقین ہے۔ کہ وہ دشمن
کو بزورِ شمشیر اس وقت تک دریا سے
گذرنے نہ دیگا۔ جبتک کہ تم پل کو توڑ نہ لوگے
لو اب حوصلہ اور عجلت سے پل کو توڑنے
میں مصروف ہو جاؤ۔"

ان لفظوں نے لوگوں کے دلوں پر بجلی
کا کام کیا۔ اور تقریر ختم ہوتے ہی دو بہادر
مجمع سے نکل پڑے۔ اور اس طرح تین بہادروں
کا یہ مختصر سا دستہ شاہی فوج کے مقابلہ کے
لئے پل پر سے آگے کی طرف بڑھا۔

(باقی پھر) عبداللطیف

میٹھی باتیں

کسی بادشاہ نے ایک عالم کو بلایا۔ اور یہ بھی لکھ دیا۔ کہ اگر آپ کو فرصت نہ ہو تو اپنے کسی شاگرد ہی کو بھیج دیجئے۔ سخت ضرورت ہے۔ وہ خود نہ گئے۔ بلکہ ایک طالب علم کو جو کہ عرصہ سے مدرسہ میں تعلیم پا رہا تھا۔ بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور چلتے وقت اچھی طرح سمجھا دیا۔ کہ بادشاہوں کے دربار میں نرم گفتاری و شیریں کلامی بہت ضروری ہے

جب طالب علم دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے پوچھا آجکل تمہارے اُستاد کن کن علوم کا سبق دے رہے ہیں؟ اس پر شاگرد نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ "روئی۔ ریشم۔ اور مخمل کا۔" پھر بادشاہ نے پوچھا ذریعہ معاش کیا ہے۔ یعنی اوقات کس طرح بسر ہوتی ہے؟ شاگرد "لڈو۔ پیڑا۔ برفی۔ گلاب جامن وغیرہ پر۔"

بادشاہ نے ان جوابوں سے یہ سمجھ کر کہ شاید اس شخص کو جنون ہو گیا ہے۔ دربار سے باہر نکلوا دیا۔ اور سارا قصہ اس کے اُستاد کو لکھ دیا۔

جب اُستاد نے ان جوابوں کے متعلق اس سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا:۔

"حضرت! آپ ہی نے تو مجھے نرم و شیریں گفتگو کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس لئے ریشم، روئی اور مخمل سے زیادہ نرم اور لڈو۔ پیڑا۔ برفی گلاب جامن سے زیادہ شیریں کوئی چیز میرے ذہن میں نہ آئی۔ اس لئے مجبوراً ایسی گفتگو کرنی پڑی۔"

اُستاد یہ سُنکر خاموش ہو گیا۔

شیام کشور

زرداد

شہنشاہ بابر کا دوست

(مسلسل قصہ)

(۲۳)

ماہ رمضان سنہ ۹۰۲ ہجری میں بابر پھر اپنی قرارداد کے مطابق اندجان سے روانہ ہوا۔ سمرقند کے قریب بام نامی ایک جگہ ہے جہاں اچھی آب و ہوا اور کھلا میدان دیکھ کر بابر نے ڈیرے ڈال دئیے۔ اور زرداد کو ایک چھوٹا سا دستہ فوج کا دے کر بایسنغر خاں کے علاقے کی طرف بھیجا تاکہ وہ دیکھے کہ آیا سلطان علی مرزا بھی اپنے عہد کے مطابق پہنچ گیا ہے۔ اور اپنے وعدہ پر استوار ہے یا نہیں۔ یہ علاقہ وہی ہے جسے ماوراء النہر کہتے ہیں یہاں پر بایسنغر خاں کی رعایا آباد تھی۔ مگر بابر نے اُن سے کچھ پرخاش نہ کی۔ بلکہ وہ لوگ تمام سودا سلف لاتے اور بابر کے سپاہیوں کے ہاتھ بیچتے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ وہ لوگ بہت سا مال و اسباب لائے۔ بابر کے بعض سپاہی جو طبیعت کے شریر اور لالچی تھے۔ اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اور اُن کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ ان کی فریاد سے قیامگاہ میں شور مچ گیا۔ اور بابر اپنے خیمہ سے باہر نکل آیا۔ دریافت کرنے پر اُس پر حقیقت ظاہر ہوئی۔ اب بابر کا دبدبہ دیکھئے اور اس فوج کا ضبط ملاحظہ کیجئے۔ کہ بابر کے ایک اشارہ پر فوج میں ایک کھلبلی سی پڑ گئی۔ اور صبح ہونے سے پہلے پہلے تمام مال و اسباب ان تاجروں کو واپس دے دیا گیا۔ بلکہ بابر نے

ان سپاہیوں پر یہ جرمانہ عاید کیا۔ کہ وہ اس تکلیف کے معاوضہ میں جو ان تاجروں کو ان کے ہاتھوں سے پہنچی۔ کچھ مال وزر اپنی گرہ سے دیں۔

حقیقت میں یہی دلداری کی تدبیریں تھیں جنہوں نے بابر کو اس قدر جلد طاقتور اور عزیز بنا دیا تھا۔

کچھ دنوں بعد بابر یورت خاں کے قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ دو مہینہ مکمل تک محاصرہ کیا۔ اسی اثناء میں زرداد سلطان علی مرزا کا پیغام لے کر آ پہنچا۔ اور بابر کوچ کی تیاریاں کرنے لگا۔ یورت خاں کے قلعہ والوں نے اس موقعہ پر ایک چال چلی۔ بابر کو کہلا بھیجا کہ اگر تم قلعے کے جنوب سے جو غارِ عاشقاں کے نام سے موسوم ہے آؤ۔ تو ہم دروازے کھول دیں گے۔ جب یہ پیغام پہنچا۔ تو زرداد نے عرض کیا۔ کہ مجھے اس بات کی تہ میں کوئی فریب نظر آتا ہے۔ بہتر ہے۔ کہ جہاں پناہ خود یہیں قیام رکھیں۔ اور چیدہ سپاہیوں کا لشکر اس پیغام کا سچ جھوٹ پرکھنے کے لئے بھیج دیں۔ بابر نے اس دور اندیشی کی داد دی۔ اور حکم دیا۔ کہ ایک دستۂ فوج غارِ عاشقاں کی طرف سے جائے۔ جب یہ دستہ قلعہ کے جنوب میں پہنچا۔ تو ان کو قلعے کے اندر روشنی نظر آئی۔ سپاہی خوش ہو کر بڑھتے چلے گئے۔ مگر جونہی وہ دروازے کے اندر داخل ہوئے۔ محصور فوج ان پر ٹوٹ پڑی۔ اور وہ سب کے سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔

دوسرے دن جب اس واردات کی خبر ملی۔ تو بابر کفِ افسوس ملنے لگا۔ مگر ساتھ ہی اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ وہ اور باقی کا لشکر بال بال بچ گیا۔

(باقی آئندہ)

ایڈیٹر

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوانچند پروپرائیٹر چھپا اور دفتر الاشاعت ادب لطیف کے لئے سید افضال علی حسنی پبلشر نے شائع کیا)

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ ایل ۱۳۹۷　　[illegible]

جلد (۴) فہرست مضامین رسالہ نونہال بابت ماہ جنوری ۱۹۲۷ء نمبر (۱)

دلچسپ معلومات

جرمنی کی امپیریلیم انسٹی ٹیوٹ نے برسوں کی تحقیقات کے بعد معلوم کیا ہے کہ اگر سن میں تھوڑی سی روئی ملا دی جائے۔ تو اس سے بڑا عمدہ کپڑا تیار ہو سکتا ہے۔ یہ کپڑا بہت پائدار ہوگا اور اس کے ساتھ ہی موجودہ کپڑے کی نسبت سستا بھی مل سکیگا۔

پیپرمنٹ کا سب سے بڑا کارخانہ انگلستان کے سرے نامی شہر میں ہے۔ اس جگہ ساری دُنیا کے لئے پیپرمنٹ تیار ہوتا ہے۔

سنیما کا نام نونہال بچوں نے ضرور سُنا ہوگا۔ اس میں سب سے چھوٹا لڑکا جو کام کرتا ہے اُس کی عمر صرف ساڑھے تین سال ہے

ڈاکٹر ڈی طامسن نے سینٹ پال ہسپتال کے سامنے بیان کیا ہے۔ کہ انہوں نے دو نئی قسم کے جراثیم کا پتہ چلایا ہے۔ اُن کو امید ہے کہ اگر جراثیم کی نسل تباہ کر دی جائے تو دُنیا کتنی خوفناک بیماریوں سے ہمیشہ کے لئے بچ جائیگی۔

امریکہ کے ایک لکھ پتی امیر نے ایک ایسا مکان بنایا ہے جس میں ہر قسم کے سانپ رکھے جائینگے۔ اس مکان کی تعمیر پر تین لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں۔ سانپ جمع کرنے پر جو خرچ ہوگا۔ اس کے علاوہ ہے۔

ہمالہ کے پہاڑوں پر ایک ایسی بوٹی ملی ہے۔ جو آدمی کے جسم کو چھو جائے تو آدمی فوراً بیہوش ہو جاتا ہے۔ اور کئی گھنٹے بیہوش پڑا رہتا ہے۔ اس عرصہ میں اگر اُسے قتل بھی کر دیا جائے۔ تو اُسے درد نہیں ہوتا۔ ڈاکٹروں کی ایک کمیٹی اس سوال پر غور کر رہی ہے۔ کہ اس بوٹی کے عرق سے کلوروفارم کا کام لیا جائے یا کیسا۔

صوبہ بمبئی نے تعلیم پر ۱۹۲۱ء میں ۲۶۳۴۲۶۵۹ روپے خرچ کئے۔

شمشاد شمیم

سالِ نو کا ترانہ

ہے آج سالِ نو کی خوشی ہر چہار سمت
پھر سال بھر کے بعد اب آیا ہے سالِ نو

گلہائے رنگ رنگ نظارہ فروز ہیں
کیا خوب رنگ تو نے جمایا ہے سالِ نو

دِل سرد تھے جو لوگ وہ گرما گئے ہیں پھر
پیغام صد نشاط کا لایا ہے سالِ نو

بچّوں سے لطف اس شد و آمد کا پُوچھئے
سالِ کہن گیا ہے اور آیا ہے سالِ نو

پیدا ہر ایک دِل میں ہوئی ہے نئی اُمنگ
صد شکر پھر خُدا نے دکھایا ہے سالِ نو

مُردہ پڑی ہوئی تھیں جو کل تک طبیعتیں
آمد نے تیری اُن کو جلایا ہے سالِ نو

کیوں آج سالِ نو کا اُٹھائیں نہ لطف ہم
اِک سال کھو کے ہم نے یہ پایا ہے سالِ نو

سُستی کی رات خود ترے آتے ہی گھٹ گئی
محنت کے دِن کو تُو نے بڑھایا ہے سالِ نو

کوشش ہی کامیاب بناتی ہے خلق کو
اچھا ہمیں سبق یہ سکھایا ہے سالِ نو

ناکام کوششیں نہ رہیں گی کسی کی اب
مژدہ یہ تُو نے خُوب سُنایا ہے سالِ نو

ہے دِل میں جوش زن مرے دریا امید کا
جلوہ ترا نظر میں سمایا ہے سالِ نو

از مشرق تا بہ غرب تری دھوم دھام ہے
ہر پیر و نوجواں نے منایا ہے سالِ نو

سرسبزی کلامِ ہنر کیا بیاں کروں
خجلت دہ بہار بنایا ہے سالِ نو

پُورن سنگھ ہنر

نیا سال

پہلے سے پچھلا ۱۹۲۳ء گزر گیا اب ۱۹۲۴ء آگیا ہے۔ ذرا خیال کرو کہ جس طرح پچھلا سال گزر گیا ہے اسی طرح یہ سال بھی گزر جائیگا اور پھر اسے دُنیا کی کوئی طاقت کسی بھی قیمت پر حاصل نہ کر سکیگی۔ یہانتک کہ کوئی راجہ بھی اگر اسے لینا چاہے اور اِسکے لئے اپنا تمام خزانہ لٹانے پر تیار ہو جائے تب بھی اُسے یہ گزرا ہوا وقت نہ مِل سکے گا۔ اِس لئے تمہیں چاہیئے کہ وقت کی قدر کرو۔ اور اسے کبھی ضائع نہ کرو۔ کیونکہ وقت زندگی ہے جو اسے ضائع کرتا ہے۔ وہ اپنی زندگی ضائع کرتا ہے۔

ہر ایک دن ایک ہی دفعہ آتا ہے۔ اور پھر کبھی واپس نہیں لوٹتا۔ تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ہر ایک دن کا فائدہ اُٹھائیں اور اپنی زندگی کو بہتر اور اپنے دماغ کو قیمتی بنانے کی کوشش کریں تاکہ ہمیں یہ خیال نہ آئے کہ ہم یہ کر سکتے تھے۔ مگر ہم نے نہ کیا۔

نئے سال کے نئے ہفتہ میں اکیلے بیٹھکر سوچو کہ تم نے پچھلے سال میں کون کونسی نیکی کی ہے۔ کتنے غریبوں کو امداد دی ہے۔ کتنے دُکھیوں پر مہربانی کی ہے۔ کتنی دفعہ اپنے بہن بھائیوں سے عمدہ سلوک کیا ہے۔ اور اُن کی شرارتوں کے باوجود اُن سے محبت کا برتاؤ کیا ہے۔

پھر یہ دیکھو کہ پچھلے سال میں تم نے کتنی بُرائیاں کی ہیں۔ کتنے شریف لڑکوں کو ستایا ہے۔ اور کتنی دفعہ اپنی زبان لیسے گندہ الفاظ نکالے ہیں۔ جو سُنکر اب تمہیں شرم آتی ہے اور یہ بھی دیکھو کہ کیا تُم نے اپنے بزرگوں اور

اُستادوں کے سامنے کبھی آنکھ تو نہیں اُٹھائی
پچھلے سال کے واقعات پہ افسوس کر کے
آئندہ کے لئے اپنے دل میں فیصلہ کر لو کہ یہ
باتیں تم سے پھر سرزد نہ ہونگی۔
اس موقعہ پر مَیں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ
اپنے چال چلن کا بڑا خیال رکھو۔ اپنی صحت
عمدہ بناؤ۔ اور تعلیم حاصل کرنے میں لگے رہو
جب کھیل کا وقت ہو کھیلو۔ مگر جب پڑھنے کا
وقت ہو، اس وقت کھیل کا خیال بھی نہ کرو۔
ورنہ تم اپنی جماعت میں کمزور رہو گے۔ تمہارے
اُستاد اور والدین تم سے ناراض رہینگے۔ اور
تمہاری آنے والی زندگی قابلِ رشک نہ ہوگی
جب اپنی پڑھائی سے فارغ ہو، تو نونہال
پڑھا کرو۔ اور اس کی نصیحتوں پر عمل کیا کرو۔
اس کے لئے اچھی اچھی کہانیاں لکھا کرو۔
مگر وہ کہانیاں کسی پُرانی کتاب یا رسالہ سے
نقل نہ کی گئی ہوں بلکہ خود تم نے اپنی محنت سے
لکھی ہوں نقل کرنا اور چوری کرنا دونوں برابر
ہیں۔ اس لئے اس سے پرہیز کرو۔ اگر تم نے کسی کی
کہانی نقل کر کے بھیجدی اور ایڈیٹر نے نونہال میں
چھاپ دی۔ تو جن لوگوں نے وہ کہانی پہلے پڑھی
ہے۔ وہ کہینگے یہ لڑکا چور ہے چوری کر کے مضمون
چھپواتا ہے۔ بھلا پھر تمہاری کیا عزت رہیگی۔
آئندہ ششماہی میں جس نونہال کے
کے سب سے زیادہ مضمون شائع ہونگے اُسے
پانچ روپے کی کتابیں انعام میں دی جائینگی
اس سے اُتر کر جس نونہال کے مضامین چھپیں گے
اُسے چار روپے کی کتابیں ملیں گی اور تیسرے
عزیز کو تین روپے کی کتابیں دی جائینگی۔
مگر چھوٹے چھوٹے لطیفے اس مقابلہ میں
شامل نہ کئے جائینگے۔ امید ہے کہ نونہال
کے پڑھنے والے اس مقابلہ میں ایک دوسرے
سے بڑھنے کی اور انعام حاصل کرنیکی کوشش
کریں گے۔ سُدرشن

دیں گھوڑے بونے کے لئے لی تھی یہی ہم
نے آپ کے دفتر کے رجسٹر میں لکھایا تھا۔
اور سال بھر سے ہم گھوڑے اُگنے کا انتظار
کر رہے تھے۔ اب جا کر گھوڑوں کی فصل
تیار ہوئی ہے۔ اور اب یہ سوداگر ان گھوڑوں
کو اپنے بتاتا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو اس دعوے
کی تصدیق کر لیجئے۔

راجہ نے جب کاغذات منگوائے۔ تو
معلوم ہوا کہ ان کا بیان درست ہے چنانچہ
راجہ نے وہ گھوڑے ان چاروں احمقوں
کو دلوا دئے۔ سوداگر بیچارہ دیکھتا پیٹتا رہ گیا

رضا احمد جعفری

لطیفہ

اُستاد۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اگر آج ملا دوپیازہ
زندہ ہوتا تو کیا کرتا؟

شاگرد۔ جناب! اُسے بڑھاپے کی وجہ سے
پنشن مل چکی ہوتی اور وہ اسی پر بسر اوقات کرتا

محسن عباس

سر کا پیوند

وائنا دارالسلطنت آسٹریا میں ایک بایالوجی
(علم الحیات) کا تحقیقاتی دارالعلوم ہے۔ وہاں
پروفیسر فنک حشرات الارض کی زندگیوں کی
تحقیقات میں مصروف ہے حال ہی میں اس
نے دریافت کیا ہے۔ کہ جب ایک کیڑے کا
سر کاٹ کر دوسرے کیڑے کے جسم سے ملا کر
جوڑ دیا جاتا ہے۔ تو وہ جسم ایک نئے کیڑے کی شکل
میں زندہ ہو جاتا ہے اور اسی طرح نشوونما پاتا
ہے جیسا کہ وہ اصلی حالت میں تھا۔

اگر سر سیاہ کیڑے کا ہے اور جسم پیلے یا اور کسی
رنگ کے کیڑے کا تو جوں جوں وہ کیڑا بڑھتا
جاتا ہے جسم کا رنگ بھی تبدیل ہوتا جاتا ہے۔
آخر کار جسم کا رنگ بھی تبدیل ہو کر وہی رنگ اختیار
کر لیتا ہے جو سر کا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہ اگر مادہ کے جسم
کو نر کے سر کا قلم لگایا جائے تو تھوڑے دنوں میں جسم
نر کے جسم کی قدرتی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اچھی اچھی باتیں

۱۔ آج سے زیادہ کل کا فکر کرو۔

۲۔ تولہ بھر احتیاط پانچ سیر پریشانی سے بہتر ہے۔

۳۔ چال چلن ایک ایسی تصویر ہے۔ جسے بنانے میں بہت وقت صرف ہوتا ہے مگر خراب کرنے کے لئے ایک ہی لمحہ کافی ہے۔

۴۔ پہاڑ پر چڑھنا مشکل ہے مگر گرنے کے لئے کسی کوشش کی ضرورت نہیں اسی طرح ترقی کرنا مشکل ہے۔ مگر تنزّل نہایت آسان ہے۔ زمین پر رینگنا مشکل نہیں۔ مشکل ہوا میں اُڑنا ہے۔

۵۔ نفرت کا علاج محبت ہے۔

۶۔ محنت علم کی ماں ہے ترقی علم کی بیٹی ہے۔ اگر علم اور ترقی حاصل کرنا چاہتے ہو تو محنت کرو۔

۷۔ دولت اچھی چیز ہے۔ مگر نہ اتنی کہ اس کے لئے آدمی اپنا چال چلن خراب کر دے۔

۸۔ گناہ اور نیکی میں فرق یہ ہے کہ گناہ کرتے وقت دِل کانپتا ہے نیکی کرتے وقت طبیعت خوش ہوتی ہے۔

۹۔ جو شخص ہنستا نہیں وُہ گنہگار ہے۔

۱۰۔ بُرے سے بُرے آدمی میں بھی کوئی نہ کوئی خُوبی موجود ہوتی ہے۔

۱۱۔ والدین دُنیا کی سب سے بڑی برکت ہیں

۱۲۔ دولت دوست پیدا کرتی ہے مصیبت اُنہیں آزماتی ہے۔

۱۳۔ جھُوٹ متعدی بیماری ہے۔ اس سے دُور بھاگو۔

۱۴۔ سُستی ڈاکو ہے۔ اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

اندرناتھ

ایماندار تلسی

ایک شہر میں ایک غریب کواڑیا تلسی رام نامی رہتا تھا۔ جو بہت ایماندار تھا۔ یہ شخص لوگوں سے زیادہ پیسے نہ لیتا تھا۔ دوسرے کواڑیے آٹھ آنے کی چیز دو روپے کو بیچا کرتے تھے۔ مگر تلسی رام اتنا زیادہ نفع لینا گناہ خیال کرتا تھا۔ اور ایک روپے کی چیز ایک روپیہ ایک آنے سے زیادہ پر کبھی نہیں بیچتا تھا۔ اول اول تو وہ مزے میں رہا۔ اور اُس کا اور اُس کے گھر کا گزارہ ہوتا گیا۔ مگر آخر ایک دن ایسا آیا جب اُس کے ہاتھ میں پیسہ نہ رہا۔ اور وہ روٹی کے ٹکڑے کے لئے بھی محتاج ہو گیا۔ وہ سارے سارے دن دُکان پر بیٹھا رہتا تھا مگر نہ کوئی خریدار آتا۔ نہ اُس کی کوئی چیز فروخت ہوتی۔ مالک مکان کرائے کے لئے تقاضے کر کر کے تنگ آگیا۔ اور ہار کر اُس نے کہدیا۔ کہ اگر بیس تاریخ تک تم نے کرایہ نہ ادا کر دیا۔ تو تمہیں دُکان خالی کرنی پڑیگی۔ یہ سُن کر تلسی رام کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

(۲)

اٹھارہ تاریخ تک غریب تلسی کے پاس کرایہ نہ جمع ہوا۔ جو چار پیسے آتے تھے۔ کھانے پر خرچ ہو جاتے تھے۔ وہ حیران تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ آخر اٹھارہ تاریخ کی شام کو ایک امیر آدمی اُس کے مکان پر آیا۔ اور بہت دیر تک اُس کی چیزیں دیکھتا رہا۔ مگر اُسے کوئی چیز پسند نہ آئی۔ اور وہ واپس جانے لگا یکایک اُس کی نگاہ الماری کے اوپر رکھی ہوئی ایک صندوقچی پر پڑی۔ وہ جاتے جاتے رُک گیا۔ اور تلسی رام سے بولا۔ وہ صندوقچی دکھاؤ۔ تلسی رام نے صندوقچی اُتار کر اُس کے ہاتھ میں

رکھ دی اور کہا۔ دیکھ لیجئے۔ مگر میں اسے بیچ نہیں سکتا۔"

امیر آدمی نے صندوقچی دیکھی۔ تو لوٹ پوٹ ہوگیا۔ یہ نہ لکڑی کی تھی نہ لوہے کی۔ مگر بڑی خوبصورت تھی۔ اور کسی عجیب و غریب دھات کی تھی۔ اس کے پیندے پر کسی دیوتا کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ جس کے منہ سے آگ کے شعلے نکلتے معلوم ہوتے تھے۔ امیر آدمی نے کہا۔ "بولو اس کی قیمت کیا ہے؟"

تلسی رام نے جواب دیا۔ "یہ میں کسی بھی قیمت پر نہیں بیچ سکتا۔"

امیر آدمی نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ تم اس طریقہ سے اس کی قیمت بڑھانا چاہتے ہو۔ اچھا بولو کیا دوں۔"

تلسی رام نے جواب دیا۔ "میں نہیں بیچ سکتا۔"

"پچیس روپے۔"

"نہیں۔"

"پچاس؟"

"جی نہیں۔"

امیر آدمی نے ذرا رُک کر کہا۔ "چلو۔ میں ایک سو روپیہ دینے کو تیار ہوں۔"

تلسی رام کے لئے ایک ایک روپیہ مہر تھی اگر یہ سو روپیہ اُسے مل جاتا۔ تو اُسکی مصیبت کٹ جاتی۔ مگر اُس نے پھر بھی یہی جواب دیا۔ "یہ صندوقچی میری ملکیت نہیں پھر میں اسے کیسے بیچ سکتا ہوں۔"

امیر آدمی نے کہا۔ ممکن ہے۔ تم اسے بیچنے پر رضامند ہو جاؤ۔ اس لئے میں ایک دفعہ کل بھی آؤنگا۔ اس عرصہ میں جو کچھ سوچنا ہو سوچ رکھنا۔"

یہ کہکر امیر آدمی دُکان سے اُترا۔ اور گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔

(۳)

رات کو جب تلسی گھر گیا۔ تو اپنی بیوی سے

بولا۔ "تمہیں یاد ہوگا۔ پانچ چھ سال ہوتے۔ ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی رہتی تھی جس کا نام چاندرانی تھا جب اُس کی ماں مری تھی۔ تو اُسے ہم نے کتنی ہفتے اپنے پاس رکھا تھا۔"

تلسی کی بیوی نے جواب دیا "ہاں یہ واقعہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

تلسی نے کہا "تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ وہ اپنی ایک صندوقچی ہمارے پاس چھوڑ گئی۔ تھی۔ جو اُس نے آجتک نہیں منگوائی۔ آج اُسے ایک امیر آدمی خریدنا چاہتا تھا۔ مگر میں اُسے کیسے بیچ دیتا۔"

"کیا دیتا تھا؟"

"ایک سو روپیہ"

"تم نے بڑی غلطی کی۔ اُسے بیچ دیتے۔ تو وارے نیارے ہوجاتے۔ پیسہ پیسہ کو محتاج ہیں۔ ہم سے اتنی ایمانداری کیسے نبھ سکتی ہے۔ اور اب تو لڑکی کو اس کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ اور یہ بھی تو پتہ نہیں۔ کہ وہ جیتی ہے یا مرگئی۔"

تلسی نے جواب دیا "مگر جو چیز ہماری نہیں اُسے ہم کیسے بیچ دیں۔"

"اور پھر پرسوں کرائے کا کیا کروگے؟"

"جو ہوگا دیکھا جائیگا۔"

"ایمانداری نہ چھوڑوگے۔ مگر بدنامی کما لوگے۔"

"بے ایمانی سے بدنامی ہزار درجہ اچھی ہے۔"

(۴)

اتنے میں دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ تلسی نے دروازہ کھولا تو ایک۔۔۔ عورت اندر داخل ہوئی۔ تلسی نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ وہی چاندرانی تھی۔

چاندرانی نے کہا۔ "تمہارے پاس میری اک امانت پڑی ہے۔"

تلسی نے فوراً جاکر دکان کھولی۔ اور وُہ
صندوقچی لاکر چاندرانی کے ہاتھ میں رکھ دی
چاندرانی نے اُسے کھولکر پیندے پر ہاتھ
پھیرا اور تلسی سے کہا "ذرا چراغ لے آؤ"
تلسی نے چراغ سامنے کر دیا۔ اور چاندرانی
نے وہاں بنی ہُوئی تصویر کے سر پر ہاتھ رکھ
کر زور سے دبایا معاً پیندا اُوپر اُٹھ آیا۔ اور
اُس کے اندر سے ایک کاغذ نکلا۔ اُس میں
لکھا تھا کہ ہمارے مکان میں درخت کے
نیچے ایک برتن دبا ہے۔ اس میں کئی ہزار
کا زیور پڑا ہے۔ جب تمہیں ضرورت پڑے۔
نکال لینا۔

یہ چاندرانی کی ماں کے ہاتھ کی تحریر تھی
چاندرانی نے اپنے مکان کا دروازہ توڑا۔
اور درخت کے نیچے کی زمین کھودی۔ تو زیورات
سے بھرا ہوا برتن نکل آیا۔ اب اسکی خوش نصیبی
میں کیا شبہ تھا خوشی سے اُچھل رہی تھی۔

(۵)

تلسی نے چاندرانی سے سارا واقعہ کہہ سنایا
کہ کس طرح آج ایک امیر آدمی اس کے لئے
ایک سو روپیہ دے رہا تھا۔ مگر میں نے اسے
فروخت کرنے سے صاف انکار کر دیا چاندرانی
اس ایمانداری پر بڑی خوش ہُوئی اور کہنے لگی
کہ اگر آپ یہ صندوقچی بیچ دیتے تو میں تو تباہ
ہی ہو چکی تھی۔ مجھے کل میری موسی نے بتایا
کہ تمہارے پاس جو صندوقچی تھی اس کی تہ
میں کوئی کاغذ ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس
میں تمہارے لئے کوئی خاص بات لکھی ہے
اور عجب نہیں کہ اُس سے تمہاری قسمت تبدیل
ہو جائے۔ چنانچہ میں یہاں آگئی مگر میرا خیال
ہے کہ اگر آپ ایسے ایماندار نہ ہوتے۔ تو یہ
دولت مجھے کبھی نہ مل سکتی۔ اس لئے آپ کو
اس میں سے آدھا زیور لینا ہوگا"
تلسی رام نے بہت انکار کیا۔ مگر چاندرانی

نے نہ مانا۔ اور تلسی رام کو نصف زیور دیدیا۔

دوسرے دن جب یہ زیور بیچا گیا۔ تو تلسی رام کو ساڑھے سات سو روپیہ وصول ہوا۔

اگر وہ امیر آدمی کے ہاتھ صندوقچی بیچ دیتا تو اسے صرف ایک ہی سو روپیہ ملتا۔

سُدرشن

دو محترم خواتین

حضرۃ معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا آپ جب دن ہوتا تو فرماتیں یہ وہ دن ہے جس میں میرا انتقال ہوگا۔ اور اس خیال سے دن بھر نہ سوتیں، اسی طرح جب رات آتی تو فرماتیں، آہ یہی رات وہ رات ہے جس میں مَیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤنگی۔ اور اس خوف سے کہ غفلت میں موت آ جائے۔ آپ رات بھر نہ سوتیں۔ اگر نیند کا غلبہ ہوتا۔ تو اُٹھکر مکان میں ٹہلنے لگتیں۔ رات دن میں چھ سو رکعتیں پڑھا کرتی تھیں، چالیس برس تک آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ جب آپ کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ تو تمام عمر کبھی بستر پر نہ لیٹیں۔ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ اور ان سے روایتیں بھی ہیں۔

حضرت رابعہ عدویہ رضی اللہ عنہا آپ بہت غمگین رہتیں اور اکثر رویا کرتی تھیں۔ جب دوزخ کا ذکر سنتیں تو بیہوش ہو جاتیں آپ فرمایا کرتی تھیں کہ ہمارے استغفار کے لئے ایک اور استغفار کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص آپ کو کچھ دیتا تو آپ اُسے واپس فرما دیتیں۔ اور کہتیں کہ مجھے دُنیا کی کسی چیز کی ضرورت نہیں کفن ہمیشہ آپ اپنے سامنے رکھتیں۔ اور سجدے کی جگہ آنسوؤں سے تر رہتی۔

ابو محمد ثاقب

وفادار وزیر

کہتے ہیں کہ کسی بادشاہ کا ایک وزیر تھا وُہ ہمیشہ لوگوں کو قرض اس معاہدہ پر دیتا تھا۔ کہ جس روز بادشاہ مرے سب روپیہ اسی روز ادا کر دیا جائے۔ بہت سے لوگ آتے اور اسی اقرار پر روپیہ لیجاتے۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے یہ خبر بادشاہ تک پہنچائی۔ کہ حضور کا وزیر بڑا نمکحرام ہے اور حضور کی بدخواہی چاہتا ہے۔ ہر کس و ناکس کو قرض حضور کے مرنے کے وعدہ پر دیتا ہے۔

بادشاہ نے جب یہ سُنا۔ کہا کہ "مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں خود جا کر دیکھونگا۔ کہ کیا واقعہ ہے۔ اگر دراصل ایسا ہی ہے تو وزیر کو ایسی سزا دُونگا کہ وہ بھی یاد کریگا۔"

ایک روز بادشاہ بھیس بدل کر وزیر کے مکان پر گیا۔ وہاں پہنچکر ایک کمرہ میں چھپ رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وزیر ایک آدمی کو لیکر اسی کمرہ میں آیا۔ اور کہنے لگا۔ "ہاں! ہاں!! تم قرض لو۔ مَیں تمہیں دُونگا۔ لیکن جس روز بادشاہ سلامت کا انتقال ہو اسی روز سب روپیہ واپس کر دینا۔"

اس شخص نے جواب دیا۔ "جی اسی روز کیا مجال جو وقت ٹل جائے۔ ادھر بادشاہ سلامت کی جان نکلے اُدھر روپیہ حاضر۔"

وزیر بولا۔ "اچھا۔ اب تم جاؤ۔ شام کو یہ روپیہ تمہارے پاس پہنچ جائیگا۔"

وہ شخص سلام کر کے چلا گیا۔

بادشاہ نے یہ سب کیفیت دیکھی بہت ہی برہم ہُوا۔ محل پہنچکر حکم دیا کہ وزیر کو بلاؤ۔ حکم بردار فوراً دوڑے گئے۔ اور وزیر

کو سلے آتے۔ بادشاہ نے کہا۔ "کیوں صاحب آپ ہر وقت ہماری بدخواہی کے درپے ہیں۔ آج خود ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کانوں سے سُنا۔ کہ آپ ایک شخص کو قرض دیتے وقت کہہ رہے تھے جس روز بادشاہ مرے اسی روز روپیہ ادا کر دیا جائے آپ اس قابل نہیں کہ ہمارے سامنے آئیں۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو ابھی ہمارے مُلک سے نکل جاؤ۔"

وزیر نے جب یہ سُنا بولا۔ "میں حضور کا بدخواہ نہیں ہوں۔ حضور کی بھلائی کے لئے ایسا کرتا ہوں۔ حضور خود ہی جانتے ہیں۔ کہ قرضدار کو قرض ادا کرنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے۔ اور بہت ہی ناگوار گزرتا ہے۔ پس وہ ہر وقت بجائے موت کے عمر درازی کی دُعا کریں گے۔ نہ حضور مرینگے اور نہ وہ قرض ادا کریں گے۔"

بادشاہ کو یہ بات بہت پسند آئی۔ نہایت خوش ہوا۔ اور اس کو انعام واکرام دیا۔

محسن عباس

ایک عجیب جانور

وسط افریقہ کے گھنے جنگلوں میں ایک عجیب وغریب جانور پایا گیا ہے۔ اس جانور کی غذا چیونٹیاں ہیں۔ اس کی شکل چھپکلی یا گوہ کی سی ہوتی ہے لیکن دُم غیر معمولی لمبی ہوتی ہے۔ اس کو پین گولن کہتے ہیں اس کی لمبائی ایک فٹ سے لیکر ۳ فٹ تک ہوتی ہے۔ اس جانور میں سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جہاں کھٹکا ہوتا ہے وہ سمٹ سمٹا کر گیند کی طرح گول ہو جاتا ہے۔ اپنے پورے جسم پر دُم کو لپیٹ کر چھپا لیتا ہے۔ اور گیند کی طرح لڑھکتا ہوا خطرہ کی جگہ سے بھاگ جاتا ہے۔

دلچسپ معلومات

آسٹریلیا خود ایک چھوٹی سی دنیا ہے جس میں بے شمار عجیب و غریب چیزیں ہیں۔ مثلاً یہاں کے پھول جو مخمل سے زیادہ ملائم ہوتے ہیں لیکن ان میں کسی قسم کی خوشبو نہیں' اور بہت سے ایسے درخت ہوتے ہیں جن کے پتّوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔ بہت سے چوپائے ایسے ہوتے ہیں۔ جو انڈے دیتے ہیں۔ یہاں ایک ایسا جانور بھی پایا جاتا ہے جس کے پچھلے پاؤں تو بہت بڑے ہوتے ہیں لیکن اگلے پاؤں اسقدر چھوٹے کہ اگر تم اسے دیکھو تو بہت ہنسو۔ اس کا نام کانگرو ہے۔

پرندوں میں کیمو سب سے زیادہ عجیب ہے۔ جس کے بجائے پروں کے بال ہوتے ہیں۔ اور بہت سے پرندے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جو بجائے اڑنے کے زمین پر تیزی سے دوڑتے ہیں۔ طوطے طرح طرح کے ہوتے ہیں جن کے رنگوں کا کوئی شمار نہیں ہو سکتا۔

یہاں کی بطخیں سیاہ ہوتی ہیں۔

آئس لینڈ حالانکہ ایک چھوٹا سا ملک ہے مگر یہاں کے باشندے تیز فہم اور سمجھدار ہوتے ہیں۔ یہاں تمام سال برف پڑتی رہتی ہے اس لئے کاروبار بہت کم ہوتے ہیں۔ ریل سڑکیں اور پل برف کی وجہ سے بہت کم ہیں۔ اس لئے کہ لوگ گزر ہی نہیں سکتے۔ کھانے پینے اور زندگی کی دوسری چیزیں سب باہر سے آتی ہیں۔ یہاں راتیں بہت بڑی ہوتی ہیں اور لوگ اپنا وقت زیادہ تر پڑھنے لکھنے میں صرف کرتے ہیں۔ اگر ان کا لکھنے پڑھنے کا شوق اسی طرح قائم رہا تو یہ چھوٹی سی قوم ایک نہ ایک دن علم کا چاند بن کر آسمان پر چمکے گی۔

شیام کشور

احاطۂ قدرت میں ہیں۔ بغیر حکم اس کے کچھ بھی نہیں
ہوسکتا۔ امیر کو غریب کر دینا، غریب کو صاحبِ حشمت
بنا دینا اس کا ادنےٰ کھیل ہے۔ وہ ایسا قوی
اور قادر ہے کہ ذرّہ کو مانند پہاڑ کے کر دے
اور پہاڑ کو چاہے تو پھونک مار کر اُڑا دے۔
اسے اپنے بندوں کا ہر وقت خیال رہتا ہے
اور وہ ہر وقت اپنے بندوں کی نگہبانی کرتا
ہے۔ جب تم کسی چیز کے لئے دوسروں کی
خوشامد کرتے ہو۔ یا ایسا فعل کرتے ہو جس کا
کرنا ناجائز ہے۔ تو وہ ناخوش ہوتا ہے۔ کیونکہ وُہ
فرماتا ہے "اے میرے بندے میرے ہوتے
ہُوئے بھی تو دوسروں کے آگے دستِ سوال
دراز کرتا ہے۔ اور مجھ سے نہیں مانگتا۔ اگر تو
مجھ سے مانگتا تو کیا ہم تجھے نہ بخشتے۔ کیا تجھے
شرم بھی نہیں معلوم ہوتی۔ جو دوسروں کے
آگے دستِ سوال دراز کرتا ہے۔ ہم تو تجھے
ہر نعمت بخشنے کو تیار ہیں۔ اور تو ہم سے اسقدر
برگشتہ خاطر ہو رہا ہے جو بھاگا بھاگا پھر رہا ہے میرے
پاس آ۔ اور مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کر اور اپنا
دُکھ درد بیان کر، مَیں تو تیرے ساتھ ہی رہتا
ہوں۔ سایہ بھی آدمی کا چلتے وقت جدا ہو جاتا
ہے لیکن مَیں جُدا نہیں ہوسکتا۔ اگر تو مجھ سے
ملنا چاہے تو گوشۂ دل میں ڈھونڈھ، مَیں ضرور
تجھے مل جاؤنگا۔ تو اس بات کو تحقیق جان کہ
ہماری بخشش کا دروازہ آٹھوں پہر کھلا رہتا
ہے۔ اگر تو پھر بھی نامراد جاتا ہے تو یہ تیری غلطی
ہے۔ ہم کسی کے سوال کو رد نہیں کرتے۔ تو عاجزی
اور انکساری سے ہم سے مانگ اور ہمیں صبح و شام
یاد دلاتا رہ۔ ہم ضرور بخشینگے۔ کیونکہ ہمارا نام
غفور الرحیم ہے۔ پس اے میرے بھولے نونہالو
جو کچھ تم کو چاہئے وہ خُدا سے مانگو۔ سوا اس کے
اور کوئی دینے والا نہیں ہے۔ بقول شخصے ؎
نہ کس میدہاند نہ کس میدہد۔ خدا میدہاند خُدا میدہد

ہر نراین لال

ابرہہ اور عبد المطلب

یمن کے ایک عیسائی حاکم نے جسکا نام ابرہہ تھا۔ اپنے پایہ تخت صفا میں ایک بہت بڑا گرجا بنوایا۔ اور دنیا کی قیمتی اور نایاب چیزیں منگواکر اس کو سجایا اور اپنے دل میں یہ پکّا ارادہ کیا۔ کہ وہ مکّہ معظمہ میں خود جاکر خانہ کعبہ پر حملہ کردے۔ اور قبضہ جماکر اس کی جگہ اس گرجا کو مرجع بنائیگا۔

ابرہہ چاہتا تھا کہ کسی طرح خانہ کعبہ پر قبضہ ہو جائے۔ تو اپنے دل کا بخار نکالے۔ اس لئے اصل میں یہ لڑائی ابرہہ اور مکّہ کے لوگوں کی نہ تھی۔ بلکہ یہ توحید اور تثلیث میں ایک بہت بھاری جنگ کی ابتدا تھی۔

ابرہہ اس فضول خیال کو اپنے دماغ میں جگہ دیکر ایک عظیم الشان لشکر لیکر خانہ کعبہ پر چڑھ آیا جب اس مقدس شہر سے صرف تین میل کے فاصلہ پر رہ گیا۔ تو ڈیرا جما اپنے ایک ایلچی کے ہاتھ شہر کے باشندوں کو کہلا بھیجا کہ میری نیّت صرف خانہ خدا کو گرانے کی ہے۔ اگر تم میرا مقابلہ نہ کرو تو میں شہر والوں سے کچھ نہ کہونگا۔ ورنہ یاد رکھو تمہارے گھروں کو بھی جلا کر خاک سیاہ کردونگا"۔

ابھی ایلچی واپس نہ آیا تھا کہ عبد المطلب کے کچھ اونٹ ابرہہ کی فوج کے سپاہیوں نے پکڑ لئے۔ اس لئے وہ خود اس عیسائی بادشاہ کے پاس گئے۔ ابرہہ ان کا رعب وداب والا پُر نور چہرہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اُس نے ان سے کہا۔ "آپ میرے دربار میں کیوں آئے ہیں؟"

آپ نے فرمایا "تمہاری فوج کے چند شریر سپاہیوں نے میرے کچھ اونٹ گرفتار کر لئے

ہیں۔ان کو آزاد کر دیا جاتے۔"

ابرہہ حیران ہو کر کہنے لگا۔" تم کو اپنے اونٹوں کی فکر پڑی ہے۔ اور میں تمہاری مقدس جگہ کو گرانے آیا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ تم نے مجھ سے یہ التجا کیوں نہ کی۔ کہ میں کعبہ کو گرانے کے ارادہ سے باز آؤں۔ اور واپس چلا جاؤں۔ واہ! دشمن تمہارے سروں پر عقاب کی طرح موقع کا منتظر ہے۔ اور تم نے اپنے اونٹوں کی رٹ لگا رکھی ہے۔"

آپ نے یہ سنکر فرمایا۔" اونٹ میرا مال ہے۔ اور خانہ کعبہ خدا کا۔ جس طرح میں اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوں۔ اسی طرح وہ اپنے گھر کی حفاظت کریگا۔"

چنانچہ یہی ہوا۔ اس لشکرِ جرار میں وبا پھیل گئی۔ جس سے فوج کا ایک بڑا حصّہ تباہ ہو گیا۔ باقی جو بچے بدحواس ہو کر بھاگے۔ خداوند تعالےٰ نے ان بھگوڑوں پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اور جتھوں کے جتھے بھیجے۔ جو ان کو چھوٹے چھوٹے پتھروں سے موت کا نشانہ بناتے تھے۔ خدا کے حکم سے ان کا ہر ایک پتھر نشانہ پر بیٹھتا تھا۔ اور مرغ روح ساتھ ہی فنا ہو جاتا تھا۔ جب کُل فوج فنا و برباد ہو گئی۔ اور ان میں سے کوئی بھی نہ بچا۔ تو پرندوں نے ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھاتے بھوسے کی طرح تار تار کر دیا۔ بس یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ کسی نے گوشت کو روئی کی طرح دھنک دیا ہے۔

ابرہہ خدا کے گھر کو مٹانے آیا تھا خود مٹ گیا۔ توحید جب تثلیث کے سامنے آئی تثلیث کو تباہ کر کے ہی گئی۔

یہ نشان حضرت محمدؐ کی پیدائش سے چند روز پہلے دکھا دیا گیا۔ تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے۔ کہ مسلمانوں کی اس مقدس جگہ اور خدا کے گھر کو کوئی ہاتھ تک نہیں لگا سکتا۔

محمد ابراہیم

ایک برہمن اور زمیندار

ایک برہمن سوچیت نامی دریائے راوی کے کنارے اشنان کرنے جایا کرتا تھا۔ راستے میں گنے کا ایک کھیت تھا۔ یہ گنے کے کھیت کے پاس جاکر کہتا تھا۔ "تو سُن گنے کے کھیت تجھ سے کہتا پنڈت سوچیت۔ دو چار گنے توڑ لیں ؟"

پھر دو منٹ ٹھہر کر خود ہی جواب دیتا۔

"ہاں مہاراج سات آٹھ توڑ لیں۔" پھر کھیت میں جاکر سات آٹھ گنے توڑ لیتا۔ اور مزے سے چوستا۔

کسان ہر روز دیکھتا تھا۔ کہ بلاناغہ سات آٹھ گنے غائب ہو جاتے ہیں۔ آخر ایک دن اُس نے یہ تجویز کی۔ کہ چھپ کر چور کو پکڑے لہٰذا وہ رات کو جاکر کھیت میں چھپ رہا۔ علے الصباح کیا دیکھتا ہے کہ ایک برہمن کھیت پر آکر کہہ رہا ہے۔ "تو سُن گنے کے کھیت تجھ سے کہتا پنڈت سوچیت۔ دو چار گنے توڑ لیں ؟" اور خود ہی جواب دے دیا کہ ہاں پنڈت جی سات آٹھ توڑ لو۔ مگر ابھی گنے توڑنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ کہ کسان نے پکڑ کر گلے میں رسّا ڈال لیا۔ اور دریائے راوی کے کنارے جاکر کہنے لگا۔ "سُن تو پانی ٹھنڈے مٹھار۔ تجھ سے پوچھے جاٹ ستار دو چار غوطے دے لیں ؟"

پھر دو منٹ کے بعد خود ہی جواب دیا۔ "ہاں چودھری ! کیا حرج ہے۔ سات آٹھ غوطے دے لیں۔"

یہ کہہ کر پنڈت جی مہاراج کو آٹھ دس غوطے دیئے۔ پھر تو پنڈت جی نے جاٹ سے بڑے عجز سے معافی مانگی اور کہا کہ مجھ

سے بڑی غلطی ہوئی۔آئندہ کے لئے وعدہ کرتا
ہوں کہ تیرے کھیت کو ہاتھ بھی نہ لگاؤنگا اور
نہ کبھی کسی دوسرے کے کھیت سے گنّے توڑونگا
تونے مجھے جو سبق دیا ہے۔ اسے کبھی نہ بھولونگا

محمد انور

اچھّی اچھّی باتیں

(۱) علم دو قسم کا ہے۔ ایک نقلی اور دوسرا عقلی
علم نقلی کچھ فایدہ نہیں دیتا جبتک علم عقلی
حاصل نہ ہو۔ (یعنی محض کتابیں رٹ لینا
کافی نہیں ہوتا۔ جو کچھ پڑھا جائے اس کو
سمجھ کر پڑھنا چاہیے)

(۲) دو بھوکے ایسے ہیں جو کبھی سیر نہیں
ہوتے۔ ایک طالب علم اور دوسرا طالب دُنیا

(۳) جھُوٹ بولنا ایک بہت بُرا فعل ہے۔

(۴) جھُوٹ جہاں نفع بھی پہنچارہا ہو، وہاں
راست گوئی کو اختیار کرنا چاہیے۔ گو سچائی
نقصان ہی پہنچائے۔ اور اسی قدر بیان کرنا
چاہیے جسقدر کہ علم ہو۔

(۵) دوست اگر حاسد ہو تو صاف ظاہر ہے
کہ اس کی دوستی اور اُلفت بے لاگ نہیں ہے۔

(۶) نادان اور جاہل کے مقابلے میں بردباری
اختیار کرنے سے دوستوں اور مددگاروں
میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۷) میانہ روی سے دُشمن مغلوب ہوجاتے
ہیں۔

(۸) شرم و حیا کرنے والے کے عیب نہیں
نکالے جاتے۔

(۹) طمع کرنے والا ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

(۱۰) تواضع اور فروتنی سے نعمتوں کی تکمیل
ہوتی ہے۔

(۱۱) احسان اور اکرام سے مرتبہ زیادہ ہوتا ہے

(۱۲) بہترین تونگری یہ ہے کہ اپنی آرزوؤں
کو ترک کردیا جائے۔ محمد فضل الرحمٰن

لندن کی مشہور عمارتیں

پیارے لڑکو! غالباً تم میں سے ہر لڑکے نے لندن کا نام سُنا ہوگا۔ یہ دُنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہاں بہت سی مشہور اور قابلِ دید عمارتیں ہیں۔ جن کا ہم مختصر طور پر یہاں ذکر کرتے ہیں۔

پارلیمنٹ :۔ اس عظیم الشان عمارت کو "نیو پیلس آف ویسٹ منسٹر" بھی کہتے ہیں سنیچر کے دن دس بجے سے چار بجے تک ہر شخص اسے دیکھ سکتا ہے۔ مگر دیکھنے سے پہلے معمولی طور پر وہاں کے ایک افسر سے اس کی اجازت لینا پڑتی ہے۔ جس کا دفتر وکٹوریا ٹاور کے مشرقی حصے میں ہے۔ پارلیمنٹ کے دو حصے ہیں۔ اُوپر کے حصے کو ہوس آف لارڈس کہتے ہیں۔ اور نیچے کے حصے کو ہوس آف کامنس کہتے ہیں۔ اجنبی آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے دونوں حصوں میں گیلریاں بنی ہُوئی ہیں۔ جو شخص ان پر بیٹھکر پارلیمنٹ کی کارروائی دیکھنا چاہے اُس کے لئے داخلہ کا ٹکٹ لینا ضروری ہے۔

جب کوئی نیا شخص اندر جانے لگتا ہے تو دربان نہایت ادب سے اُس سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اپنا نام اور پتہ لکھتا جائے۔ پارلیمنٹ میں لیڈیوں کے لئے بھی علیحدہ ایک جگہ بنی ہُوئی ہے۔ جہاں بیٹھنے کے لئے انہیں ایک ہفتہ پہلے درخواست بھیجنا پڑتی ہے۔

ویسٹ منسٹر ہال :۔ یہ کمرہ دُنیا میں سب سے بڑا کمرہ شمار کیا جاتا ہے۔ اور یہ قدیم ویسٹ منسٹر کے محل کا ایک حصّہ ہے۔ اور اب ایک طرح سے پارلیمنٹ کی دہلیز ہے۔ اس ہال کو عام طور پر

روزانہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔

رائل کورٹس آف جسٹس (شاہی عدالتیں)
یہ عدالتیں "لنکولن ان" کے جنوب اور "سینٹ کلیمنٹ ڈینس" اور "گرفن" کے درمیان میں واقع ہیں۔ یہ عمارتیں قدیم گاتھک زمانہ کے وضع قطع کی بنی ہوئی ہیں۔ اور انکے آگے ایک نہایت وسیع صحن ہے۔

مینار:۔ ہر روز دس بجے سے چار بجے تک کھلا رہتا ہے جس کا جی چاہے سیر کرے۔ البتہ اسلحہ خانہ اور کراؤن جولس دیکھنے کے لئے چھ چھ پنس کے ٹکٹ لینے پڑتے ہیں۔ اسی کے قریب میٹروپولٹین ریلوے کا بہت بڑا اسٹیشن ہے۔

شاہی ٹکسال:۔ یہ ٹکسال ٹاور ہل کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ جسے ٹکسال کے ڈپٹی ماسٹر کی اجازت پر دیکھا جا سکتا ہے سیر کرنے والوں کو اپنا پتہ صاف و خوشخط لکھ کر درخواست دینی پڑتی ہے اسپر افسر ٹکسال دن مقرر کر کے اجازت دے دیتا ہے۔

ٹرینیٹی ہوس:۔ یہ بھی ٹاور ہل پر واقع ہے اس میں نامی اور مشہور افسروں کی تصویریں رکھی ہوئی ہیں' لائٹ ہوس' (یہ روشنی کے کھنبے ہوتے ہیں جو بھٹکے ہوئے جہازوں کو راستہ بتاتے ہیں) اور لائف بوٹ (جن پر طوفان کے وقت مسافر جہاز سے اتار کر سوار کئے جاتے ہیں) کے بہت عمدہ نمونے یہاں رکھے ہوئے ہیں۔

گلڈ ہال:۔ اس کا دروازہ تمام دن کھلا رہتا ہے۔ اور ہر شخص بلا اجازت مفت دیکھ سکتا ہے۔ اس کے متعلق عجائب گھر' کتبخانہ اور پڑھنے کا ایک وسیع کمرہ' میونسپلٹی کی طرف سے ایک تصویر گاہ بھی ہے۔

سید ابو محمد ثاقب

لوہے کو لوہا کاٹتا ہے

(سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۲۸)

" یہ گھاس کے انبار پر کون ہے ؟"

مسٹر ہیگ نے کچھ جواب نہ دیا اور چپکے سے بگلے کو پکڑ کر تھیلے میں بند کر لیا۔ اتفاق سے بگلے نے آواز تک نہ نکالی۔

کسان نے پھر پوچھا۔" اوپر کون ہے ؟"

ہیگ دھم سے زمین پر کود پڑا اور بولا۔ " جناب آپ نے تو مجھے ڈرا دیا ہے۔"

کسان نے پوچھا " تم کون ہو؟"

ہیگس نے جواب دیا۔" میں مسافر ہوں دن بھر کا تھکا ہارا منزل مقصود سے بھٹک کر اس طرف آنکلا۔ مگر کوئی خدا کا بندہ اپنے گھر میں رات بسر کرنے ہی نہیں دیتا۔ ابھی دیکھئے اس سامنے والے مکان سے ناکام لوٹا ہوں ناچار تنگ آکر آسمان تلے بچھونا کر لیا ہے فرمایئے آپ کیا کہتے ہیں ؟"

کسان بولا۔" مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ آپ کون ہیں۔ آیئے میرے مکان پر چلئے۔ جو روکھی سوکھی ہوگی آپ کے سامنے رکھ دونگا۔"

ہیگ کو اور کیا چاہئے تھا وہ کسان کے پیچھے پیچھے اس کے گھر چلا گیا۔

کسان کی بیوی کی جان تو ہیگ کو دیکھتے ہی نکل گئی لیکن جب دیکھا کہ دونوں بولتے نہیں تو جان میں جان آگئی۔ اور آنکھیں جھکا کر بولی۔" آیئے تشریف لایئے۔"

دونوں اندر جاتے ہی میز پر بیٹھ گئے۔ اور کسان نے بیوی کو کھانا چننے کا حکم دیا اور اس نے فوراً کھانا لا کر رکھ دیا۔ مگر یہ وہ کھانا نہ تھا جو پادری کھا رہا تھا۔ ایک پیلے میں ساگ

تھا۔ اور کچھ اُبلے ہوُئے آلو۔ یہ دیکھتے ہی ہیگ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ کبھی وُہ عورت کی طرف دیکھتا اور کبھی کھانے کی طرف آخر دانت پیس کر بولا" وہ میرا تھیلا کہاں ہے؟!"

یہ کہہ کر وہ نیچے جُھکا۔ تھیلا پیروں کے پاس پڑا تھا۔ اُس نے اس کو زور سے ایک ٹھوکر لگائی۔ اندر سے بگلا بولا" ٹک ٹک"

کسان کئی دنوں کا بُھوکا معلوم ہوتا تھا۔ وہ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ اور بڑے بڑے لقمے اپنے مُنہ میں ڈالنے لگا۔ ہیگ نے کسان سے کہا۔" یہ کھانا کیوں کھاتے ہو۔ مَیں تمہیں بڑا عمدہ کھانا کھلاؤنگا۔"

کسان نے حیرت سے ہیگ کی طرف دیکھا۔ ہیگ نے تین چار دفعہ بوٹ کی ایڑی تھیلے پر ماری۔ اور بگلا چُم چا چُم چا کرنے لگا۔ کسان کھانا بھُول گیا اور ہیگ سے کہنے لگا" تمہارے تھیلے میں کیا ہے؟"

ہیگ نے جواب دیا" جناب یہ معمولی تھیلا نہیں۔ جادو کا ہے جادو کا۔ ذرا اس کی آواز تو سُنئے۔ کہتا ہے یہ کھانا نہ کھاؤ۔ اور اندر جاکر سرپوش اُٹھاؤ۔ وہاں بُھنی ہوُئی مچھلی رکھی ہے اُس سے پیٹ بھرو"

کسان بھاگم بھاگ دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں سچ مچ مچھلی رکھی تھی۔ اُس نے وہ چیزیں لاکر میز پر چُن دیں۔ پھر تو دونوں مزے سے کھانے لگے۔ کسان خوش ہو ہو کر مُنہ میں مچھلی ڈالتا تھا۔ اور ایک نظر ہیگ کے تھیلے کی طرف بھی دیکھتا جاتا تھا۔ آخر کچھ دیر کے بعد کہنے لگا" بھئی تمہارا تھیلا عجیب وغریب ہے۔ ایسا طلسمی تھیلا مَیں نے کبھی نہیں دیکھا۔ آج اس نے ایسی اچھّی اچھّی چیزیں کھلائی ہیں۔ کہ میری بھُوک چمک اُٹھی ہے۔ اب کچھ اور منگواؤ۔

ہیگ نے تھیلے کو پھر ایک ٹھوکر ماری۔

اور کہا۔" کہتا ہے۔ اس پردے کے پیچھے قسم قسم کے کھانے رکھے ہیں۔ جاؤ اُٹھا لاؤ۔"

کسان کی بیوی نے یہ سُنا۔ تو خود اندر گئی اور کھانے نکال لائی۔ اُسے خطرہ تھا کہ کہیں سارا راز نہ کھُل جائے۔

اس کے بعد ہیگ نے اپنے تھیلے کو ایک اور ٹھوکر لگائی۔ اور جب بگلا چیخ چکا۔ تو بولا۔" جاؤ میرے تھیلے کے حکم سے باورچیخانے میں سوڈا واٹر کی بوتلیں پڑی ہیں وہ اُٹھا لاؤ۔"

کسان کی بیوی نے یہ حکم سر آنکھوں پر رکھا اور جلدی سے باورچیخانے میں جا کر بوتلیں اُٹھا لائی۔

کسان نے اب للچائی ہوئی نظروں سے تھیلے کی طرف دیکھا۔ اور ہیگ سے کہا۔

" کیا تمہارا تھیلا صرف روٹی ہی کھلا سکتا ہے؟"

ہیگ۔" نہیں! یہ سب کچھ کر سکتا ہے!"

کسان۔" میں شیطان دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔ اگر دکھا دو تو مُنہ مانگی مُراد پاؤ۔"

ہیگ۔" اچھا اگر تم ایک ہزار اشرفی ابھی گنا دو تو تمہیں شیطان دکھایا جا سکتا ہے۔

کسان نے فوراً اشرفیاں لا کر رکھ دیں۔ ہیگ نے تھیلے کو ٹھوکر لگائی۔ اور اُس میں سے بگلے نے کہا۔" چخم چا چخم چا" یہ سُنکر ہیگ نے ایسا ظاہر کیا گویا وہ بڑا ڈر گیا ہے۔ اور کہنے لگا۔ آپ نے سُنا میرا تھیلا کیا کہتا ہے یہ کہتا ہے۔ میں شیطان تو دکھا سکتا ہوں۔ لیکن اُس کی مکروہ صورت نہ تم دیکھ سکو گے نہ میں۔ اور تم تو اُسے اپنے گھر میں برداشت نہ کر سکو گے۔ تم ڈر جاؤ گے"؟

" نہیں! نہیں میں نہیں ڈرونگا۔ اس کی صورت کیسی ہوگی؟"

ہیگ نے کہا اُس کی شکل ایک پادری کے مانند ہوگی۔ کیا تُم اس کو دیکھ سکو گے؟

کسان زمین سے اُچھلا اور کہنے لگا "ہاں!
تب تو وہ ضرور بدصورت ہوگا۔ میں پادری کا
جانی دشمن ہوں لیکن خیر آج میں سب کچھ
برداشت کر لونگا۔ پُرانی عداوت چھوڑ دوں گا۔
ہاں! ہاں میں بہادر ہوں۔ مجھ میں طاقت ہے
لیکن اس کو میرے قریب نہ آنے دینا۔ ورنہ۔۔۔"

ہیگ نے کہا "بھائی تقریر کیوں کرتے
ہو۔ پہلے مجھے اپنے تھیلے سے پُوچھ لینے دو
پھر جوش میں آنا۔ پس اس نے یہ کہتے ہی تھیلے
کو ٹھوکر ماری اور جُھک کر اپنا کان اس کے
ساتھ لگا دیا۔

کسان میں بھلا صبر کہاں تھا۔ اس نے
بے چینی سے سر ہلاتے ہوئے لاٹھی پکڑ کر کہا۔
"اب یہ کہتا کیا ہے؟"

ہیگ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ "کہتا ہے
کہ گھر کا مالک خود جا کر اس سامنے والے صندوق
کا ڈھکنا اُٹھائے۔"

کسان کی بیوی مُردوں سے بدتر میز کا سہارا
لئے کھڑی تھی۔

کسان نے ہیگ سے التجا کرتے ہوئے
کہا۔ "بھائی آنا مجھے مدد دینا کہیں وہ میرا
گلا نہ پکڑ لے۔" اور یہ کہہ کر وہ صندوق کی طرف
بڑھا جس میں اس کی بیوی نے غریب پادری
کو چھپا رکھا تھا۔ بیچارے کا عجب حال تھا
زندگی سے بیزار تھا۔ کسان نے ڈرتے ڈرتے
لاٹھی پھینک کر ڈھکنا دونوں ہاتھوں سے
اُٹھایا اور صندوق میں جھانک کر دیکھا۔

فوراً ہی کسان کا چہرہ زرد پڑ گیا اور وُہ یہ
کہتا ہُوا پیچھے ہٹا کہ یہ بدذات تو ہمارے
ہی گاؤں کے گرجے کا ڈاکو ہے۔ اور سچ مچ
شیطان۔"

جب اُسے کچھ تسکین ہُوئی تو پھر کہنے لگا۔
"بھائی اپنا قیمتی تھیلا بیچ دو۔ مَیں خریدنے
کو تیار ہوں۔ جو قیمت مانگو گے مَیں دے دُونگا

لو مَیں خود ہی قیمت لگاتا ہوں۔ ایک بڑا تھیلہ
سونے کی اشرفیوں سے بھرپور۔ بولو منظور
ہے یا نہیں؟"
ہیگ نے جواب دیا۔ "نہیں مَیں اسے
بیچنا نہیں چاہتا۔ آپ جانتے ہیں کہ اسکے
ذریعے کیا کچھ کما سکتا ہوں۔ جناب اس سے
دُنیا خرید سکتا ہوں۔"
کسان منت سماجت کرنے لگا۔ "بھائی
مجھے دے دو۔ مَیں اس کو ضرور خریدنا چاہتا
ہوں؟"
آخر ہیگ نے کہا۔ "آپ نے مجھے رات
کو آرام دیا۔ اور گھر میں لاکر بڑی مہمان نوازی
میری کی۔ اس لئے آپ کا احسان مجھ پر ہے۔
مَیں آپ کو خُشک جواب دینا نہیں چاہتا
لائیے مجھے ایک تھیلا سونے کی اشرفیوں
کا عنایت کیجئے لیکن یہ یاد رکھئے۔ کہ
ایک کوڑی کم نہ ہو۔"

کسان نے جواب دیا۔ "صاحب آدھی بھی
کم نہ ہوگی۔ صرف مجھ پر یہ احسان اور کیجئے کہ
اس صندوق کو بھی اپنے ساتھ ہی لیتے جایئے
مَیں آپ کو ایک بیل گاڑی بھی دُونگا جس میں
آپ سونا اور یہ صندوق رکھ سکینگے مَیں اِس
بدمعاش شیطان کو ایک لمحہ بھی یہاں نہیں
رکھنا چاہتا۔"
دوسرے دن صبح ہی کسان نے ہیگ کو
ایک سونے کا تھیلہ دیا۔ اور ایک بیل گاڑی
ہیگ جھٹ پٹ رُخصت ہوگیا۔ اور چلتا چلتا
ایک دریا کے پُل پر پُہنچا۔ درمیان میں پُہنچ اس
نے گاڑی ٹھیرالی۔ اور زور سے پُکار کر کہا۔ "یہ دریا
بڑا لمبا چوڑا ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ کوئی
اس میں تیرنے کا حوصلہ نہیں کرسکتا۔ میرے
پاس شیطان والا صندوق ہے۔ اس کو اس
میں بہا دیتا ہوں۔ آج سے دُنیا اس کے
ناپاک وجود سے پاک ہوجائیگی۔ (باقی پھر)

قیمت سالانہ پانچ روپے — رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ — قیمت ششماہی ۳ فی پرچہ ۲

جلد ۴ — فہرست مضامین نونہال بابت ۲۹ جنوری ۱۹۲۴ء — نمبر ۴

زرو ڈری پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام [illegible] چھپا اور دارالاشاعت [illegible] سے [illegible] شائع کیا

دلچسپ معلومات

انسان پہلے کیا تھا؟ رسالہ لانسٹ میں جو دنیا کا سب سے بڑا طبی رسالہ ہے۔ ایک ڈاکٹر نے لکھا ہے۔ کہ انسان اصل میں چوپایہ تھا۔ اور چونکہ پہلے چار پاؤں سے چلتا تھا۔ اور بعض عارضی اسباب کی وجہ سے اُس نے دو پاؤں پر چلنا اختیار کیا ہے۔ اسلئے اس کی موجودہ چال طبی حالت کے خلاف ہے۔ اس ڈاکٹر کی رائے میں انسان کے جسم کی ساخت اور نظام عصبی اس قسم کا نہیں۔ کہ انسان کھڑا ہو کر چلے۔ ڈاکٹر صاحب یہ تجویز پیش کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کو چاہیے۔ کہ کبھی کبھی وہ جانوروں کی طرح چار ہی پاؤں سے بھی چلا کریں۔ دیکھیں یورپ کے گورے آدمی اس تجویز پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔

بیرسٹر عورت۔ عنقریب مس ٹاٹا صاحبہ جن کا پورا نام مس متھن اردشیر ٹاٹا ہے۔ انگلستان سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے ہندوستان واپس آ رہی ہیں۔ سُنا ہے کہ وہ مدراس ہائیکورٹ میں پریکٹس کریں گی۔

موٹروں کی تعداد:۔ اس وقت تمام دُنیا میں (سوائے ایشیا کے) موٹروں کی تعداد حسب ذیل ہے:

ملک	تعداد
امریکہ	۱۰۵۰۵۶۶۰
انگلستان	۴۹۷۵۸۶
کناڈا	۴۶۳۴۴۸
فرانس	۲۳۶۱۴۶
جرمنی	۹۱۳۸۴
ارجنٹائن	۷۵۰۰۰
اٹلی	۵۳۰۰۰
اسپین	۳۷۰۰۰
روس	۳۵۰۰۰

نقشہ بالا سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ کے پاس سب سے زیادہ موٹر ہیں۔ محمد بشیر الدین

نیک بنو
فکر کیا ہے اگر لکھے پڑھے ہیں نہیں ہم تم
ایک دن محنت سے پوری یہ کمی ہو جائے گی
نیک اطواری و نیکی سے اگر رغبت نہیں
یہ کمی پوری نہ ہوگی اور مصیبت لائے گی
تلوک چند محروم

جوانمردی

(۱)

طفیل ایک غریب مزدور تھا۔ تمام دِن محنت و مشقت کرتا تب کہیں شام کو جاکر اُسے دس بارہ آنے کے پیسے ملتے۔ کسی دِن اگر ناغہ ہو جاتا تو اُسے بڑا صدمہ ہوتا۔ اتنی قلیل رقم میں ایک بیوی اور ایک بچّہ کا بڑی مشکل سے گزارہ ہوتا تھا۔ اور کئی دفعہ تو فاقہ تک کی نوبت آجاتی تھی۔

طفیل اگرچہ نادار تھا۔ مگر عقلمند اور سمجھدار تھا۔ وہ خود لکھا پڑھا نہ تھا۔ مگر تعلیم سے اُسے دلی لگاؤ تھا۔ وہ اپنی اس حالت پر ہمیشہ افسوس کیا کرتا تھا۔ اُس کا بیٹا جب پانچ سال کا ہو گیا۔ تو اُس نے بڑے شوق سے اُسے ایک امری سکول میں داخل کرا دیا۔

صادق روزمرہ مدرسے جاتا اور بڑی محنت سے پڑھتا تھا۔ وہ بڑا ذہین تھا۔ جماعت میں ہمیشہ اوّل نمبر رہتا تھا۔ کیا مجال جو سال میں ایک دن بھی سکول سے غیر حاضر ہو جائے اُستاد اُس سے بڑے خوش تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُس نے دو ہی سال میں تیسری جماعت کا امتحان پاس کر لیا۔ ماں باپ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔ وہ صادق کو دیکھ کر دنیا کی تمام مصیبتیں اور غم بھول جاتے تھے۔

(۲)

ایک دِن صادق نے باپ سے پیسہ کے لئے ضد کی تو طفیل نے کہا صادق تم بڑے ضدّی ہو۔ کچھ ہماری غریبی کا بھی خیال کیا کرو۔ پڑھے لکھے ہو کر ایسی حرکتیں نہ کیا کرو۔ جن سے ہمیں رنج پہنچے۔ خُدا کے فضل سے اب چوتھی جماعت میں ہو۔ جان بوجھ کر نادان نہ بنو۔ خُدا کا شکر نہیں کرتے کہ دو وقت روٹی نصیب

ہو جاتی ہے۔

صادق نے جواب دیا۔ابّا جان آج تیسرا دِن ہے۔ نہ کل پیسہ دیا نہ پرسوں۔اور آج بھی آپ انکار کر رہے ہیں۔مگر مَیں تو پیسہ لے کر رہونگا۔

طفیل۔بیٹا اس وقت میرے پاس کوئی پیسہ نہیں ہے۔آج کا دِن اور معاف کر دو۔کل دو پیسے لے لینا۔

صادق۔مگر آپ تو روز کل کہہ کر ٹال دیا کرتے ہیں مَیں کیسے اعتبار کروں۔بھلا ایک پیسہ بھی کوئی بات ہے۔

طفیل۔اوہو۔تم ایسے بدگمان ہو رہے ہو اگر یقین نہیں آتا تو اپنی امّاں سے پُوچھ لو۔ روز دُکاندار سے سودا اُدھار لا کر کھانا تیار کرتی ہے۔آہ اِس بیماری نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔بیٹا خُدا سے دُعا مانگو کہ مجھے جلد صحت دے۔ورنہ خدا جانے کس مُصیبت کا سامنا ہو۔یہ کہتے کہتے اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔

صادق باپ کی یہ دردناک داستان سُنتے ہی بے چین ہو گیا۔محبتِ پدری سے خون جوش میں آگیا۔اور اُس کا ننھّا سا دِل دُکھ گیا۔وہ بھرّائی ہُوئی آواز میں بولا۔تو ابّا جب تک آپ تندرست نہیں ہو جاتے مَیں کبھی پیسہ نہیں مانگونگا۔

طفیل نے جب اپنے معصوم بچّے کے مُنہ سے یہ الفاظ سُنے تو وہ اپنی بیماری کی تکلیف اور غریبی کو بھُول گیا اُس کو سینے سے لگایا۔بلائیں لیں۔اس وقت اُسکا دِل خوشی سے بھرا ہُوا تھا۔

(۳)

صادق بلاناغہ مدرسے جاتا۔اور بڑی محنت سے کام کرتا۔اُس کے ہم جماعت لڑکے اچھّے اچھّے خوشنما کپڑے پہنکر آتے تھے۔اور ہر روز کئی کئی پیسے فضولخرچی میں

اُڑا دیتے تھے۔ وہ اُن کی طرف دیکھتا۔ اور ایک سرد آہ بھر کر رہ جاتا۔ اُس کا دل بھی ایسی چیزوں کے لئے للچاتا تھا۔ مگر وہ اپنے دل پر جبر کرتا۔ والدین کی تنگدستی نے اُسے صابر بنا دیا تھا۔ آفرین ہے اُس لڑکے کی ہمّت پر کہ کبھی شکایت کا لفظ اُس کی زبان پر نہ آیا۔ خیر جوں توں کر کے اُس نے پرائمری کا امتحان پاس کر لیا۔

طفیل اب حیران تھا کہ اب اپنا پیٹ پالے یا اُس کو اور تعلیم دلوائے۔ صادق سے اُسے بڑی محبّت تھی۔ اُس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ صادق اعلےٰ تعلیم حاصل کرے۔ اور مَیں جیتے جی اپنی آنکھوں سے اُسے کسی بڑے عہدے پر ممتاز دیکھوں۔ مگر اب مڈل کی تعلیم کے اخراجات کے خیال سے اُس کی ہمّت پست ہو گئی۔ اور پھر تین سال کا عرصہ بھی تو کچھ معمولی عرصہ نہیں ہوتا۔

طفیل اب ضعیف تھا۔ اُس میں اتنی قوت نہیں رہی تھی کہ وہ محنت و مشقّت کر سکے۔ اس نے کچھ سوچ کر صادق کو چٹھی رساں مقرر کروا دیا۔ صادق کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔ وہ ہمیشہ غمگین رہتا تھا۔ اِس کام پر اس کا دِل نہ جمتا تھا۔ صبح سے شام تک در بدر گلی کوچوں میں خط بانٹتا پھرتا۔ اور اپنی قلیل تنخواہ سے اپنے ماں باپ کا پیٹ پالتا۔

اتّفاق سے جنگ یورپ شروع ہو گئی۔ اور دھڑا دھڑ بھرتی ہونے لگی۔ صادق نے یہ موقع غنیمت سمجھ کر اپنے بوڑھے باپ سے بھرتی ہونے کی اجازت چاہی۔ طفیل اب چارپائی پر پڑا رہتا تھا۔ اُس کے لئے ہلنا جُلنا بھی مشکل تھا۔ وہ بیماریوں اور فکروں سے گُھل گُھل کر اب صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ وہ اس وقت بھلا کب

اجازت دے سکتا تھا۔ اور پھر لڑائی کا معاملہ
کوئی خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ مگر صادق نے کئی
حیلے بہانے بناتے، بُھلاوے دیتے۔ اور
آخرکار رُخصت حاصل کرنے میں کامیاب
ہوگیا۔ پھر کس بات کی دیر تھی۔ خُدا کا نام لیکر
فوج میں بھرتی ہوگیا۔

(۴)

صادق کو فوج میں بھرتی ہوتے تین
سال گزر گئے۔ اتنے عرصے میں اس نے
بہت سا روپیہ اپنے بُوڑھے باپ کی
خدمت میں ارسال کیا۔ جس سے طفیل امیر
بن گیا۔ اب وہ بھلا غریب کیسے رہتا۔
جنگ کے متعلق نت نئی افواہیں پھیلتی
رہتیں۔ طفیل سُنتا اور گھبرا جاتا۔ اُس نے
صادق کو واپس آنے کے لئے بیشمار چٹھیاں
لکھیں مگر وہ کوئی پروانہ کرتا۔ کبھی کبھار اپنی
خیریت کی خبر بھیج دیتا۔ واپس آنے کا نام
تک نہ لیتا تھا۔ طفیل اور اُس کی بوڑھی بیوی
رات دِن اپنے نورِ نظر کی سلامتی کے لئے
خُدا سے دُعائیں مانگتے رہتے تھے۔

نصف رات گزر چکی تھی۔ مگر طفیل کی
آنکھوں میں نیند نہیں آتی تھی۔ اُس کے
دماغ میں طرح طرح کے خیالات چکّر لگا
رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ صادق اب
تک کیوں نہیں آیا۔ جنگ ختم ہوگئی۔ پھر
کیا وجہ ہے کہ وہ نہیں آیا۔ خُدا خیر کرے
پھر اُس نے تاروں بھرے آسمان کی طرف
دیکھا۔ اور دیر تک روشن ستاروں کو گھُورتا
رہا۔ اُس وقت اس کا دِل خُدا کی یاد میں
مصروف تھا۔ اور اس کے مُنہ سے بیٹے
کے لئے دُعائیں نکل رہی تھیں۔
معاً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ طفیل
چونک پڑا۔ حیران ہوکر اُٹھا اور لرزتے
لرزتے دروازہ تک پہنچا۔ دروازہ کھولا۔ تو

ایک نوجوان فوجی افسر کو سامنے کھڑا پایا۔ طفیل ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ مگر جلد ہی فوجی نوجوان اُس سے ابّا کہہ کر لپٹ گیا۔ طفیل کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ یہ میرا بیٹا صادق ہے۔ دونوں گلے ملے۔ اور دیر تک خوشی کے آنسو بہاتے رہے۔

اب صادق وہ صادق نہیں رہا۔ جو گلیوں میں خط بانٹنے کے لئے مارا مارا پھرا کرتا تھا۔ اور لوگ اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اُس نے جنگ میں وُہ بہادری کے کام کئے۔ کہ صلہ میں سرکار کی طرف سے اُسے بہت سی جاگیر انعام میں ملی۔ اور اب اُس کی دولت اور عزّت کی چاروں طرف دھوم ہے اور وہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ سچ ہے ہمّت مرداں

امتحان کے وقت یاد رکھّو

(۱) عبارت صاف لکھّو تاکہ ممتحن اُسے آسانی سے پڑھ سکے۔

(۲) تمہاری لکھائی بہت صاف ہونی چاہیئے اور اُس میں کسی جگہ دھبّہ نہ ہونا چاہیئے۔

(۳) سطروں میں آدھ آدھ انچ کا فاصلہ ضرور چھوڑو۔

(۴) ہر پرچہ میں دائیں طرف ڈیڑھ انچ کے قریب حاشیہ چھوڑنا چاہیئے۔

(۵) اگر کسی لفظ یا فقرے کو کاٹنا مقصود ہو تو اس پر دو خطوط اُوپر سے نیچے کو کھینچ دو۔ اور صحیح لفظ یا فقرے کو اسکے اُوپر لکھ دو۔ مثلاً (ایمان ~~امان~~)

(۶) ہر لفظ کو جُدا جُدا لکھنا چاہیئے۔ ایک دوسرے سے مِلا کر لکھنے سے پرہیز کرو۔

(۷) ہر ایک سوال کا جواب نئی سطر سے شروع کرو۔ اور اُوپر کی سطر سے اس کا فاصلہ دو

مدد خُدا۔ ہرمرداں مددِ خُدا ... انچ کے قریب رکھو ... ہر یا مطلب

عرب کے مشہور گانے والے

اسحاق موصلی عرب کا ایک مشہور گانے والا تھا۔ ایک مرتبہ وہ خلیفہ مہدی کی ایک غزل بانسری پر گا رہا تھا۔ جسے اتفاق سے خلیفہ نے سن لیا۔ اور اسقدر خوش ہوا کہ اسے اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنے اسی گانے کی بدولت یکے بعد دیگرے چار بادشاہوں تک اِس عہدے پر قائم رہا۔

جب خلیفہ ہارون رشید کی تخت نشینی ہوئی تو اس نے مبارکباد میں ایک گیت گایا۔ جو آجتک تمام عرب میں مشہور ہے۔

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید ایک لونڈی سے کسی بات پر بگڑ گیا۔ اور عہد کر لیا کہ اس سے کبھی بات نہ کرے گا۔ جس سے خوفزدہ ہو کر لونڈی نے بادشاہ کے وزیر جعفر سے تذکرہ کیا۔ اور جعفر نے اسحاق سے کہا۔ چنانچہ جب اسحاق بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ تو اس نے ایک غزل ایسے دردناک لہجے میں گائی۔ کہ بادشاہ بیتاب ہو گیا۔ اور فوراً اندر جاکر اُس لونڈی سے میل کر لیا۔ اور اُس کی خطا معاف کر دی۔ اسی طرح فارابی جو اپنے گانے کی وجہ سے سب سے زیادہ مشہور ہے جب حج کر کے حاکم سیف الدولہ کے دربار میں پہنچا تو حاکم بہت خوش ہوا۔ اور اس سے گانے کی فرمائش کی چنانچہ اس نے ایک ایسے لہجے میں گانا شروع کیا کہ تمام لوگ دربار کے بے اختیار ہنسنے لگے اور جب ہنسی کی کوئی انتہا نہ رہی تو اس نے دوسرا راگ شروع کیا جس سے تمام لوگ [illegible] کر رونے لگے۔ جب خوب رو چکے تو اس نے تیسرا راگ شروع کیا جس سے تمام دربار پر ایک غشی چھا گئی۔

ثاقب

بچّوں کی نمائش لاہور میں

لاہور کے موری اور بھاٹی دروازہ کے درمیان جو باغ ہے۔ اُس میں ۱۶-۱۷-۱۸-۱۹ جنوری ۱۹۲۴ء کو بچّوں کی نمائش ہوئی۔ یہ نمائش اِس لئے منعقد کی گئی تھی کہ لوگ بچّوں کی تربیت کے طریق سیکھ سکیں اور صفائی اور گندگی کے نتائج سے خبردار ہو جائیں۔ ۱۸۔ تاریخ جمعہ کا دن صرف عورتوں کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس دن اُن بچّوں کو انعام دیا گیا جن کی صحت سب سے اچھی تھی۔ اور جن کا لباس عمدہ تھا۔ اس نمائش میں میونسپل کمیٹی کا بہت سا روپیہ خرچ ہوا اور اس میں بڑے بڑے معزز لوگوں نے حصّہ لیا۔

لوگوں نے اسے بڑے شوق سے دیکھا اور اسے کامیاب بنانے کی ہر کوشش کی

نمائش کے لئے ایک بہت بڑا زمین کا ٹکڑا مقرر کیا گیا تھا۔ اس احاطے کے اِرد گرد قناتیں نصب کی ہوئی تھیں۔ اس کے دروازے پر موٹے حروف میں (خوش آمدید) لکھا تھا۔ بائیں طرف پولیس کا ایک خیمہ تھا اور آگے کھلے میدان میں بینڈ باجا بج رہا تھا۔ بینڈ سے کچھ فاصلے پر "بوائے سکاوٹ" جسمانی ورزش کے کرتب دکھا رہے تھے۔ ان لڑکوں میں خود میں بھی شامل تھا۔ وہاں ایک آرام کرنے کا کمرہ بھی بنایا گیا۔ دو اور کمرے تھے جن میں مختلف بیماریوں کے روکنے کے لئے ضروری انتظامات، اور جسمانی حالت کی تصویریں لٹکائی گئی تھیں انہی تصویروں میں ایک تصویر افریقہ کے بندر کی بھی تھی۔ دائیں طرف دو ہوٹل تھے۔ جن

میں ایک مسلمانوں کے لئے اور دوسرا ہندوؤں کے لئے تھا۔ ان ہوٹلوں کے نزدیک ہی ایک دفتر تھا جس میں چار پانچ منشی بیٹھے کام کر رہے تھے۔

ایک کمرہ میں بچّہ کے رکھ رکھاؤ اور اُس کی ماں کے لئے جو ضروری سامان چاہیے رکھا تھا۔ اسی کمرہ میں بچّہ کی حفاظت کے متعلق لکچر ہو رہا تھا۔ سکول کا اور پاندھے کے مدرسے کا نمونہ بھی دیا گیا تھا۔

دو کمروں میں گندا اور صاف پرنالہ، گندا اور صاف بلور چینانہ کا نمونہ دکھایا ہوا تھا۔ صاف پرنالہ لوہے سے اور گندا ٹین سے بنا تھا۔ صاف گھر کی خوبیوں اور گندے گھر کی بُرائیوں کے متعلق لکچر ہو رہا تھا اور نمونہ بھی دکھایا گیا تھا۔

ایک اور کمرہ میں پلیگ کے پھیلنے اور اس کے روک تھام کی تدبیریں بیان کی جا رہی تھیں۔ اِن کو واضح طور پر دکھانے کے لئے مختلف قسم کے آلے اور کپڑے رکھے ہوئے تھے۔

پلیگ کی بیماری عموماً چوہوں کے ذریعے پھیلتی ہے۔ اس لئے چاہیے کہ انکا خاتمہ کیا جاتے۔ اور جہانتک کوشش ہو سکے مکان کو بھی صاف ستھرا رکھا جاتے۔

یہ نمائش کا مختصر حال ہے جو میں نے نونہالوں کے سامنے پیش کر دیا۔

عبدالرحیم

آنکھیں کیوں خراب ہوتی ہیں

(۱) دھوپ میں پڑھنے سے
(۲) لیٹ کر پڑھنے سے
(۳) پہلو کے بل لیٹ کر پڑھنے سے
(۴) غروب آفتاب کے وقت پڑھنے سے
(۵) چاند کی روشنی میں پڑھنے سے
(۶) کتاب بہت نزدیک رکھ کے پڑھنے سے
(۷) زیادہ دُور رکھ کر پڑھنے سے

لوہے کو لوہا کاٹتا ہے

(سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۴۲)

کسان نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔ کہ میں اس صندوق کے ساتھ کیا کروں پتھروں سے بھرا پڑا ہے۔ بیل اسے کھینچ نہیں سکتے اور اتنا بھاری ہے۔ کہ اسے میں گھر نہیں لے جا سکتا۔ یہاں پانی پر ہی چھوڑے دیتا ہوں۔ اگر خود تیرتا ہوا آگیا۔ تو خیر گھر کے پاس سے ہی گزریگا۔ میں نکال لونگا۔ ورنہ جائے جہنم میں مجھے اس کی ضرورت ہی کونسی ہے۔

یہ کہتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کو اٹھایا۔ اور دریا میں بہانا چاہا۔ لیکن پادری نے چلا کر کہا۔ پہلے مجھے نکل جانے دو۔

ہیگ نے کہا۔ "آہ! ابھی تک شیطان اس کے اندر ہے۔ اب تو اسے ضرور ہی دریا میں پھینک دینا چاہئے۔

اب تو پادری کا رہا سہا حوصلہ بھی جاتا رہا۔ وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ نہ کرنا۔ بھائی یہ نہ کرنا۔ میں تمہیں فدیہ دینے کو تیار ہوں — بولو — جلد بولو — ایک اشرفیوں سے بھرا ہوا تھیلا کافی ہوگا۔ کیا تم چھوڑنے کو تیار ہو۔"

ہیگ نے ڈھکنا اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تو روپیہ نکالو اور جان بچاؤ۔"

سہما ہوا پادری باہر نکلا۔ اس نے اس منحوس صندوق کو دریا میں بہا دیا۔ اور ہیگ کو اپنے گھر لے جا کر ایک تھیلا دودھ کی طرح چمکتے ہوئے سونے سے بھر کر دیدیا۔

روپیہ لیکر اور غریب سے امیر بنکر ہیگ

گھر کو لوٹا۔ سچ ہے خدا جب دینے پہ آتا ہے۔ تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ وہ گھر پہنچا۔ تو اپنے کمرے میں جا کر اس نے دونوں اشرفیوں سے بھرے ہوئے تھیلے ایک جگہ رکھ دئیے اور اپنے آپ سے کہنے لگا۔ "مجھے میرے گھوڑے کا کافی معاوضہ مل گیا ہے۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ اسمتھ نے مجھے ذلیل و خوار کرنا چاہا لیکن خدا نے مجھے امیر بنا دیا۔ اسے اب غصہ آئیگا۔ وہ جل بھن جائیگا۔ اور جب میرے پاس سونا دیکھے گا۔ تو بس مر ہی جائیگا۔ وہ پوچھیگا۔ تو امیر کس طرح ہو گیا؟ لیکن کیا میں اسے گھوڑے کا اصلی واقعہ سناؤں؟ نہیں۔ بلکہ جھوٹ موٹ کچھ اور بتاؤنگا۔ تا کہ وہ بدمعاش اپنے کئے کی سزا بھگتے۔ یہ سوچکر اس نے اپنا نوکر اسمتھ کی طرف بھیجا۔ اور کہا اس سے ایک ترازو مانگ لاؤ۔ میں کچھ تولونگا۔"

اسمتھ سے جب نوکر نے جا کر ترازو مانگا۔ تو وہ کہنے لگا۔ ترازو کیوں مانگتا ہے وہ؟ یہ سوچ کر اس نے ترازو کے نیچے تھوڑی سی موم چپکا دی۔ کہ جو کچھ وہ تولے اس میں چپک جائے۔ اور ہوا بھی یہی۔ تین سونے کی قیمتی اشرفیاں ایک جگہ اٹک گئیں۔ اور جب ترازو واپس آیا۔ تو ترازو کے نیچے اشرفیاں چمٹی ہوئیں دیکھ کر اسمتھ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور وہ غصے میں آگیا۔

اسمتھ بھا بڑا جلد باز۔ وہ کہنے لگا۔ "اس کا اس سے مطلب؟ کیا اب وہ روپیہ تولتا ہے؟ اور کیا میں اس سے غریب ہوں جو روپیہ تولنے کی بجائے گنتا ہوں؟" یہ سوچکر وہ جلتا بھنتا ہیگ کے گھر پہنچا۔ اور چھوٹتے ہی اس سے پوچھا۔ "یہ روپیہ کہاں سے دستیاب ہوا۔ بولو جلد بتاؤ۔"

ہیگ نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ کی عنایت تھی جو میں امیر ہو گیا۔ ورنہ میری قسمت

کہاں اور امیر ہونا کہاں۔ کچھ دن گزرے۔
آپ نے میرے گھوڑے کو ہلاک کر دیا تھا
میں نے اس کی کھال شہر میں بیچ دی۔
یہ سب اسی کی طفیل ہے۔
اسمتھ بولا۔ "اچھا تو آجکل چمڑے کا بھاؤ
چڑھ گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ تم غریب
سے امیر ہو گئے ہو۔"
ہیگ جانتا تھا کہ یہ عقل کا اندھا ہے
بولا۔ "جناب چمڑا اور یہ کھال والی تو کہیں
دستیاب ہوتی ہی نہیں۔ میں جو شہر پہنچا تو
کئی سوداگرانِ چرم میرے گرد جمع ہو گئے
کوئی ایک ہزار اشرفی دیتا تھا کوئی دو ہزار
آخر ایک سونے سے بھرے ہوئے تھیلے
پر میں نے گھوڑے کا چمڑا فروخت کر ڈالا۔"
اسمتھ نے یہ سُنا۔ تو کہا۔ "تب تو میں بھی
اپنے گھوڑے مار کر ان کی کھالیں شہر میں
لے جا کر چمڑے کے کسی سوداگر کے ہاتھ بیچ

دونگا۔" یہ کہکر وہ اپنے گھر واپس چلا آیا اور اُس
نے کلہاڑی لے کر اپنے گھوڑوں کو ہلاک
کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے ان کی کھالیں
کھینچ کر دھوپ میں سوکھنے کو بچھا دیں جب
وہ بالکل سوکھ گئیں۔ تو انہیں کندھے پر
رکھ کر شہر میں لے گیا۔
سوداگروں نے اسمتھ کو جب بازار میں
چمڑا بیچتے دیکھا تو سب اس کے گرد جمع
ہو گئے۔ اور قیمت دریافت کرنے لگے۔
اسمتھ نے کہا۔ "جناب ایک کھال کی قیمت
اشرفیوں کا ایک تھیلا ہے۔"
اُنہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا کہا؟"
"جناب ایک کھال کی قیمت اشرفیوں کا
ایک تھیلا ہے۔"
اُنہوں نے حیران ہو کر پھر پوچھا۔ کیا کہا۔
ایک تھیلا۔ تھیلا کس کا؟"
وہ حیران ہو کر اس کے مُنہ کی طرف

دیکھنے لگا۔

اسمتھ نے اپنے لفظوں کو چبا چبا کر کہا۔
"جناب۔۔۔ سونے کا صرف ایک تھیلا۔

اب تو سوداگروں اور دکانداروں کے
غصے کی حد نہ رہی۔ وہ دانت پیس پیس کر بولے
"پاگل تو نہیں ہو گئے ہو کیا۔

اسمتھ پہلے ہی غصے میں بھرا ہوا تھا۔ یہ
سنکر اپنے آپ میں نہ رہا۔ بولا "کیا بک بک
لگا رکھی ہے۔ لینا ہے تو لو۔ ورنہ آگے بڑھو۔
کھال ۔۔۔ کھال ۔۔۔ کوئی ہے
کھال کا خریدار۔"

لیکن لوگوں نے جب دیکھا تو آپس میں
کہنے لگے۔ کیا یہ ہمیں بہرہ سمجھتا ہے جو چلا چلا
کر ہمارے کانوں کے پردے پھاڑے ڈالتا
ہے۔" یہ کہتے کہتے سب نے لاٹھیاں سنبھال
لیں۔ اور بیچارے اسمتھ کا مار مار کر بھرکس
نکال دیا۔

آخر کار جب دل کی بھڑاس نکال چکے۔ تو
اس سے بولے۔ "ہاں بھلا اب اپنے قیمتی چمڑے
تاکہ تجھے ان کی قیمت دے دی جائے۔"

ادھ موئے اسمتھ نے ہاتھ باندھ کر ان
سے معافی مانگی۔ تو انھوں نے کہا۔ "اچھا اب
جلد ہماری آنکھوں سے دور ہو جا۔ اور پھر
اپنی منحوس شکل ہمیں بھول کر بھی نہ دکھانا۔

اسمتھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور سیدھا
گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اسے کبھی کسی نے
اس بیدردی سے نہ مارا تھا۔ ابھی وہ اپنے
شہر سے باہر ہی تھا تو اس نے دل میں
کہا۔ "یہ سب فساد ہیگ کا پیدا کیا ہوا ہے
اسی کے باعث میں نے مار کھائی۔ اپنے
گھوڑے ہلاک کئے اور اپنی عزت برباد کی۔
اس لئے گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کروں گا۔ کہ
ہیگ کو جان سے مار دوں۔" یہ کہہ کر اس نے
قسم کھائی۔ اور جلدی جلدی گھر پہنچا۔

اب دوسری طرف کا حال سُنو۔ اس اثنا میں ہیگ کی دادی اماں فوت ہو گئیں ہیگ کی دادی بہت مغلوب الغضب ہٹ دھرم اور کمینی تھی۔ اور ہر وقت ہیگ کا گالی گلوچ سے خیر مقدم کیا کرتی تھی مگر اب جو وہ فوت ہو گئی تو ہیگ کو بہت رنج ہوا۔ اور اسی غم میں اس نے اس کی لاش اُٹھا کر اپنے پلنگ پر رکھ دی۔ اور اس پر بہت سے کمبل اور لحاف اوڑھا دئے۔ تاکہ وہ گرم ہو کر پھر سے زندہ ہو جائے۔

جب یہ سب کام ختم ہو چکا۔ تو خود بُڑھیا کے پلنگ پر لیٹ کر میٹھی نیند سو گیا۔

آدھی رات کے وقت ہیگ کے گھر کے باہر کچھ کھٹکا سا ہوا۔ اور وہ جھٹ جاگ اُٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے کیا دیکھا کہ دروازہ کھلا اور اسمتھ ہاتھ میں کلہاڑی لئے دبے پاؤں اندر آیا۔ اسے ہیگ کا پلنگ اچھی طرح معلوم تھا۔ وہ اس کی طرف بڑھا۔ اور اندھیرے میں اُس نے کلہاڑی کی ایک ضرب سے بیچاری بڑھیا کو ٹھکانے لگا دیا۔ اپنی دانست میں اُس نے ہیگ کا کام تمام کر دیا تھا۔ اس لئے وہ زور زور سے کہنے لگا۔ "سٹر ہیگ، اسمتھ کو چھیڑنا موت کو دعوت دینا ہے۔ تُم نے مجھے ستایا تھا۔ یہ اُس کا نتیجہ ہے۔ شیر کی غار میں پہنچے اور نادانی سے اپنی جان کھو بیٹھے۔"

ہیگ نے جو تمام واقعہ دیکھا تو دم بخود رہ گیا۔ خدا کا شکر بجا لایا۔ اور آہستہ سے کہنے لگا۔ "اے جنگل کے درند اور ہوا کے پرند پر راج کرنے والے راجا۔ تیرا ہزار ہزار شُکر۔ کہ تو نے اپنی کرپا کے صدقے مجھے اس موذی، بے رحم، جلّاد کے ہاتھوں مرنے سے بال بال بچا لیا۔"

(باقی پھر) نعیم

سالانہ قیمت پانچ روپے | رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۲۱۵ | قیمت ششماہی عــ۳ فی پرچہ ۸ر

جلد ۴ | فہرست مضامین نونہال بابت ماہ فروری ۱۹۲۷ء | نمبر ۵

([illegible] اشاعت ادب لطیف [illegible] چمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا)

دلچسپ معلومات

سب سے بڑی انجیل۔ دنیا کی سب سے بڑی انجیل پیرس کے مشہور عجائب گھر میں رکھی ہے۔ یہ انجیل پتھروں پر کھدی ہوئی ہے۔ اور اُن پتھروں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر رکھا گیا ہے۔ ان پتھروں کو ورق کے طور پر اُلٹنے کے لئے مشین لگی ہے۔ یہ پتھر تعداد میں بیس ہزار ہیں اور ان کا وزن سات ہزار من کے قریب ہے

سب سے چھوٹی انجیل۔ سب سے چھوٹی انجیل لندن کے عجائب گھر میں ہے۔ اُس کا وزن چھ ماشہ سے بھی کم ہے۔ اور سائز میں ایک پیسہ کے برابر ہے۔ اسے بغیر کسی شیشہ کی امداد کے پڑھا جا سکتا ہے۔

سانپ کی قسمیں۔ اس وقت تک دس ہزار قسم کے سانپ دریافت ہو چکے ہیں۔ ان میں جو سب سے چھوٹا سانپ ہے۔ اُس کی لمبائی ڈیڑھ انچ سے زیادہ نہیں۔ یہ سانپ بڑا زہریلا ہے۔

سینما پر خرچ۔ بڑے بڑے شہروں میں چلنے پھرنے والی تصویروں کے تماشے دکھائے جاتے ہیں۔ مگر نونہال بچّوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ ان پر کس قدر روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ ان کی واقفیت کے لئے لکھا جاتا ہے۔ کہ ایک تماشہ "بیوقوف بیویاں" امریکہ کی یونیورسل کمپنی نے تیار کیا۔ جب تماشہ تیار ہو چکا۔ اور حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس پر گیارہ لاکھ ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔ ایک ڈالر تین روپے کے قریب ہوتا ہے۔ اس حساب سے اِس تماشہ پر تیس لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا۔

نیا موٹر سائیکل۔ امریکہ میں ایک اس قسم کا موٹر سائیکل تیار ہو رہا ہے جس کی رفتار چار سو میل فی گھنٹہ ہو گی۔

سُدرشن

خُدا کا گھر

یہ نظم اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ بچوں کو نثر اور نظم میں فرق معلوم ہو سکے۔ وزن مُبلبُل مُبلبُل مُبلبُل مُبلبُل مُبلبُل امید ہے کہ اگر کسی اُستاد کی مدد سے وہ ایک بند پڑھ لینگے تو باقی تمام بند آپ سے آپ پڑھ سکینگے۔ بچوں کے لئے جو نظمیں انگریزی میں لکھی جاتی ہیں، وہ عموماً اسی طرز کی ہوتی ہیں۔ اگر طلبہ نے اس نظم کو پسند کیا تو آئندہ بھی نئی نئی بحروں میں نظمیں لکھکر پیش کرونگا۔

عی دس	پہ لے	دن کی	شب تھی
اور بَ	را بر	کے دو	گھر تھے
عب دل	آہ تھا	نا مب	ڑے کا

دتتریرشاد فدا

عیدسے پہلے دن کی شب تھی — اور برابر کے دو گھر تھے
رہتے تھے اُن میں دو بھائی — جو آپس میں جان و جگر تھے

عبداللہ تھا نام بڑے کا — چھوٹا تھا جو وہ احمد تھا
بندہ تھا بے دام بڑے کا — پیارا پیارا بھی بیحد تھا

جاگ اٹھے اُس رات وہ دونو — ساتھ ہی دل میں نیکی جاگی
رات ہوتی پربھات، وہ دونو — ٹھان رہے تھے کچھ کرنے کی

عبداللہ یہ سوچ رہا تھا — کیوں احمد بےکل رہتا ہے
بےکل سا وہ رہتا ہوگا — جو تنہا ہے سو تنہا ہے

یہ کہہ کر کھتّے میں پہنچا — لے کر من بھر گندم باندھی
جوش محبت نے جو مارا — اُس کی گندم میں لا ڈالی

وہ بے خبری پر احمدؔ کی کیا کھلتا تھا خوش ہوتا تھا
جانے اس کا چھوٹا بھائی ابتک بستر پر سوتا تھا

لیکن احمد سوچ رہا تھا کیوں عبداللہ بےکل سا ہے
بےکل سا وہ رہتا ہوگا آخر وہ کُنبے والا ہے

کھتّے میں وہ اپنے آیا من بھر گندم لے کر باندھی
جوش محبت نے جو مارا اُس کی گندم میں لا ڈالی

ایسا وہ کرتے تھے اکثر ساتھ ہی رہتے تھے وہ حیراں
رہتے تھے انبار برابر اُلفت میں بھی تھے وہ یکساں

خرمن کے پُورا رہنے کا حال کُھلا آخر دونو پر
حال نہیں سُننے کہنے کا دید کے قابل سین تھا یکسر

اپنی اپنی ہمت جتنا بوجھ دھرا تھا شانوں اُوپر
اور محبت کے بٹّوں سے تول کے لاتے تھے وہ برابر

احمدؔ بولا اب مَیں سمجھا بھائی بھر دیتا ہے خرمن
ہنس کے عبداللہ بھی بولا احمد تو بھی تو ہے پُرفن

بات یہ حاکم تک جو پہنچی بولا ذاتِ خُدا برتر ہے
ایسے ہوں جس گھر میں بھائی خاص خدا کا وہ گھر ہے

ونشنہ پرشاد فدا بی۔ اے

ایک نتیجہ خیز تاریخی حکایت

حضرت ام المومنین بی بی حفصہؓ نے اپنے
والد ماجد حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق
رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہا۔ کہ ابّا جان
غنیمت کا مال جب آیا کرے تو کپڑوں
میں سے بہتر لباس اور کھانے سے
خوشتر طعام پکوایا کیجئے۔ اور اپنے دوستوں
کے ساتھ بیٹھ کر تناول فرمایا کیجئے۔ حضرت
نے فرمایا کہ اے حفصہؓ تم جانتی ہو۔ کہ
جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کے اہلبیت جب صبح کو پیٹ بھر کر
کھاتے، تو رات کو بھوکے رہتے۔ اور جب
رات کو سیر ہو کر کھاتے تو صبح کو بھوکے
رہتے۔ فتح خیبر کے دن تک
کتنے برس آپ کو پیٹ بھر کے خرمے
نہیں ملے۔

شب کو جب آپ کمر مبارک سیدھی
کرنے کو لیٹتے تو کملی کی دو تہیں کر کے
اس پر لیٹا کرتے تھے۔ ایک روز چار تہہ
کر کے کملی بچھائی گئی اور وہ زیادہ نرم ہو گئی
دوسرے روز فرمایا کہ رات کو اس کی نرمی
نے نماز سے باز رکھا۔ جس طرح بچھایا
کرتے تھے۔ اُسی طرح دو تہیں کر کے
بچھایا دو سے زیادہ نہ بڑھایا۔ قبیلہ بنی ظفر
کی ایک عورت آپ کا تہ بند اور چادر بنتی
تھی۔ دونوں کپڑے تیار نہیں ہوئے تھے
اُس نے ایک ہی پارچہ آپ کے پاس بھیجدیا
آپ اسی طرح سے باندھے اور اوڑھے
ہوئے باہر تشریف لائے۔ کہ آگے کی طرف
گرہ لگی تھی۔ اور پشت مبارک پر بھی اُسی کو
ڈالے ہوئے تھے۔ اس کے سوا دوسرا کپڑا

حضور کے پاس نہ تھا۔ بی بی حفصہؓ نے فرمایا۔ کہ اباجان یہ حال سب جانتی ہوں اور سچ ہے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا دونوں اتنا روئے کہ روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ حفصہؓ ام المومنین میرے شہنشاہ والاجاہ اور ان کے اعلےٰ رفیق حضرت امیر المومنین سیدنا ابابکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ جس طرح اس عالم سے ملک جاودانی کو ہجرت کر گئے ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ عمرؓ ان کے قدم بقدم اس عالم سے جائے اور کوئی بات ان کے خلاف نہ کرے۔ اگر ذرا بھی ان کے خلاف ہوا تو عمرؓ ان تک نہ پہنچیگا میں ہر وقت خدا تعالےٰ بتصدق اس کے حبیب پاک بھی دعا کرتا ہوں۔ کہ خداوندا عمرؓ بھی ان کی طرح دنیا میں سختی کے ساتھ دن گزارے اور ان کے ساتھ آخرت میں ہمیشہ کے لئے راحت پائے۔

عزیز بچو۔ دیکھو خلیفہ عمرؓ کو رسول اللہ صلعم کی پیروی کا کس قدر خیال تھا۔ بخلاف اس کے آجکل نئے فیشن کے دلدادہ حضرات ہر ایک بات میں فرنگیوں کی پیروی کو اپنا فخر سمجھنے لگے ہیں۔ افسوس صد افسوس زمانہ کی رفتار کس قدر بدل گئی ہے۔ تم ابھی نیچے ہو کمسن ہو۔ ابھی سے ہر ایک بات میں رسول اللہ صلعم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرو۔ پھر دیکھو خدا تعالےٰ تم پر کس طرح اپنی رحمت نازل فرماتا ہے اللہ تم کو نیک توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

سید برہان الدین احمدؔ

سورج اور ہوا

جو کام سختی سے نہیں ہوتا۔ وہ نرمی سے ہو جاتا ہے۔

کہتے ہیں۔ ایک دفعہ ہوا اور سورج میں بحث ہوئی۔ کہ دونوں میں سے زبردست کون ہے۔ سورج کہتا تھا۔ مَیں زبردست ہوں۔ ہوا کہتی تھی تمہاری میرے سامنے بساط ہی کیا ہے۔ چلنے لگوں تو بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھاڑ دوں۔ آخر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ دونوں اپنی اپنی طاقت کا امتحان دیں۔ ایک مسافر سڑک پر جا رہا تھا۔ سورج نے ہوا سے کہا۔ اگر تم اس شخص سے کپڑے اتروا دو تو جانوں کہ تم سچ مچ زبردست ہو۔

یہ سُنکر ہوا نے زور زور سے چلنا شروع کیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں آندھی کی شکل اختیار کر لی۔ مسافر نے جب دیکھا کہ آندھی آگئی ہے۔ تو ایک جگہ کھڑا ہو کر سوچنے لگا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ میری پگڑی اُتر جائے۔ پھر تو اسے پکڑنا بڑا مشکل ہوگا۔ ایسے زور کی آندھی آرہی ہے کیا کرونگا۔ سوچ سوچ کر اس نے اپنی پگڑی سر سے اُتار لی اور اپنے کوٹ کے گرد کس کر لپیٹ لی۔ آندھی نے درختوں کو اُکھاڑ دیا۔ مکانوں کے چھپر اُڑا دیئے اور ایک دو مرتبہ مسافر کو بھی اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ مگر اس نے کپڑے نہ اُتارے اس پر ہوا نے بادل کو بھی مدد کے لئے بُلا لیا۔ اور اب دونوں نے ملکر مسافر پر زور آزمائی کی۔ مگر مسافر نے اپنے کپڑے نہ اُتارے پر نہ اُتارے۔

اس کے بعد سورج نے کہا۔ کیوں
اب کوشش کر کے دیکھ چکیں۔ اب
کہو تو میں اس کے کپڑے اُتروا کے
دکھاؤں۔
ہوا نے کہا۔ میں تو ہار گئی ہوں۔ مگر
اس شخص کے کپڑے تم سے بھی نہ اتریں
گے۔ مردوا بڑا ڈھیٹ ہے۔ کوشش
کر کے دیکھ لو۔
سورج نے آہستہ آہستہ بلند ہونا
شروع کیا۔ اور اپنی نرم اور گرم کرنیں مسافر
پر ڈالنے لگا۔ جب مسافر کو گرمی لگی تو
وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ مگر سورج
کی کرنیں تیز ہوتی گئیں۔ مسافر نے
پہلے پگڑی سر سے کھولی پھر کوٹ اُتار
دیا۔ لیکن سورج کی دھوپ ابھی تک
ناقابلِ برداشت تھی۔ اس لئے مسافر
نے مجبوراً کُرتا بھی اُتار دیا۔ اور آخر میں
لنگوٹ باندھ کر دوسرے کپڑے بھی
اُتار ڈالے۔
یہ ہو چکا تو سورج نے مسکرا کر ہوا
کی طرف دیکھا۔ اور کہا۔ کیوں؟ اب بتاؤ
تم زبردست ہو یا میں۔
ہوا نے شرمندہ ہو کر شکست کا
اعتراف کر لیا۔
سورج نے کہا۔ یاد رکھو! جو کام
سختی سے نہیں ہو سکتا۔ وہ نرمی سے
ہو جاتا ہے۔ تم نے سختی اختیار کی ہار گئیں
میں نے نرمی اور گرمی سے کام لیا۔
کامیاب ہو گیا۔ شدرشن

لطیفہ ۲۵

ایک آدمی نے قاضی کے گھر میں جا کر
قاضی صاحب کو کہا۔ میں بھوکا ہوں۔ کچھ
کھانے کو مل جائے۔ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ یہ
قاضی کا گھر ہے قسم کھا اور چلا جا۔

نیویارک

امریکہ کے مشہور و معروف شہر نیویارک
کو ہندوستان کا بچّہ بچّہ جانتا ہے۔ یہ شہر
امریکہ کے خاص درمیان میں واقع ہے۔
اور امریکہ کا دارالسلطنت ہے۔ نیز تجارت
کا مرکز ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ دنیا بھر میں
سب سے مالدار شہر ہے۔

حالانکہ اس شہر کو بنے ہوئے کچھ زیادہ
عرصہ نہیں گزرا۔ مگر پھر بھی یہ اپنی خوبصورتی
و امارت میں بیمثل ہے۔

اس شہر میں اٹھاون لاکھ آدمی رہتے
ہیں۔ اور ہر سال یہاں اڑھائی لاکھ آدمی
نئے آتے رہتے ہیں۔

اس شہر کے محکمہ پولیس میں بارہ ہزار
آدمی ملازم ہیں۔ یہاں کے سکولوں کالجوں
میں ۹ لاکھ طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ یہاں

ہر پچیس سیکنڈ میں ایک ریل آتی ہے اور
ہر تیرہ منٹ میں ایک شادی ہوتی ہے
ہر چھ منٹ میں ایک بچّہ پیدا ہوتا ہے۔
ہر اڑتالیس منٹ میں ایک جہاز باہر جاتا
ہے۔ اور ایک باہر سے آتا ہے۔

ہر گھنٹہ میں ایک مکان بننا شروع
ہوتا ہے۔

یہاں ایک ایک شکاری کتّا پانچسو
روپے کو فروخت ہوتا ہے۔

یہاں ایک بہت بڑا مشہور باغ ہے
جو سنٹرل پارک کے نام سے مشہور ہے
اس کی قیمت موجودہ نرخ کے بموجب تین
ارب روپیہ ہے۔

یہاں کی ایک بہت مشہور عمارت
الورتھ بلڈنگ کے نام سے تمام دنیا میں

مشہور ہے۔ اتنی اونچی اور خوبصورت عمارت
اور کہیں نہیں ہے۔ یہاں کا ریلوے اسٹیشن
بھی عجیب وغریب اور بےمثل ہے۔ یہاں
ہوٹلوں اور کھانے کی دکانوں میں روزانہ
پچاس لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں۔
اور ساڑھے تین لاکھ روپے روزانہ کی
تو صرف بالائی ہی اڑ جاتی ہے۔

نیویارک کی زمین دوز ٹرام گاڑیوں
میں چونتیس کروڑ آدمی سفر کرتے ہیں۔

سب سے تعجب خیز یہ بات ہے
کہ اس شہر میں تلاش کرنے پر بھی کوئی
فقیر نظر نہیں آتا۔ رضا احمدؐ

لطیفہ

مالدار: میں نہیں جانتا کہ تم کو بھیک مانگنے
میں کیا ملتا ہے۔
فقیر: میں بھکاری نہیں ہوں بلکہ یہ دیکھنا چاہتا
ہوں کہ اس شہر میں کون کون کنجوس ہے۔

آنحضرت صلعم کے ارشادات

۱۔ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد۔عورت پر
لازم ہے۔
۲۔ دینے والا ہاتھ مانگنے والے ہاتھ سے بہتر ہے
۳۔ ہر جاندار کو کھلانے پلانے سے ثواب ملتا ہے
۴۔ گنہگار اپنے پاؤں میں خود کلہاڑی مارتا ہے
۵۔ برائی کا چھوڑ دینا صدقہ ہے۔
۶۔ انصاف کی ایک گھڑی ستر برس کی عبادت
سے بہتر و افضل ہے۔
۷۔ شرم وحیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔
۸۔ جنّت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔
۹۔ غنی کون ہے؟ وہ جس کا دل غنی ہو۔
۱۰۔ صرف خدا کی عبادت کرو۔
۱۱۔ اللہ ایک ہے۔ کسی کو اس کا شریک
نہ بناؤ۔
۱۲۔ جو نیکی کے رستے سے پھرتا ہے تباہی
کے گڑھے میں گرتا ہے۔

عرب کی سخاوت

ایک مصیبت زدہ اور محتاج عرب بھوک پیاس کی شدت سے تنگ آکر سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔ اور آنے جانے والے لوگوں سے یہ کہہ کر مانگنے لگا۔

"اے میرے تندرست بھائیو! خدا کیواسطے اپنے ایک غریب بیمار اور بیکس بھائی کی مدد کرو۔ خدا تمہیں اس کا اجر دیگا۔"

اس کی یہ آواز سن کر ایک قریشی جو ادھر ہی سے گزر رہا تھا اس کے پاس آیا۔ اور اپنے غلام سے کہا کہ جو کچھ خرچ سے بچا ہو، وہ اس کو دیدے۔

غلام نے اپنے آقا کا حکم پاکر چار ہزار درہم جو خرچ سے بچے تھے۔ اس فقیر کی گود میں ڈال دئے۔ بیمار فقیر درہم پاکر اٹھنے لگا۔ مگر کمزوری اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اس سے اٹھا نہ گیا اور وہیں بیٹھ کر رونے لگا۔

قریشی نے اس کو روتا ہوا دیکھ کر پوچھا۔ کہ کیا تم اس وجہ سے روتے ہو کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے وہ بہت کم ہے؟

بیمار نے کہا نہیں یہ وجہ نہیں ہے۔ بلکہ میں خیال کر رہا ہوں کہ ایک دن زمین تم جیسے سخی اور صاحب کرم کو بھی کھا جائیگی۔

قریشی یہ سنکر بہت رویا اور کہا کہ بھائی مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں نے تمہارے ساتھ کونسا ایسا سلوک کیا ہے کہ تم اسقدر میرے احسانمند ہو۔ مجھے تو خود اس کی ندامت ہے کہ مسافرت کی وجہ سے تمہاری خدمت جیسی کرنی چاہئے تھی نہ کر سکا۔ ہاں دعا کرو کہ خدا مجھے توفیق دے اور اپنے بندوں کی میرے ہاتھ سے خدمت لے۔

ثاقب کانپوری

لوہے کو لوہا کاٹتا ہے

سلسلے کے لئے دیکھو صفحہ ۵۶

جب اسمتھ اپنے خیال میں ہیگ کو جان سے مار کر چلا گیا۔ تو ہیگ اپنی چارپائی پر سے اُٹھا۔ اپنی دادی امّاں کی نعش کو اعلےٰ سے اعلےٰ کپڑے پہناتے۔ اور باہر جا کر اپنے ایک پڑوسی سے ایک گھوڑا گاڑی مانگ لایا۔ اس میں اس کو اس طرح بٹھایا۔ کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ مردہ جسم رکھا ہے یا زندہ آدمی بیٹھا ہے جب سب انتظام مکمل کر چکا تو گھوڑے کو چابک لگائی۔ اور آن کی آن میں یہ جا وہ جا کہیں کا کہیں نکل گیا۔ ابھی تک رات کا اندھیرا تھا جب صبح کو مشرق کی کھڑکی سے سُورج نے جھانکا تو ہیگ ایک ہوٹل کے پاس رُکا۔ اور اندر جا کر ناشتے کی

یہ ہوٹل شہر سے کوسوں دُور تھا۔ لیکن شارع عام ہونے کے باعث یہاں کافی رونق رہا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہاں چند مسافر بیٹھے گپیں ہانک رہے تھے۔

ہوٹل کا مالک بڑا امیر آدمی تھا لیکن اتنا وہمی اور بزدل تھا کہ توبہ ہی بھلی۔ جہاں کہیں کسی سپاہی سے آمنا سامنا ہوتا وہیں اس کے لرزہ شروع ہو جاتا۔ اس نے ہیگ کو دیکھا تو کہا۔ "فرمایئے کیا حکم ہے؟"

ہیگ نے جواب دیا۔ "آج شہر میں کچھ کام تھا۔ اسی لئے میں اور میری دادی اماں وہاں جا رہے ہیں۔ یہاں آنے میں وہ تھک چکی ہیں اور اُنہیں پیاس بھی بڑے زور کی لگ رہی ہے۔ اس لئے ذرا ایک پیالی سوڈا اور

کی انہیں پہنچا دیجئے۔ مہربانی ہوگی۔"
ہوٹل والے نے کہا۔" بہت خوب اور
ارشاد۔"
ہیگ بولا۔" اور وہاں زور سے ذرا
انہیں آواز دیجئے گا کہ کانوں سے کچھ کچھ بہری
ہیں۔"
مالک نے "بہت اچھا" کہکر ایک
سوڈا واٹر کی بوتل گلاس میں انڈیلی اور باہر
لے گیا۔ گاڑی کے پاس پہنچکر مردہ جسم سے
کہنے لگا۔" آپ کے پوتے نے یہ سوڈا واٹر
کا گلاس آپ کے لئے بھیجا ہے۔ لیجئے۔"
لیکن لاش نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور جیسے
پڑی تھی۔ ویسی ہی پڑی رہی۔
مالک نے اب اپنا تمام زور خرچ کرکے
پکارا۔" جناب آپ کے پوتے نے یہ سوڈا واٹر
کا گلاس آپ کے لئے بھیجا ہے۔" اس نے
کچھ ایسا اونچا کرکے چلا چلا کر کہا۔ مگر کچھ فائدہ نہ
ہوا پر نہ ہوا۔ وہی ڈھاک کے تین پات۔
لاش اسی طرح پڑی رہی۔ اب تو ہوٹل والا
آگ بگولا ہو گیا۔ وہ کہنے لگا۔" پینا ہے تو
پی۔ کیوں خواہ مخواہ میرا مغز چاٹ رہی ہے۔"
اور یہ کہتے ہی اس نے گلاس اس کے منہ پر
اس زور سے دے مارا کہ ہیگ کی دادی کی
لاش پیچھے گر پڑی۔
ہیگ دروازے میں کھڑا ہوٹل والے
کی پریشانی پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔
اب جو اُس نے گلاس اس کی دادی پر پھینکا
تو اُس نے اُچھل کر اُسے گردن سے آدبوچا۔
اور چیخ کر کہا۔" توبہ کیسے ظالم ہو۔ بدمعاش
تو نے تو میری دادی کو جان سے مار ڈالا۔
اندھے یہ گلاس اس زور سے تو نے پھینکا
ہے کہ بے چاری کے ماتھے میں سوراخ ہو گیا
اب میں تجھے تھانہ پہنچائے بغیر ہرگز نہیں
چھوڑونگا۔" یہ کہتے ہی اُس نے اپنا منہ

ورنہ میں تو بڑا غریب تھا۔
معلوم ہوتا ہے اسمتھ بالکل گدھا تھا۔
اب وہ پھر ہیگ کی باتوں میں آگیا۔ اور کہنے لگا۔ "کیا آجکل لاشوں کی بڑی مانگ ہے۔"
ہیگ نے کہا۔ اس کا اسی امر سے اندازہ لگالو۔ کہ ایک بوڑھی عورت کی لاش اشرفیوں کے ایک تھیلے کو بکی ہے۔
اسمتھ جلد جلد اپنے گھر پہنچا۔ وہاں پہنچکر اُس نے اپنی بیچاری بوڑھی دادی کو چھری سے ذبح کر ڈالا۔ اور ایک گاڑی میں لاد کر اُسے ہسپتال کے داروغہ کے پاس لیگیا۔ داروغہ نے جب یہ سارا واقعہ سُنا تو کڑک کر بولا۔ "خُدا کی پناہ تم نے یہ کیا کر دیا۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو۔ تو فوراً تیر ہو جاؤ۔ اور جاتے ہی مشہور کر دو۔ کہ تمہاری دادی امّاں فالج یا کسی بیماری سے یکایک فوت ہو گئی ہیں۔ ورنہ یاد رکھو اگر کسی سپاہی نے تمہیں اس حالت میں دیکھ لیا۔ تو تم پر مقدمہ چلایا جائیگا۔" غرض داروغہ صاحب نے جو اسمتھ کے باپ کے دوستوں میں سے تھے۔ اسمتھ کو ایسے آڑے ہاتھوں لیا۔ کہ وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ اب تو اُسے یہ خطرہ ہُوا۔ کہ کہیں پکڑا گیا تو مجھ پر مقدمہ چل جائیگا۔ اور مجھے پھانسی کی سزا ہو جائیگی۔ اسلئے اُس نے جاکر لاش کو دفن کر دیا۔ اور اس کے بعد غُصّہ میں بھرا ہُوا ہیگ کے گھر پہنچا۔ اور اُس سے بولا۔ "مکار ہیگ تو نے دوسری مرتبہ پھر مجھے دھوکہ دیا۔ اب میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑونگا۔ اور دریا میں لیجاکر ڈبودُونگا۔" یہ کہتے کہتے اس نے ہیگ کو جو بہت کمزور اور دُبلا تھا۔ پکڑ کر رسیوں میں جکڑ لیا۔ اور ایک بوری میں بند کر کے ٹھیلے پر رکھ لیا۔ اسکے بعد ٹھیلے کو دریا کی طرف لیچلا۔ تاکہ اُسے اس میں پھینک کر اُس سے بدلے۔ (باقی پھر) نسیم

سالانہ قیمت پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵　　قیمت ششماہی ۳ قیمت فی پرچہ ۸

جلد (۴)　نونہال　آنریری ایڈیٹر حکیم احمد شجاع بی اے علیگ　نمبر (۶)

فہرست مضامین بابت ۱۵۔ فروری ۱۹۲۴ء

دلچسپ معلومات

کوئلہ کی بچت۔ سب جانتے ہیں کہ ریل میں کوئلہ بڑا خرچ ہوتا ہے۔ اور اس سے کوئلہ کی کمی و گرانی پر بڑا بھاری اثر ہوتا ہے۔ اب سویڈن کے ایک موجد نے کوئلہ کم صرف کرنے کا ایک طریقہ دریافت کیا ہے۔ اس نے ریل کے ہر ایک پُرزہ کو پہلے سے چھوٹا کر دیا ہے۔ اور اس طرح انجن کا پیٹ اور دیگر ہتھیار بھی چھوٹے ہو گئے ہیں لیکن اس انجن سے ریل کی رفتار یا تیزی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ صرف قیمتی کوئلے کی ایک بڑی مقدار بچ جاتی ہے۔ اس طرح کوئلے کے سستا ہو جانے کی بڑی امید ہے۔

ایک سائنسدان نے ایک ایسا آلہ بنایا ہے جس کی مدد سے کوئی جسم ہوا میں معلق رہ سکتا ہے۔

ہندوستان تمام دُنیا سے شیشہ بنانے اور اس کی چیزیں تیار کرنے میں اول درجے پر تھا۔ جب تمام دُنیا جہالت میں مبتلا تھی۔ ہندوستانیوں نے شیشہ کے کام میں شہرت حاصل کی تھی۔ روم کی ایک تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ سکندر اعظم نے پہلے پہل جو آئینہ تیار کیا تھا۔ وہ ہندوستان کے نمونہ پر بنا تھا۔

بحر ہند کے جزیرہ ماہو میں ایک گرجا ہے۔ جو سارے کا سارا مونگے سے بنا ہے۔

دُنیا میں سب سے تھوڑی اشاعت والا ایک جرمن اخبار تھا۔ جس کا نام "ڈیلی ریکارڈ آف انٹرنیشنل اوپی نین" تھا۔ اس کی صرف دو کاپیاں چھپتی تھیں۔ ایک کاپی قیصر جرمن کے پاس جاتی تھی اور ایک قومی کتبخانہ میں رکھی جاتی تھی۔

اضلاع متحدہ امریکہ کے باشندے کہانیوں کی کتابیں پڑھنے کے بہت شائق ہیں۔

بسنت کی بہار

پھر آئی بسنت رُت سُہانی
حاصل ہوئی آب کو روانی

پھر باغ میں پھول مُسکراتے
سبزے کی جھلک ہے دھانی دھانی

شاخوں کا وہ جھومنا ہوا میں
سرسوں کے وہ پھول زعفرانی

غنچوں کا چٹک چٹک کے کھلنا
مرغانِ سحر کی شادمانی

وہ موسمِ گُل کی آمد آمد
ہے بختِ سعید کی نشانی

دیتا ہے صلائے عام سب کو
بُلبُل کہ ہے جانِ خوش بیانی

محفل میں دکھاؤ اپنے جوہر
تازہ کرو شوقِ نغمہ خوانی

اے ملک کے نونہال بچّو!
ہو تم پہ خُدا کی مہربانی

ہو تم کو بسنت رُت مُبارک
حاصل ہو بہارِ زندگانی

مہکاتے تمہیں خدا جہاں میں
ہو تم کو نصیب کامرانی

فدا

مُرغیوں کی بہادری

کسی مُلک میں ایک سوداگر رہتا تھا۔ اس کے یہاں ایک مُرغا اور بہت سی مُرغیاں پلی ہُوئی تھیں۔ سوداگر ان کی نہایت اچھی طرح خبرگیری کیا کرتا اُسنے ایک بڑے میدان میں ان کے رہنے سہنے کا بندوبست کر رکھا تھا۔ ایک دِن یہ اتّفاق ہُوا کہ اُسے کسی ضروری کام کے باعث دوسری جگہ جانے کی ضرورت ہُوئی۔ مُرغیوں کو نوکر کے سپرد کر گیا۔ اور کہہ گیا کہ ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتے رہنا۔

جس جگہ یہ مُرغیاں بند ہوتی تھیں اس کے قریب ہی ایک نیولا رہتا تھا۔ مرغیوں کو دیکھ دیکھ کر اس کے مُنہ میں پانی بھر آتا تھا۔ جب تک سوداگر رہا اس کا بس نہ چلا۔ لیکن

جب سوداگر چلا گیا تو نوکر کی لاپروائی سے نیولے کا کام بن گیا۔ دِل میں سوچا کہ اب چلکر مُرغیوں کی مزاج پُرسی کرنی چاہیئے۔

ایک روز شام کے وقت ان کے رہنے کی جگہ گھس گیا۔ اور خاموش بیٹھ رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد نوکر آیا اور مُرغیوں کو بند کر کے چلا گیا۔ جب اچھی خاصی رات ہوگئی۔ نیولا اپنی جوانی کے زعم میں اکڑتا ہُوا نکلا۔ اور اس نے دو چار مُرغیوں کو ٹھنڈا کر دیا۔

مُرغیوں میں ہلچل مچ گئی۔ سب نے مِلکر ایک چوزے کو مرغ الدولہ کے پاس بھیجا چوزا دوڑا دوڑا گیا اور عرض کیا "جہاں پناہ ..... آج ..... آج ہم لٹ گئے..... تباہ ہوگئے۔ ایک ظالم نیولا گھس آیا .....

مدد... مرغ الدولہ مرغ نے جب یہ سنا تو دل میں
ڈرا کہ بھلا نیولے کے آگے میری کیا حقیقت
ہے میں اس کا مقابلہ کیسے کرسکتا ہوں۔
لیکن یہ خیال کرکے کہ چوزے مجھے بزدل نہ
سمجھیں۔ دل کڑا کر کے کہنے لگا۔ تم گھبراؤ مت
صبر و استقلال کو ہاتھ سے نہ دو۔ دیکھو میں اپنے
سپاہیوں کو لیکر اس کے مقابلہ کے لئے روانہ
ہوتا ہوں۔ "ککڑوں کوں۔ ککڑوں کوں" اتنی
دیر میں بہت سے چوزے اور مرغیاں جمع
ہوگئیں جو خوف سے بدحواس ہو رہی تھیں۔
مرغ الدولہ نے ان کا دل بڑھانے کے
لئے ایک پرجوش تقریر کی کہ "اے میرے
چھوٹے چھوٹے بہادرو! اور اے دلاورو!
استقلال کو کام میں لاؤ۔ تم سب دشمن کے
مقابلے کے لئے بہت ہو۔ اس کی تمہارے
سامنے بساط ہی کیا ہے۔ اسے مچھر کی طرح
مسل کر پھینک دو گے۔ اگر تم بہادری سے
لڑو گے تو تمہارے نام سنہری حرفوں سے
تاریخ میں لکھے جائینگے آئندہ نسل تم پر فخر
کریگی لیکن اگر مقابلہ نہ کرو گے۔ تو دشمن تم سب
کو نیست و نابود کر ڈالیگا۔ اور کل کے بچے تمہیں
بزدل خیال کرینگے۔ ہمت کرو۔ اللہ کچھ نہ کچھ
غیب سے سامان کر دیگا۔ عزت کا مرنا ذلت
کے جینے سے بہتر ہے۔ ککڑوں کوں ککڑوں کوں
لو آؤ اور میرے پیچھے قدم بڑھاؤ۔"
اس اثنا میں نیولے نے اور کتی ایک کی
خبر لے ڈالی لیکن یہ چھوٹی سی فوج مرغ الدولہ
کے زیر کمان وقت پر پہنچی اور سب کے
سب نیولے پر ٹوٹ پڑے۔ مرغ الدولہ
نے ککڑوں کوں ککڑوں کوں کہہ کر بڑا
جوش دلایا۔ اور سب نے نیولے کو چونچوں
اور پنجوں سے لہولہان کر دیا۔ نیولا یہ دیکھ کر
بڑا بگڑا۔ اور بولا "خدا کی شان! یہ دانہ چننے
والے آج ہمارے مقابلہ کو آئے ہیں مگر مجھے

بھی اپنے دادا مرحوم کی قسم جو ایک کو بھی جیتا چھوڑوں۔" یہ کہہ کر اس نے بڑے زور سے حملہ کیا۔ اور دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ مُرغیاں برابر لڑتی گئیں۔ لیکن مُرغ الگ کھڑا ہو کر گکڑوں کوں کرتا گیا۔ جب یہ آواز نوکر کے کان میں پُہنچی۔ تو خواب غفلت سے جاگا اور ایک موٹا سا ڈنڈا لیکر گیا۔ اور ایک ہی وار سے نیولے کو چت کر دیا۔ اس کے مرنے پر سب نے بڑی خوشیاں منائیں۔ مرغ الدولہ نے اپنی تعریف میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ اخیر میں بولے کہ اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے تو کب کے مر چکے ہوتے۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اس وقت خُدا کی قدرت نظر آگئی۔ بزرگوں نے سچ کہا ہے کہ جو کوئی مظلوموں کو ستاتا ہے۔ خود بھی ستایا جاتا ہے۔ نیولے نے ہمیں ستا کر کیا پھل پایا۔ اپنی جان سے [illegible] خراب [illegible] تم دیکھنا یہ نیولا سیدھا دوزخ میں جائیگا۔ گکڑوں کوں گکڑوں کوں۔

سیّد محسن عباس

کان دھر کے سُنو

ایک اُستاد نے جماعت کے طلبا سے مخاطب ہو کر کہا جو کچھ میں کہوں اُسے کان دھر کے سُنو۔ یہ سُنکر ایک طالبعلم نے جو جماعت میں سب سے چالاک تھا۔ کانوں کے نیچے ہاتھ رکھ لئے اور کہا بہت اچھا اس پر اُستاد نے غضبناک ہو کر کہا۔ اے نامعقول یہ کیا حرکت ہے۔ طالب علم نے جواب دیا۔ جناب کچھ نہیں آپ سبق پڑھائیں میں نے آپ کے کہنے کے مطابق کان ہاتھ پر رکھ لئے ہیں۔ (جو کہا تھا وہی کیا)

برہان الدین احمد

صبر کا پھل

دریائے گنگا کے کنارے دو بہن بھائی گلے میں باہیں ڈالے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ یہ کچھ غمزدہ معلوم ہوتے تھے۔ اور اُن کے چہرے سے غم کے آثار ظاہر تھے بہن کا نام نعیمہ تھا اور بھائی کا نام نعیم۔

بہن نے کہا۔ پیارے بھائی دیکھو! ہماری سوتیلی ماں ہم پر کس قدر ظلم کرتی ہیں۔

بھائی:۔ باجی! میں تو یہ بات تمہیں پہلے ہی کہنے والا تھا۔ ابا جان اگر دوسری شادی نہ کرتے تو ہم پر یہ مصیبت کیوں آتی؟

بہن: بھائی مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمیں جیتا نہ چھوڑیگی۔

بھائی:۔ تو اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

بہن: میں اسی سوچ میں ہوں۔ تم ہی کچھ سوچو!

بھائی:۔ میں تو یہی کہونگا کہ یہاں سے دُور چلے جائیں۔ دیکھو تو! وہ ہمیں نہ پہننے کو کپڑا دیتی ہیں اور نہ کھانے کو روٹی۔ اس سے تو گھر کا کُتا ہی بہتر ہے۔ جس کو ہر روز عمدہ راتب مل جاتا ہے۔

بہن:۔ میرے پیارے بھائی پہلے تو ہمیں بڑا کچھ ملتا تھا۔ مگر اب نہ کھانے کو روٹی ہے نہ پہننے کو کپڑا۔

اس طرح باتیں کرتے کرتے بہت دیر ہوگئی۔ اور اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ وہاں سے بھاگ چلیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں اُن کی ماں اُنہیں دیکھ لے۔ پس وہ بھاگتے بھاگتے بہت دُور نکل گئے۔ اور ایک سنسان جنگل میں جا پہنچے۔ اس وقت شام ہوگئی تھی۔ اور اُنہیں نیند بھی آگئی تھی اس

لئے ایک بہت بڑے درخت کے کھوکھلے تنے میں سو گئے۔ اور ساری رات مزے سے سوتے رہے۔

صبح کے وقت پہلے بہن اُٹھی۔ اور پھر اُس نے اپنے بھائی کو جگایا۔ نعیم نے اپنی بہن سے کہا۔ "آپا! مجھے پیاس لگ رہی ہے۔ آؤ! کسی ندی پر چل کر پانی پئیں۔"

وہ دونوں ایک ندی پر پہنچے۔ نعیم پانی پینا چاہتا تھا۔ کہ ایک آواز سُنائی دی۔ "بچو! خبردار! اس ندی سے پانی نہ پینا ورنہ شیر بن جاؤ گے"

جس وقت بہن نے یہ آواز سُنی تو بھائی سے چلّا کر کہا۔ "اس ندی میں سے پانی مت پیو۔ اگر تم شیر بن گئے تو مجھے پھاڑ کر کھا جاؤ گے چلو! کسی اور ندی پر چل کر پانی پئیں۔"

نعیم مان گیا اور دونوں دوسری ندی کی طرف روانہ ہوئے۔ اُسی وقت ہوا میں ایک سُریلی آواز یہ کہتی ہوئی گزر رہی۔ "خبردار! جو اس ندی میں سے پانی پیئے گا وہ عقاب بن جائیگا۔" پھر دونوں پانی پینے سے رُک گئے۔ اور تیسری ندی پر پہنچے۔ ایک پرندے نے ان دونوں کو آواز دے کر کہا۔ "اس ندی میں سے پانی مت پینا۔ ورنہ غزالہ (ہرن کا بچہ) بن جاؤ گے"۔ بہن نے بھائی کو سمجھایا۔ کہ اس ندی سے پانی مت پیو! مگر وہ بہت پیاسا تھا۔ کہنے لگا۔ "جانوروں کے کہنے کا کیا اعتبار"۔ یہ کہہ کر پانی پی لیا۔ پانی پیتا تھا کہ وہ ایک خوبصورت پیارا ہرن بن گیا۔ یہ دیکھ کر لڑکی زار زار رونے لگی۔ اور ہرن کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گئے۔

مگر اب رونے سے کیا فایدہ ہو سکتا تھا۔ نعیمہ نے اپنا کنگن اُتار کر اپنے بھائی کے گلے میں ڈال دیا۔ اور روتے ہوئے کہا۔ "پیارے بھائی! میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑونگی۔ اور ہمیشہ تیری حفاظت کیا کرونگی"۔ یہ کہتے ہوئے اُس

کو جنگل کی ایک جھونپڑی میں لیگئی۔ اور وہاں
زندگی کے باقی دن گزارنے لگی۔

ایک روز ایک شہزادہ شکار کھیلنے کے
لئے اسی جنگل میں آیا۔ جب ہرن نے گھوڑے
کے ٹاپوں کی آواز سُنی تو بیقرار ہو کر اپنی بہن
سے کہا۔ "مہربانی کرکے مجھے کھول دو۔ تاکہ
میں جنگل کی سیر کر آؤں۔"

بہن نے کہا۔ "نہیں! تم نہیں جا سکتے۔
خطرہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا ہی شکار نہ کر لیں"
مگر ہرن نے ضد کی۔ آخر بہن نے مجبور ہو کر
اُسے کھول دیا۔ اور کہا۔ جب شام کو آؤ۔ تو
دروازہ بند ہوگا۔ تم کہنا میں آگیا ہوں۔ میں
دروازہ کھول دُونگی۔

ہرن "اچھا" کہہ کر چلا گیا۔

جب شہزادے نے اس کو دیکھا۔ تو
شکاریوں کو اس کے پکڑنے کا حکم دیا۔ مگر یہ
اُچھلتا کودتا کہیں کا کہیں پہنچ گیا۔ اور شکاری
ناکام واپس لوٹے۔ جب شام ہُوئی۔ تو یہ
جھونپڑی کے دروازے پر گیا۔ اور بولا میں
آگیا ہوں۔ دروازہ کھُل گیا۔ اسی طرح دوسرے
دِن بھی ہُوا۔ اور ابکے بھی وہ شکاریوں کے
قابو میں نہ آیا۔ تیسری دفعہ شہزادے نے
شکاریوں سے کہا۔ کہ "جس طرف یہ جاتا ہے
تم بھی اس کے پیچھے پیچھے جاؤ!"

شکاری اس کے پیچھے گئے اور سب
حال دیکھ کر شہزادے سے کہہ دیا۔ شہزادہ
نے کہا۔ دیکھوں یہ معاملہ کیا ہے۔ پس وُہ
خود شام کے وقت اُس جھونپڑی کے دروازے
پر گیا۔ اور ہرن کی سی آواز میں بولا۔ "میں
آگیا ہوں۔"

نعیمہ نے سمجھا میرا بھائی آیا ہے جھٹ
سے دروازہ کھول دیا۔ مگر جب شہزادے
کو دیکھا تو حیران رہ گئی۔ شہزادے نے کہا۔
"حیران ہونے کی کوئی بات نہیں تم اس

ملک کے بادشاہ کا بیٹا ہوں۔ اور اکثر اس جنگل میں شکار کھیلنے آتا رہتا ہوں۔ اگر تم پسند کرو تو مَیں تمہیں اپنے محل میں لے چلوں اور تم سے شادی کر لوں۔

نعیمہ نے کہا: "مَیں اپنے بھائی کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔"

"اُسے بھی ساتھ لے چلو۔"

اسی اثناء میں ہرن بھی آ گیا۔ اور ان کی باتیں سُنکر بہت خوش ہُوا۔

جب یہ محل میں پہنچے تو بادشاہ نے اپنے بیٹے کی شادی بڑی دھوم دھام سے نعیمہ کے ساتھ کر دی۔ اور اُن کے رہنے کے لئے علیحدہ محل بنوا دیا۔

کچھ دنوں کے نعیمہ کے محل میں ایک پری آئی اور اُس نے اس کے بھائی کو پھر انسانی صورت میں بدل دیا اور وہ پہلے کی طرح خوبصورت نعیم بن گیا۔

اس پر نعیمہ بڑی خوش ہوئی۔ اور اس خوشی میں اُس نے لاکھوں روپے غریبوں میں تقسیم کئے

ایک رات ملکہ نعیمہ نے اپنی سوتیلی ماں کا سارا قصّہ شہزادے کے سامنے بیان کیا اُس نے اسی وقت اس کے مارنے کو جلّاد بھیجے۔ مگر اتفاق ایسا ہُوا کہ وہ پہلے ہی مر چکی تھی۔

عبدالرحیم

لطیفہ

اُستاد۔ تُم جانتے ہو کہ کسی چیز پر گرمی اور سردی کا کیا اثر پڑتا ہے؟

شاگرد۔ جی ہاں گرمی سے بڑھتی اور سردی سے سکڑتی ہے۔

اُستاد۔ کوئی مثال دو۔

شاگرد۔ گرمی میں دن بڑے اور سردی میں چھوٹے ہوتے ہیں۔

ن۔ج۔ب

دو بہادر سپاہی

(۱)

جب اکبر نے ہندوستان کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ تو راجپوتانہ کی طرف توجہ کی۔ اُس کی بڑی خواہش تھی۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے رانا پرتاب اور اس کے لڑاکے سپاہیوں کو شکست دے۔ اس کوشش میں اُس نے ایک شہر پر جو حملہ کیا۔ تو اُس کے محافظ رگھوپت سنگھ نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ مگر کہاں شاہی فوج اور کہاں رگھوپت سنگھ کے اِنے گِنے سپاہی۔ اُن کو شکست فاش ہوئی۔ اور وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ شاہی فوج کے کماندار نے کہا۔ اس رگھوپت نے ہمیں بڑا تنگ کیا ہے۔ میں اسے زندہ گرفتار کرونگا۔ اب اتفاق ایسا ہوا کہ بھاگتے وقت رگھوپت سنگھ اپنی بیوی اور بیٹے کو ساتھ نہ لے جا سکا کیونکہ جنگ کا معاملہ تھا۔ اور وقت بڑا نازک تھا۔ یہ خبر سُنکر شاہی فوج کا کماندار بڑا خوش ہوا اور اُس نے شہر کے دروازے پر سپاہیوں کا دستہ بٹھا دیا۔ اور اُن کے افسر کو حکم دے دیا۔ کہ جس وقت رگھوپت سنگھ آئے۔ اُسے اُسی وقت گرفتار کر لیا جائے۔

(۲)

لیکن رگھوپت سنگھ بھی بڑا باخبر آدمی تھا اُسے یہ بات فوراً معلوم ہو گئی۔ کہ کماندار نے میری گرفتاری کا حکم دے دیا ہے۔ پھر بھلا وہ شہر کی طرف کیسے آجاتا۔ جنگلوں میں چھپ چھپ کر رہنے لگا۔ اب خدا کا کرنا کیا ہوا کہ رگھوپت سنگھ کا ننھا بچہ بیمار ہو گیا۔ اور اُسکی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ سب جانتے ہیں کہ ماں باپ کو اولاد سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ جب یہ خبر رگھوپت سنگھ کو معلوم ہوئی تو

اُس کو اپنی جان کا کوئی خوف نہ رہا۔ اور وہ رات
کے وقت شہر کے دروازے پر آگیا۔ محافظ
سپاہیوں کے افسر نے اُسے دیکھ کر کہا اسے
گرفتار کر لو۔ یہی رگھوپت سنگھ ہے۔

مگر ابھی سپاہیوں نے اُسے گرفتار نہ کیا
تھا کہ رگھوپت نے غمگین لہجہ میں جواب دیا۔

اے بہادر سپاہی! میرا بیٹا بڑا بیمار ہے
اور اُس کے بچنے کا کوئی بھروسہ نہیں۔ مَیں
اُسے دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تو مجھے گھر
جانے کی اجازت دیدے تو تیری بڑی
مہربانی ہوگی۔ مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اُسے
دیکھ کر تیرے پاس واپس آجاؤنگا اور اپنے
آپ کو تیرے حوالہ کر دُونگا۔

سپاہیوں کا افسر بھی صاحب اولاد تھا
اور اُسے بڑی اچھی طرح سے معلوم تھا کہ ماں
باپ کو بچوّں سے کیسی محبت ہوتی ہے۔ پس
اُس نے رگھوپت سنگھ کو گھر جانے کی اجازت
دیدی۔ مگر یہ وعدہ لے لیا۔ کہ وہ صبح ہوتے ہی
اپنے آپ کو اُس کے حوالے کر دیگا۔

جب رات گُذر گئی۔ اور صبح ہُوئی تو رگھوپت سنگھ
نے اپنے آپ کو مسلمان افسر پولیس کے
حوالے کر دیا۔ مگر اس واقعہ سے اُس کے دِل
پر ایسا اثر ہُوا۔ کہ اُس نے رگھوپت سنگھ کو گرفتار
نہ کیا۔ اور کہا۔ جتنی جلدی ہو سکے نکل جاؤ مَیں
تُمہیں گرفتار نہیں کرنا چاہتا۔

رگھوپت سنگھ نے اُس کا شکریہ ادا کیا
اور کہا۔ اگر وقت آیا تو مَیں ثابت کر دُونگا۔ کہ
راجپوت اپنی جان کی ذرا بھی حقیقت نہیں سمجھتے
یہ کہا۔ اور جنگل کو بھاگ کر اپنے ساتھیوں
سے جا ملا۔

(۴)

اُس دستہ میں ایک سپاہی اپنے افسر کا
مخالف تھا۔ اُس نے یہ سارا واقعہ جاکر فوج
کے کماندار سے کہہ دیا۔ جب کماندار نے یہ

سُنا کہ رگھوپت ہاتھوں میں سے نکل گیا ہے تو بڑا برہم ہُوا۔ اور اُس نے اُسی وقت اُسے گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ دوسرے دِن اِس پر مقدمہ چلا۔ اور اس نیکی کا اجر یہ مِلا۔ کہ اُسے پھانسی کی سزا کا حکم ہو گیا۔

یہ خبر ایسی نہ تھی کہ چھپی رہتی۔ ایک ہی دِن میں رگھوپت تک جا پہنچی۔ اُس نے اپنے دِل میں سوچا۔ وہ بڑا نیک آدمی ہے جس نے پرائے کے لئے اپنی زندگی خطرے میں ڈال دی ہے۔ اب میرا فرض ہے کہ اُسے بچانے کی کوشش کروں۔

یہ سوچ کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اپنے شہر کے دروازے کے باہر اس جگہ جا پہنچا۔ جہاں اُس نیک طبیعت مسلمان کو موت کی سزا دینے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ معاً لوگوں نے دیکھا کہ دُور سے گرد اُڑتی نظر آتی ہے۔ وہ حیران ہو کر سوچنے لگے کہ یہ کون ہو سکتا ہے۔ اتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار وہاں پہنچ گیا۔ اور آگے بڑھ کر بولا۔ اس آدمی کو کیوں مارتے ہو۔ مَیں رگھوپت سنگھ ہوں۔ قتل کرنا ہے تو مجھے کرو۔ اس شخص کا کیا قصور ہے۔

کماندار نے رگھوپت سنگھ کو بھی گرفتار کر لیا۔ اور حکم دیا۔ کہ ان دونوں کو ایک ساتھ قتل کر دیا جائے۔

رگھوپت سنگھ یہ کہتا تھا۔ اس نیک مسلمان کو چھوڑ دو۔ مَیں موت کے لئے تیار ہوں۔ مگر وہ مسلمان سپاہی کہتا تھا۔ جب مَیں اسے گرفتار نہ کرنے کے جرم میں قتل کیا جا رہا ہوں۔ تو پھر اسے کیوں مارا جاتا ہے۔ اس کا بیٹا بیمار ہے۔ اسے رہا کر دینا چاہیئے۔

مگر کماندار نے کسی کی بات نہ سُنی اور حکم دیا۔ دونوں کو قتل کر دو۔

(۴۴)

اب ذرا اور تماشہ دیکھو۔ رگھوپت سنگھ کہتا تھا۔ پہلے مجھے مارو اور مسلمان سپاہی کہتا تھا پہلے موت پر میرا حق ہے۔ وہ اسی طرح جھگڑ رہے تھے کہ اتنے میں شاہنشاہِ اکبر گھوڑے پر سوار اُدھر آنکلا۔ اور بھیڑ کو دیکھ کر آگے بڑھ آیا۔ جب اُسے اس واقعہ کا علم ہوا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور وہ بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

تم دونوں مُبارک ہو۔ مَیں تمہاری دلاوری دیکھ کر بڑا خوش ہوا ہوں۔ جو مہربانی نہیں کرتا وہ بہادر نہیں ہے۔ اور جس کا دِل دوسرے کی مصیبت پر پانی پانی ہو کر نہیں بہ جاتا' وہ سپاہی نہیں ہے۔ تم دونوں سپاہی ہو۔ اور تم دونوں نے بہادری کا ثبوت دیا ہے۔ اِس لئے مَیں دونوں کی جان بخشی کرتا ہوں۔" پھر مسلمان سپاہی سے کہا۔ تمہارا عہدہ بڑھا دیا گیا ہے۔ اور رگھوپت سنگھ سے کہا۔ تم آزاد ہو۔ جاؤ اگر تمہاری خواہش ہے تو مہارانا پرتاب سنگھ سے جا ملو۔ مَیں بڑا خوش قسمت ہوں۔ جسے تم جیسے بہادر اور عالی مزاج دشمن ملے ہیں۔

یہ دریا دِلی دیکھ کر رگھوپت سنگھ کے دِل پر بڑا اثر ہوا۔ اور اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا آپ نے آج میرا دِل جیت لیا ہے۔ اب مَیں کہیں نہ جاؤنگا۔ نہ آپ کی مخالفت کرونگا۔ صرف اپنے شہر میں پڑا رہونگا۔

بادشاہ نے کہا۔ اگر یہ بات ہے۔ تو مَیں تیرے شہر کا محاصرہ آج ہی ہٹائے لیتا ہوں۔ مجھے تیرے جیسے نیک آدمی پر حملہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اور یہ کہہ کر اُسی وقت فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

مشق۔

کام میں دھیان

جمیلہ بڑی نیک لڑکی تھی۔ مگر اس میں یہ عادت بہت بُری تھی۔ کہ وہ کسی کام کو بھی دل لگاکر نہ کرتی تھی۔ ایک دفعہ جمیلہ کو اُس کی بڑی بہن نے اپنے چھوٹے لڑکے بشیر کا پاجامہ سینے کو دیا۔ جمیلہ اُس وقت ایک بہت اچھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اُس کا دل نہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی مزیدار کہانی چھوڑ کر کوئی اور کام کرے۔ مگر چونکہ وہ ایک فرمانبردار لڑکی تھی۔ اس لئے وہ بہن کا حکم نہ ٹال سکی پاجامہ لے کر نہایت بیدلی سے سینے بیٹھ گئی۔ مگر کتاب سامنے کھُلی رکھی تھی۔ کتاب بھی پڑھتی جاتی تھی۔ اور ٹانکے بھی بھرتی جاتی تھی کیونکہ اُس کا خیال کتاب میں تھا۔ اس لئے اُس نے پاجامہ کہیں سے اُلٹا اور کہیں سے سیدھا جوڑ دیا۔ جب تھوڑا سا رہ گیا تو کیا دیکھتی ہے کہ اُلٹا سیتی جاتی ہے۔ اُس نے پاجامہ کو اُدھیڑا اور پھر نئے سرے سے سینا شروع کیا۔ مگر اب کے بھی اُسی طرح کتاب بھی دیکھتی جاتی تھی۔ اور کپڑا بھی سیتی جاتی تھی۔ مگر سیتی کیا دھیان تو اس کا کتاب میں تھا۔ ابکی دفعہ یہ بھول ہوگئی۔ کہ پائنچوں کی سنجاف اُوپر کی طرف لگ گئی۔ اپنے کئے پر بہت پچتائی۔ کہ اگر میں یہ کام دل لگاکر کرتی تو مجھے دو دفعہ کیوں اُدھیڑنا پڑتا۔ اب کی دفعہ پھر اُدھیڑ کر ذرا دل لگاکر سیا۔ مگر اُدھیڑنے سے پائنچوں پر وہ صفائی نہ رہی جیسی کہ ہونی چاہئے تھی۔ جب پاجامہ سل کر بہن کے پاس لے گئی تو وہ دیکھ کر بہت ہی خفا ہوئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ تم کو یہ ذرا سا پاجامہ سینے کو دیا تھا مگر وہ بھی تم نے خراب کر دیا۔ کیا اب تک

تمہیں پاجامہ بھی سینا نہیں آتا۔ جمیلہ نے یہ سُنکر سر جُھکا لیا۔ اور آنکھیں نیچی کر کے جواب دیا۔ کہ "نہیں آپا! مَیں نے تو اچھی طرح سیا تھا۔ خبر نہیں کہ کیوں خراب ہو گیا ہے۔ بہن نے کہا۔ کہ یہ صرف اس واسطے خراب ہُوا کہ تمہارا دھیان اُس کی طرف نہ تھا۔ مَیں نے تجھے دیکھا تھا کہ تو کتاب بھی پڑھتی تھی اور پاجامہ بھی سیتی تھی۔ کیا اس طرح بھی کبھی کام ہُوا کرتے ہیں میری یہ بات یاد رکھو۔ جس کام میں دِل نہیں لگایا جاتا۔ وہ کام کبھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ اور ہمیشہ خراب ہو جاتا ہے۔ مسعودہ بیگم

اچھی اچھی باتیں

(۱) دوست تین قسم کے ہیں:۔ اوّل تیرا دوست دوئم تیرے دوست کا دوست۔ سوئم تیرے دشمن کا دشمن۔

اسی طرح دُشمن تین قسم کے ہیں:۔ اوّل تیرا دُشمن۔ دوئم تیرے دوست کا دُشمن۔ سوئم تیرے دُشمن کا دوست۔

(۲) دوست کے ساتھ اعتدال کے ساتھ دوستی کر۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی دِن تیرا دُشمن ہو جائے۔ اور دُشمن کے ساتھ اعتدال سے دُشمنی کر۔ کیونکہ ممکن ہے وہ کسی دن تیرا دوست بن جائے۔

(۳) جس نے اپنے عیوب پر نظر کی وہ دوسرے کی عیب جوئی سے باز رہا۔

(۴) جس نے لوگوں کے عیوب کو دیکھا۔ اور اُنہیں بُرا سمجھا۔ اور پھر اُس نے اپنے لئے بھی وہی عیوب اختیار کر لئے وہ بالکل احمق ہے۔

(۵) سب سے بڑا عیب یہ ہے۔ کہ لوگوں کے ان عیوب کی گرفت کی جائے جو خود ہم میں موجود ہیں۔

(۶) حق سے زیادہ تعریف و توصیف کرنا خوشامد ہے۔ محمد فضل الرحمٰن

سالانہ قیمت پانچ روپے — رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۲۱۵ — قیمت ششماہی ۳؍ فی پرچہ ۲؍

جلد ۴ | نونہال — آنریری ایڈیٹر حکیم احمد شجاع بی اے + ایڈیٹر محمد اسمٰعیل نعیم | نمبر ۷

فہرست مضامین بابت ۲۲-فروری ۱۹۲۴ء

[illegible] ... چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا

دلچسپ معلومات

فرانس کے ایک سائنس دان نے تار دینے کا ایک ایسا عمدہ طریقہ ایجاد کیا ہے۔ کہ جس کے ذریعہ سے تار بھیجنے والے کے ہاتھ کا لکھا ہوا تار ہو بہو اسی خط میں پانے والے کو بھیجا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے آدمیوں کے فوٹو، مکانوں، جہازوں اور قلعوں کے نقشے وغیرہ بھی تار کے ذریعے بھیجے جا سکتے ہیں۔

امریکہ میں ابھی حال میں ایک ایسی مشین ایجاد ہوئی ہے۔ جس کے ذریعہ سے لکچر دینے والے کی کل تقریر کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ یہ آلہ اس کمرے یا ہال میں جہاں تقریر ہو رہی ہو۔ رکھ دیا جاتا ہے۔ اور تمام تقریر خود بخود اس میں درج ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کو چابی دینے سے پھر وہی تقریر۔ ہو بہو سنی جا سکتی ہے۔ یہ آلہ اسکولوں اور کالجوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

جرمنی میں ایک ایسا پستول ایجاد کیا گیا ہے۔ جس سے چور پکڑا جا سکتا ہے اور آگ بھی بجھائی جا سکتی ہے۔ اس کی نلی میں ایک قسم کی گیس بھری ہوتی ہے۔ جو فیر کرنے پر دھوئیں کے مانند نکلنے لگتی ہے۔ جس میں کوئی جاندار چیز سانس نہیں لے سکتی، جب چور مکان میں داخل ہوتا ہے تو اسی پستول سے کام لیا جاتا ہے۔ جس سے دم گھٹنے کی وجہ سے وہ بیہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ اور وہ فوراً پکڑ لیا جاتا ہے۔ اس طرح اس کا دھواں آگ کے شعلوں پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ بجھ جاتی ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی اور نہایت عجیب و غریب خوردبین کیلئے فورنیا (امریکہ) میں تیار ہوتی ہے۔ اس میں ہر چیز تقریباً اڑھائی لاکھ گنی بڑی دکھائی دیتی ہے۔

شیام کشور

اور کہنے لگا۔ کہ "جب وہ آدمی اس الماری
کی قیمت خود ہی سو روپیہ کہہ رہا تھا۔ تو تُو نے
اس کی اصلی قیمت کیوں بتا دی۔"

عبداللہ نے جواب دیا کہ "جو قیمت آپ
نے مجھے بتائی تھی۔ وہی مَیں نے اُس سے
کہہ دی۔ اگر آپ اُس کی قیمت سو روپیہ کہہ
دیتے تو مَیں اُسے سو ہی کہتا۔ اس میں میرا
کیا قصور ہے۔"

(۴)

مالک دُکان نے عبداللہ کو سینکڑوں
گالیاں دے کر اُسے اپنی دُکان سے
نکال دیا۔ اور ایک مہینہ کی جو تنخواہ چڑھی
ہُوئی تھی۔ وہ بھی اس کو نہ دی۔ عبداللہ اب
بڑا پریشان ہُوا۔ کیونکہ اس کے گھر میں کھانے
کو ایک پیسہ تک نہ تھا۔ وہ اور اس کے
بیوی بچے دو روز کے فاقے سے تھے اُس دن
وہ ان سے وعدہ کر کے آیا تھا۔ کہ آج تنخواہ
لاؤنگا۔ شام تک اور صبر کرو۔ یہ خیال آتے
ہی اُس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ مُنہ پر ہوائیاں
اُڑنے لگیں۔ سر سے پاؤں تک پسینہ میں
تر ہو گیا۔ یہ کئی دُکانوں اور کارخانوں میں
اپنی حاجت براری کے لئے گیا۔ مگر سوائے
مایوسی کے اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اسی جستجو
میں وہ ایک کارخانے میں پہنچا۔ اس کارخانے
کے مالک ایک مسلمان یوسف جی نامی تھے۔
وہ وہیں کرسی پر بیٹھے کچھ حساب کتاب
کر رہے تھے۔ عبداللہ نے ان کو سلام کیا۔
یوسف جی نے سلام کا جواب دے کر کہا
"آیئے تشریف رکھئے۔"

"آپ کے یہاں کسی نوکری کی جگہ
خالی ہے؟"

"پہلے آپ کہاں نوکر تھے؟"

"ایک دوکاندار کے یہاں نوکر تھا!"

"وہاں سے کیوں چلے آئے؟"

"اس نے جواب دے دیا!"

"کیوں؟"

یہ سوال سُنکر عبداللہ نے آنکھیں نیچی کرلیں اُس کی آنکھوں سے چند قطرے ٹپک پڑے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کیا بتاؤں میں ہر خریدار سے ایمانداری سے پیش آیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے وہ مجھ سے خفا رہتا تھا۔ آج پھر میں ایک بابو صاحب سے ایمانداری سے پیش آیا۔ تو اُس کا نقصان ہوگیا اس وجہ سے اُس نے مجھ کو جواب دے دیا ہے۔

یوسف جی کہنے لگے کہ "میرے ہاں جو جگہ خالی ہے اس میں تم کو اس سے بھی زیادہ بے ایمانی کرنی پڑیگی۔ میرے کارخانے میں تو بے ایمان اور جھوٹے آدمی ہی کا گزارہ ہوسکتا ہے۔ نہ کہ تم جیسے ایماندار اور سچے آدمی کا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ میں ایسے شخص کو بہت پسند کرتا ہوں۔ جو اپنی جیب بالائے طاق رکھ کر بے ایمانی کرکرکے میری جیب بھرتا رہے۔ عبداللہ نے جواب دیا۔ مگر یہ دونوں کام ناممکن ہیں۔ اچھا آداب عرض ہے!"

یہ کہہ کر عبداللہ چلنے کو کھڑا ہوگیا۔

"جاتے ہو؟"

"جی ہاں!"

"کیوں!"

"بے ایمانی کرکے مَیں اپنی عاقبت خراب نہیں کرنا چاہتا!"

"پچاس روپیہ ماہوار کی طرف بھی تو دیکھو؟"

"جو گناہ کرونگا اُس کا خیال نہ کروں۔ یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا!"

"سو روپیہ لوگے؟"

"نہیں!"

"دوسو؟"

"ہرگز نہیں ایسی نوکری سے تو میں بھوکا مرنا بہتر سمجھتا ہوں!"

یہ کہہ کر عبداللہ چل دیا۔ یہ فقرے بھی اس نے چلتے ہی چلتے کہے۔

یوسف جی دل ہی دل میں عبداللہ کی ایمانداری کا امتحان لے رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ کہ دیکھو یہ شخص اپنا ایمان سلامت رکھنے کی وجہ سے بھوکا مرنا قبول کرتا ہے۔ مگر دوسو روپے کی نوکری قبول نہیں کرتا۔ میں عرصے سے کارخانے کی مینجری کے لئے ایک ایسے ہی ایماندار دیانتدار آدمی کی تلاش میں تھا۔ آج جا کر مجھے حسب منشا آدمی ملا۔ پھر نوکر کو آواز دیکر کہا۔ "رحمت؟"

"جی حضور!"

"دیکھو وہ آدمی جو ابھی یہاں سے گیا ہے۔ رستہ ہی میں ہوگا اس کو بلا لاؤ؟"

تھوڑی دیر میں عبداللہ آگیا۔

"سچ تو یہ ہے۔ آپ مجھ کو بہت پسند آئے ہیں۔ میں عرصے سے ایک آپ جیسے آدمی کی تلاش میں تھا۔ میں نے آپ کو اپنی دکان کا مینجر مقرر کیا۔ آپ کو دوسو روپیہ تنخواہ ملیگی۔"

اس طرح عبداللہ اپنی ایمانداری کی بدولت چند سال میں سینکڑوں روپے کا مالک بن گیا۔ سیّد رضا احمد جعفری

خوب سمجھا

جاٹ (حلوائی سے) وہ کیا ہے۔ حلوائی۔ "کھاجا" یہ سنتے ہی جاٹ نے مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لیا۔ حلوائی نے شور مچایا کہ یہ کیا غضب ہے۔ جاٹ نے کہا۔ ارے بھائی تو نے ہی تو کہا تھا کہ "کھاجا" میں نے کھالیا۔

موتیوں کی مالا

۱۔ نیک غریب بُرے امیر سے بہتر ہے۔
۲۔ دُشمنی بھائیوں کو بھی جُدا کر دیتی ہے۔ مگر محبت غیروں کو بھی دوست بنا دیتی ہے
۳۔ جو لڑکا طالب علمی کے زمانہ میں اپنا سبق یاد نہیں کرتا۔ وُہ بڑا ہو کر بھی اچھا آدمی نہیں بن سکے گا۔
۴۔ بُری عادت ڈالنا آسان ہے مگر اُسے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔
۵۔ خُدا کی عبادت سے ہر کام میں برکت آجاتی ہے۔
۶۔ جو آدمی ورزش کے لئے چند گھنٹے نہیں نکال سکتے۔ اُنہیں بیماری کے لئے مہینے نکالنے پڑتے ہیں۔
۷۔ ماں باپ کی خدمت کرو۔ تاکہ جب تُم بوڑھے ہو تو تمہارے بچے بھی تمہاری خدمت کریں۔
۸۔ علم اقبال کی ماں ہے۔
۹۔ جھُوٹ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔
۱۰۔ کنجوس نہ بن مگر کفایت شعاری اختیار کر۔ جہاں روپیہ خرچ کرنا ہو۔ وہاں پیچھے نہ ہٹ۔ مگر جہاں ضرورت نہ ہو وہاں پائی بھی خرچ نہ کر۔
۱۱۔ جو تمہاری بُرائیاں تم سے بیان کرتا ہے وہ تمہارا خیرخواہ دوست ہے۔ جو تمہارے مُنہ پر تمہاری بیجا تعریف کرتا ہے۔ وُہ تمہاری غیر حاضری میں تمہارے خلاف بولے گا۔
۱۲۔ دوسروں کی ضرورت کا بھی خیال رکھ

اندرناتھ

مادری زبان کا فیصلہ

ایک مرتبہ اکبر کے دربار میں ایک ایسا شخص آیا جو بہت سی زبانوں کا عالم تھا۔ اور نہایت آزادی کے ساتھ فارسی عربی اور دوسری زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب اُس کی مادری زبانیں ہیں انگریزی۔ مرہٹی۔ گجراتی۔ پنجابی پشتو ٹیلگو۔ کناری یہ سب زبانیں وہ بخوبی جانتا تھا۔ اور جب اس سے پوچھا جاتا تھا۔ کہ اس کی مادری زبان کیا ہے۔ تو وہ کبھی فارسی کبھی عربی اور کبھی انگریزی جو اُس کے اس وقت ذہن میں آتی۔ بتا دیتا۔

ایک دن بادشاہ نے بیربل سے کہا۔ کہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس کی مادری زبان کیا ہے۔ میں تمہیں ایک ہزار اشرفیاں انعام دوں گا۔

بیربل نے کہا۔ "بہت اچھا"

دوسرے دن اس سے پہلے کہ مرغ بولے۔ وہ اس آدمی کے مکان پر گیا۔ اور وہیں باہر باغ کی ایک جھاڑی میں چھپ رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی لوٹا لئے ہوئے گھر سے نکلا۔ اور کسی طرف کو جانے لگا۔ جب وہ تھوڑا آگے نکل گیا تو بیربل بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ اور قریب جا کر۔ اس کے زور سے ایک چپت لگائی۔ جس سے وہ گھبرا کر اچانک بول اُٹھا۔

"کمبخت این چہ کار کردی" (ارے کمبخت تو نے یہ کیا کیا) بیربل فوراً سمجھ گیا کہ وہ ایرانی ہے۔ اور اکبر سے جا کر یہ واقعہ بیان کر دیا جس سے خوش ہو کر بادشاہ نے اسے حسب وعدہ ایک ہزار اشرفیاں دے دیں۔

شیام کشور

بادشاہ اور فقیر

سلطان محمود غزنوی کا ذکر ہے کہ ایک روز کڑکڑاتے جاڑے کے موسم میں شام کے وقت غزنی کے شہر میں سے بھیس بدلے گشت کرتا ہوا گزرا۔ پھرتے پھراتے ایک نان بائی کی دکان پر دیکھا کہ ایک فقیر جس کے پاس سوائے ایک پھٹے پرانے کمبل کے اور کچھ نہ تھا۔ سردی کے مارے تھرتھر کانپتا ہے۔ کبھی آسمان کی طرف سر اُٹھا کر دُعا مانگنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور کبھی مارے جاڑے کے سکڑنے لگتا ہے۔ سلطان ٹہلتا ہوا پاس سے گزرا۔ اس کی طرف رحم بھری آنکھوں سے دیکھا۔ اور چلا گیا۔

صبح سلطان جاگا تو اتفاق سے فقیر کا خیال اس کے دل میں گدگدانے لگا۔ وزیر کو بلا کر حکم دیا۔ کہ فلاں محلے میں جو نانبائی کی دکان ہے۔ وہاں ایک فقیر ہوگا۔ اُسے جلد حاضر کرو۔

سلطانی حکم کی تعمیل میں دیر کون کر سکتا تھا۔ ادھر سلطان نے ارادہ ظاہر کیا اور اُدھر اہلکار فقیر کو بلانے دوڑے۔

جب فقیر سلطان محمود کے حضور میں پیش کیا گیا۔ محمود نے پوچھا

"کہو بابا رات کیسی گزری؟

فقیر نے حیرت کی نگاہ سے محمود کی طرف دیکھا اور یوں کہنے لگا۔ "محمود رات کچھ تیرے برابر گزری اور کچھ تجھ سے بہتر گزری۔

سلطان نے جس وقت یہ جواب سنا تو ہکا بکا رہ گیا۔ پوچھا "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

فقیر نے جواب دیا "رات تو نے بھی روٹی کھائی میں نے بھی۔ گویا پیٹ دونوں کا بھر گیا۔ اس لحاظ سے ہم دونوں برابر رہے۔ اس کے بعد تم بھی سو گئے اور میں بھی سو گیا تم امیرانہ کپڑوں میں گرم تھے۔ میں اپنے فقیری کے کمبل میں۔ اس لحاظ سے بھی ہماری تمہاری رات ایک جیسی گزری۔ مگر رات کے آخری وقت میں جب تمہاری آنکھ کھلی تو تمہیں فکر نے گھیر لیا۔ کبھی خیال آتا ہوگا کہ مشرق سے کوئی غنیم حملہ نہ کر دے۔ کبھی سوچتے ہوگے کہ مغرب سے کوئی دشمن نہ چڑھ آئے۔ مگر مجھے اس قسم کا کوئی خیال نہ تھا۔ میں تو آرام اور اطمینان سے پڑا تھا۔ اس لحاظ سے میری رات تم سے بھی اچھی گزری۔ اور ایک اور بات سنو تم جب اٹھے تو نماز پڑھ کر سلطنت کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مگر جب میں اٹھا تو خدا کی عبادت میں محو ہو گیا۔ اور اس کے بعد بھی دن کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس لحاظ سے بھی میری رات کا آخری حصہ تم سے اچھی طرح گزرا۔

یہ سنکر سلطان بہت خوش ہوا۔ اور اس نے فقیر کو بہت سا روپیہ دینے کا حکم دیا۔ یہ سنکر فقیر نے کہا۔ اب پھر دیکھو تم نے مجھے روپیہ دینے کا حکم دیا۔ اور میں نے سنا۔ دونوں کو خوشی ہوئی اس لحاظ سے ہم دونوں برابر ہیں لیکن میں روپیہ لیکر کیا کرونگا اس کی مجھے ضرورت ہی کیا ہے۔ اس لئے میں یہ روپیہ لینے سے انکار کرتا ہوں۔ اس لئے یہ وقت میرا تم سے اچھا گزرا۔

یہ کہہ کر فقیر بادشاہ کے پاس سے چلا گیا۔ (م۔ی۔ن)

لطیفہ

کسی نے ایک بھوکے آدمی سے پوچھا۔ دس اور دس کتنے ہوتے ہیں۔ بھوکے نے جواب دیا۔ "بیس روٹیاں"

لوہے کو لوہا کاٹتا ہے

(سلسلے کے لئے دیکھو صفو ۰۷)

اسمتھ ہیگ کو تھیلے پر رکھ کر چلا تو خوش خوش تھا۔ مگر ابھی بیل چند ہی گز کا فاصلہ طے کرنے پایا ہوگا۔ کہ وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر دھڑام سے زمین پر آرہا۔ اسمتھ نے اتر کر بہتیرا بیل کو چمکارا پچکارا۔ مگر وہ زمین سے نہ اٹھا۔ ناچار وہ اس کو وہیں چھوڑ ہیگ کو کندھے پر لاد کر۔ دریا کی طرف روانہ ہوا۔

ابھی وہ نصف میل ہی طے کرنے پایا تھا کہ اُسے دُور سے چند آدمی آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ اسمتھ کا دِل دھڑکنے لگا۔ کچھ سوچ کر اس نے تھیلے کو ایک درخت کے پیچھے چھپا دیا۔ اور خود ٹہلنے لگا۔ گویا کچھ بات ہی نہیں ہوئی۔ جب وہ ٹہلتے ٹہلتے کچھ دُور نکل گیا تو ہیگ کی جان میں جان آئی۔ اور وہ اپنی رہائی کی تدبیریں سوچنے لگا سوچتے سوچتے اُس نے تدبیر نکالی۔ اور وہ زور زور سے کہنے لگا۔

"یا اللہ ابھی تو مَیں نے دُنیا نہیں دیکھی۔ تو رحیم ہے رحم کر۔ کریم ہے کرم کر۔ اللہ! مَیں ابھی دُنیا کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ مَیں بہشت نہیں چاہتا۔ کچھ نہیں چاہتا۔ الٰہی اپنی خدائی کے صدقے ابھی میری جان نہ لے۔ مَیں بہشت میں جانا نہیں چاہتا۔ دُنیا میں چند دِن اور رہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ ابھی جوان ہوں۔

اب اتّفاق دیکھو۔ سڑک پر سے ایک چرواہا گائے بھینسوں کا گلّہ لئے چلا جاتا تھا۔ اس نے کہیں یہ باتیں سُن لیں۔ ہیگ

کے قریب آکر کہنے لگا۔ "ابے او اُلّو۔ کیا بکتا ہے۔ کیا بہشت جیسی نعمت سے انکار کرتا ہے۔ خدا کا شکر کر کہ وہ اپنی مہربانیوں کا مینہ تجھ پر برساتا ہے۔

ہیگ کانپ کر بولا۔ بھائی مَیں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ جوان ہوں دُنیا سے سیر نہیں ہُوا۔ اگر تجھے جنّت کی ضرورت ہے تو آ۔ تو اِس بوری میں آجا۔ تجھے بہشت مِل جائیگا۔

چرواہا بوڑھا تھا۔ وہ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر سوچنے لگا۔ دُنیا چند روزہ ہے اوّل مرنا آخر مرنا۔ پھر مرنے سے کیا ڈرنا۔ کیوں نہ آج ہی مرجاؤں۔ تاکہ بہشت بھی ملے۔ اور خدا کی رضامندی بھی۔

یہ دِل میں ٹھان کر اس نے مکار ہیگ کو کھول دیا۔ اور خود بوری میں جا بیٹھا۔ اور ہیگ سے بولا۔ اے بھائی اب اس کا مُنہ بند کر دے ہیگ نے بوری کا مُنہ خوب مضبوط باندھ دیا۔

اور کہا۔ "بھائی خدا حافظ تیرا گلہ مَیں تیرے گھر پہنچا دونگا۔" یہ کہہ کر وہ گلے کو ہانکتا ہُوا اپنے گھر کی طرف روانہ ہُوا۔

ادھر جب اسمتھ واپس لوٹا۔ تو اُس نے بوری کو اُٹھا کر کاندھے پر رکھا اور جلدی جلدی قدم بڑھانے شروع کئے۔ دریا پاس ہی تھا وہاں پہنچکر اُس نے بیچارے چرواہے کو دریا میں پھینک دیا۔

اسمتھ نے اپنے خیال میں ہیگ کا کام تمام کر دیا تھا۔ اس لئے گھر کو لوٹا۔ ہیگ کا گھر راستے ہی میں تھا۔ ادھر سے گزرا تو باہر میدان میں چوپایوں کو دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔ سوچنے لگا کہ ہیگ کہیں زندہ ہی نہ ہو۔ دوڑ کر گھر کے اندر گیا۔ تو ہیگ کو زندہ سلامت پایا۔ ڈرتے ڈرتے پوچھنے لگا۔ مَیں نے تو تجھے دریا میں غرق کر دیا تھا۔ لیکن تو کس طرح بچ گیا اور یہ گلّہ کہاں سے آگیا۔

ہیگ نے کہا۔ بھائی صاحب! آپ کی مہربانی سے۔ آپ نے تو مجھے مار دینے کے ارادے سے دریا میں پھینکا تھا۔ مگر یہ تو آپ کو معلوم ہی نہ تھا۔ کہ وہاں ایک پری رہتی ہے۔ اُس نے جب مجھے دریا میں گرتے دیکھا تو جھٹ ہاتھ میں اُٹھا لیا۔ اُسے یہ شبہ ہُوا تھا کہ میں غریب ہوں۔ اس لئے خودکشی کرنے لگا تھا پس اُس نے اپنی نیک عادت کے مطابق مجھے یہ گائے بھینسوں کا گلہ دے کر رخصت کر دیا اور آتی دفعہ یہ بھی کہہ دیا۔ کہ اگر پھر کبھی ضرورت ہو تو آ جانا۔ میں تجھے اور بھی ریوڑ دیدونگی۔ اور تجھے تکلیف نہ ہونے دُونگی۔

استمتھ کے سر میں عقل کہاں تھی جو ان بناوٹی باتوں کو سمجھتا۔ جھٹ بول اُٹھا۔

"اگر میں بھی دریا میں کود پڑوں۔ تو کیا وہ پری مجھ پر بھی مہربانی کریگی۔

ہیگ "کیوں نہیں"

استمتھ "تو آؤ۔ میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ ابھی اسی دم۔"

غرض ہیگ بیوقوف استمتھ کو تھیلے میں بند کر کے دریا پر لے گیا۔ اور دریا میں پھینکنے سے پہلے کہنے لگا۔

"سُن او اُلّو استمتھ، تیرے ہتھکنڈوں سے تنگ آ کر تجھے قتل کر رہا ہوں۔ جو باتیں میں نے تجھے ابھی بتائی تھیں، سب بناوٹی تھیں۔ تو نے میرے ساتھ چالاکیاں کیں میں نے اپنے بچاؤ کے واسطے تجھے زک دی ۔۔ اب تجھے شکست دے کر ہیں دریا کے سپرد کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہی ہیگ نے استمتھ کو دریا میں پھینک دیا۔ اور خود اپنے گھر کی طرف روانہ ہُوا۔

نعیم

بچّوں کی بچّوں والی باتیں

(۱)

کوئی انسپکٹر صاحب کسی جماعت کا امتحان حساب میں لے رہے تھے۔ اتنے میں انہیں معلوم ہوا۔ کہ ایک لڑکا اس مضمون کو بالکل سمجھتا ہی نہیں۔ تو انہوں نے اپنے نزدیک بُلا کر اس طرح سمجھانا شروع کیا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ اگر میں تمہارے والد کو دس روپے اس شرط پر دوں کہ وہ ہر مہینے مجھے ایک روپیہ دے دیا کرے۔ تو چھ مہینے کے بعد اس پر کتنا قرضہ باقی رہ جائیگا؟

لڑکے نے جھٹ جواب دیدیا۔ دس روپے

انسپکٹر صاحب۔ میرے عزیز معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں حساب کا بالکل علم نہیں۔

طالبعلم جناب عالی! شاید آپکو میرے باپ کی عادت یا بالکل معلوم نہیں

(۲)

اُردو کا سبق پڑھاتے پڑھاتے لفظ "استعفا" پر اُستاد نے لڑکے کو روک لیا۔ اور کہا کیوں بھئی تم جانتے ہو۔ "استعفا" کسے کہتے ہیں؟

بہت سے لڑکوں نے ہاتھ کھڑے کئے۔ اُستاد نے ایک جلد باز لڑکے سے جواب پُوچھا۔ اُس نے کہا کہ استعفاوہ ہے کہ جب تمہیں کسی ایسی چیز کی ضرورت ہو جو تمہیں مل نہیں سکتی۔ اور پھر تم بہانہ کر جاؤ۔ کہ مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں۔

(۳)

کرشن مشکل سے چار پانچ برس کا ہوگا۔ اُس کے باپ نے اُسے یہ سکھا رکھا تھا۔ کہ اگر کوئی شخص کھانے کو کچھ دے تو چیز لیتے وقت آداب عرض کر دیا کرو۔ کرشن اکثر ایک پڑوسی کے گھر چلا جایا کرتا تھا۔ اور اُن کے بچّوں سے کھیلتا رہتا۔ ایک دن پڑوسی نے

اپنے بچوں کے ساتھ اُسے بھی چائے پلاتی۔
اور تھوڑی سی ڈبل روٹی اور مکھن بھی دیا۔
کرشن نے جُھک کر "آداب عرض" کی
اور وہ چیزیں لے لیں۔

اس پر وہ پڑوسی خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔
مَیں تم پر بہت خوش ہوں۔ جب کبھی مَیں کسی
لڑکے کو آداب عرض کرتے سُنتا ہوں، تو میرا
دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اِس پر کرشن بولا۔ اگر
آپ مجھ سے پھر یہی لفظ سُننا چاہتے ہیں، تو اِس
ٹکڑے پر تھوڑا سا مربّہ بھی ڈال دیں۔

(۴)

ایک ڈرائنگ ماسٹر نے لڑکوں کے سامنے ہوائی جہاز
کی تصویر رکھی اور کہا۔ تم بھی ایسی ہی تصویر کھینچو۔
وقت ختم ہو چکنے پر ایک طالب علم نے کورے کا
کورا کاغذ واپس دے دیا۔ ڈرائنگ ماسٹر نے
کہا یہ کیا؟ جواب دیا کہ یہ اُس وقت کی تصویر
ہے۔ جبکہ ہوائی جہاز نظروں سے غائب ہو۔

ایک اخلاقی جُرأت

ایک مرتبہ بادشاہ ہارون رشید اور اُس کے
شہزادے امام مالکؒ کے یہاں گئے۔ بادشاہ
نے امام صاحب سے حدیث سُنانے کی فرمائش
کی۔ لیکن امام صاحب نے فرمایا۔ کہ مَیں نے
مُدّت سے حدیث سُنانا چھوڑ دیا ہے۔ اب
لوگ خود مجھے سُناتے ہیں اور مَیں سُنتا ہوں۔
ہارون رشید نے کہا بہتر ہے مَیں خود
آپ کو سُناؤنگا۔ مگر پہلے آپ یہاں سے عام
آدمیوں کو باہر نکال دیں۔ امام صاحب نے
کہا کہ اگر اِن خاص آدمیوں کی خاطر سے عام لوگ
محروم کئے جائینگے۔ تو اِن خاص آدمیوں کو بھی فایدہ
نہیں پہُنچ سکتا۔ اس لئے مَیں ایسا ہرگز نہ کرونگا
اور یہ فرما کر اپنے ایک شاگرد ابن عیسےٰ کو حکم دیا۔
کہ سبق شروع کردیں۔ چنانچہ ابن عیسےٰ فوراً
سبق پڑھنے لگے۔ اور بادشاہ یونہیں خاموش
بیٹھے رہے۔

ثاقب

قیمت سالانہ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۲۱۵　　قیمت ششماہی عا/ فی پرچہ

جلد ۴ | نونہال | آنریری ایڈیٹر حکیم احمد شجاع بی۔ اے علیگ۔ ایڈیٹر محمد اسمٰعیل نعیم | نمبر ۱۰

فہرست مضامین بابت ۱۵۔ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء

[illegible] پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ لبھا رام پرنٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمٰعیل نعیم پبلشر و پروپرائیٹر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا۔

دلچسپ معلومات

تصویر دار سیب۔ یورپ کے باغبانوں نے درختوں میں با تصویر سیب پیدا کئے ہیں۔ جس قسم کی تصویر یا نقش وہ چاہیں سیب پر بن جاتے ہیں۔اور دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے کسی سیب پر کوئی جھنڈا بنا ہوتا ہے کسی پر کوئی خاص نام اور کسی پر بادشاہوں یا بہادروں کی تصویریں غرضکہ ان تصویروں کی کوئی حد مقرر نہیں۔ظاہر ہیں درخت کے پھل پر اس قسم کی تصویریں یا نقشے اپنی مرضی کے مطابق بنا لینا بہت تعجب اور اچنبھے کی بات معلوم ہوتی ہے لیکن ذرا غور کرو تو یہ کام اتنا مشکل نہیں۔اس کی ترکیب یہ ہے کہ جب سیب اخروٹ کے برابر ہوتے ہیں تو ان پر کاغذ کے غلاف چڑھا دیتے جاتے ہیں۔جن کے سبب سے دھوپ اندر نہیں پہنچتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیب کا رنگ سبزی مائل زرد رہتا ہے اور سیب سُرخ نہیں ہوتا۔

جب سیب پورے قد کے ہو جاتے ہیں تو کاغذ کے غلاف پھاڑ دیتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ ایسے غلاف چڑھا دیتے جاتے ہیں جن پر کوئی تصویر یا اپنے حسب منشا نقش کٹا ہُوا ہوتا ہے۔

اس سے یہ ہوتا ہے کہ کاغذ کے کٹے ہوئے حصّے میں سے دُھوپ سیب تک پہنچتی ہے۔ جہاں سے وہ سُرخ ہو جاتا ہے۔ سیب کا باقی حصّہ بدستور سبزی مائل زرد رہتا ہے۔ چنانچہ جب پھل درخت سے توڑ لیا جاتا ہے تو سبز سیب پر سُرخ تصویر صاف دکھائی دیتی ہے۔اِس شعبدے کے لئے سیب سے زیادہ موزوں اور کوئی پھل نہیں۔کیونکہ یہ ابتدا میں سبز اور پک کر گہرا سُرخ ہو جاتا ہے۔

بمبئی کی آبادی ۱۶ لاکھ سے زیادہ ہے جن میں دو لاکھ مسلمان اور باقی دوسری قومیں ہیں۔

اب وقت قیمتی ہے

سالانہ امتحاں میں | بس رہ گیا مہینہ
محنت میں ایک کر دو | اب خون اور پسینہ
ہر وقت کھیلنے کا | اچھا نہیں قرینہ

اب وقت قیمتی ہے
اب وقت قیمتی ہے

سارا برس گزارا | لیکن سمجھ نہ آئی
بیکار بیٹھنے میں | کیا پائیں گے بھلائی
ہمت کرو کہ سر پر | ہے امتحان بھائی!

اب وقت قیمتی ہے
اب وقت قیمتی ہے

جو وقت کھو چکے ہو | اب اُس کی فکر چھوڑو
دِل یاس سے نہ باندھو | امید کو نہ توڑو
لاؤ کتاب اُٹھاؤ | محنت سے مُنہ نہ موڑو

اب وقت قیمتی ہے
اب وقت قیمتی ہے

ابوالاثر حفیظ جالندھری

برطانیہ کے نئے وزیر اعظم

سلطنت برطانیہ کے نئے وزیر اعظم جن کا نام مسٹر ریمزے میکڈانلڈ ہے ابتدا میں بہت غریب تھے۔ لڑکپن کا زمانہ نہایت تنگدستی اور مفلسی میں بسر ہوا کئی کئی فاقے گزر جاتے تھے۔ آپ نے اخبار میں ایک ملازمت کا اشتہار پڑھا۔ اس وقت آپ کے پاس اپنے گاؤں سے لندن تک کا کرایہ بھی موجود نہ تھا۔ مگر ارادے کے پکّے اور ہمت کے دھنی تھے کسی نہ کسی طرح لندن پہنچ ہی گئے۔ اور پوچھتے پوچھتے اُس دفتر میں گئے جس کا پتہ اشتہار میں درج تھا دفتر کے منیجر سے معلوم ہوا کہ ملازمت کی جگہ پُر ہو گئی ہے۔ آپ بہت مایوس ہوئے اور کئی روز تک لندن میں غریبی اور فاقہ کشی کی حالت میں پھرتے رہے۔ اور کام کی تلاش کرتے رہے۔

تھوڑے بہت پڑھے لکھے بھی تھے آخر بہت تلاش اور دوڑ دھوپ کے بعد ایک جگہ ۱۲ شلنگ ہفتہ وار تنخواہ پر محرر ہو گئے۔ آپ کی طبیعت میں محنت اور استقلال کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ آپ اس تھوڑی سی رقم میں اپنا گزارہ چلاتے اور تعلیم حاصل کرتے رہے ترقی کرتے کرتے بائیس برس کی عمر میں ایک ممبر پارلیمنٹ کے ہاں ۵۰ پونڈ سالانہ تنخواہ پر منشی مقرر ہو گئے۔ یہ ۱۸۸۸ء کا ذکر ہے۔ اُس زمانہ میں آپ اس رقم کو بھی قارون کا خزانہ سمجھتے تھے۔

لیکن آپ اسی حالت پر قانع ہو کر بیٹھ نہیں رہے بلکہ اپنے استقلال کی تمام قوتوں کو علم حاصل کرنے میں لگا دیا۔ آج آپ اس دُنیا کی سب سے بڑی سلطنت کے وزیر اعظم ہیں۔ اور آپ کے اختیارات اتنے وسیع ہیں کہ اس سلطنت میں کسی دوسرے شخص کے نہیں۔ آپ کی تنخواہ پانچ سو پونڈ سالانہ ہے۔

کیا ہمارے نونہالوں کے لئے مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کی کامیاب زندگی میں کوئی سبق نہیں۔؟

ننّھا سپاہی

(۱)

جب یورپ کی جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ تو فرانس کے تمام قابل لوگ جنہوں نے تعلیم پائی تھی لڑائی میں شریک ہونے کے لئے بلائے گئے۔

بہت سے فرانسیسی لڑکے جو یہ سمجھتے تھے کہ ہم لڑائی پر بھیجے جا سکتے ہیں۔ لڑنے کو تیار ہو گئے اور اپنے پیارے وطن کو جرمن والوں سے بچانے کے لئے مصمم ارادہ کر لیا۔

ہر شہر اور گاؤں میں یہ ننّھے سپاہی کثرت سے دکھائی دیتے تھے۔ اکثر یہ سب ملکر سپاہیوں کا کھیل کھیلتے اور اپنی ٹوپیوں میں لال جھنڈیاں لگا کر اور لکڑی کی تلواریں اور بندوقیں لیکر اصلی سپاہیوں کی طرح شہر کے بازاروں سے گزرتے۔ لوگ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور ان کے دلوں میں فوجی باجوں اور بگل کی آواز جوش کا ایک دریا بہا دیتی۔

جب اصلی بہادر سپاہی شہر کے بڑے بڑے بازاروں سے گزرتے تو یہ ننّھے بہادر انہیں دیکھنے کے لئے دوڑتے ہوئے آتے۔ اور ان سے ہاتھ ملا کر بہت خوش ہوتے جس کے جواب میں فوجی سپاہی مسکراتے ہوئے چلے جاتے۔ فرانس کو ابتک اپنے ان ننّھے سپاہیوں پر ناز ہے۔

ایسے لڑکے تو بہت ہیں جو اس جنگ میں شریک ہوئے۔ مگر گستاو چیٹن کا قصّہ نہایت دلچسپ ہے۔ اس نے جنگ میں بڑے بڑے کام کئے ہیں۔

لڑائی کے شروع ہونے پر گستاو کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ وہ شمالی فرانس میں مویشی چرانے پر کسی کھیت میں نوکر تھا۔ بہت سے چرواہے جنگ کے لئے تیار کئے گئے تھے۔ تاکہ ضرورت کے

وقت جنگ پر نہ بھیجے جا سکیں گستاو اپنے ساتھیوں کو "سپاہی" بنا ہوا دیکھ کر رشک کرتا اور اپنے دل میں کہتا۔ "یہ کیسے خوش قسمت ہیں جو لڑائی میں بھیجے جائیں گے۔ کاش میں بھی انہیں کی طرح میدان میں جا کر "بوچز"[1] سے لڑتا۔

وہ ہر روز جنگ کی خوفناک خبریں سُنا کرتا تھا۔ کہ جرمن تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں مگر ہمارے پاس کافی آدمی نہیں ہیں۔ کہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔ گستاو جب عورتوں کی حالت اور ان کی بے عزتی کا حال سُنتا تو اس کا دل بھر آتا۔

غریب لوگوں کی حالت جو جرمن سپاہیوں کے ڈر سے اِدھر اُدھر بھاگتے پھرتے تھے قابل رحم تھی، بڈھے اور ضعیف والدین اپنے چھوٹے بچوں کو لئے ہوئے پناہ کی جگہ تلاش کرتے تھے اور کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ رات کو یہ غریب کھیتوں یا میدانوں میں سوتے تھے۔

چھوٹا گستاو ان سب کی درد بھری کہانیاں سُنتا اور چپ رہ جاتا۔ وُہ سُنا کرتا تھا کہ بوچز اب بہت قریب آ گئے ہیں۔ اور پیرس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

(۲)

آخرکار وہ دن آ ہی گیا۔ جب گستاو نے خزاں کی ایک صبح کو جب آفتاب اپنی پوری طاقت سے چمک رہا تھا۔ جرمن بندوقوں کی آواز سُنی، اُن کی سخت اور تیز آوازیں بہت ہی نزدیک معلوم ہوتی تھیں۔

غریب چرواہے نے دُور سے بندوقوں کے اُڑتے ہوئے دُھوئیں اور گولوں کی صدائیں سُنکر اپنے دل میں کہا۔ "مَیں صرف پندرہ برس کا ہوں۔ مگر مَیں اپنی اس عمر کے باوجود کافی طاقتور ہوں۔ مَیں بھاگ کر جاؤنگا اور فوج میں شریک ہو کر اپنے "مُلک" کی عزت کو قائم

[1] فرانسیسی جرمنوں کو حقارت سے "بوچز" کہتے ہیں۔

رکھنے کی کوشش کرونگا۔"

وہ چپکے سے کھیت سے بھاگ گیا۔ اور کسی نے اُسے نہ دیکھا۔ کہ وہ کدھر گیا۔ لوگ یہ سمجھ کر خاموش ہو گئے کہ شاید وہ مویشیوں کی تلاش میں گیا ہو گا۔ وہ وہاں سے بھاگ کر ایک کشادہ سڑک پر آیا۔ اور جسقدر تیزی سے وُہ بھاگ سکتا تھا۔ میدان کی طرف بھاگا۔ آخرکار وہ اس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں تین سڑکیں ایک دوسرے سے ملتی تھیں۔ وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ کہ فرانسیسی فوج کا ایک دستہ اس کے سامنے سے آ رہا ہے۔ اور میدانِ جنگ کی طرف جا رہا ہے۔ گسٹاؤ ان کے پیچھے ہو لیا۔ اور لمبے لمبے قدم اُٹھا کر چلنے لگا۔

ایک سپاہی نے کہا۔" ارے لڑکے تو کہاں جا رہا ہے ؟ اس طرف نہ آ۔

گسٹاؤ۔" مَیں تمہارے ساتھ لڑائی پر چلونگا۔"

سپاہی۔" مگر تم ابھی بہت چھوٹے ہو، بڑے چرند تم کو نگل جائینگے۔"

گسٹاؤ۔" اگر تم مجھے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دو۔ تو مَیں تمہارے لئے بہت مفید ثابت ہونگا۔ مَیں تمہیں جرمنوں کی خبریں لا کر دیا کروں گا۔

بہت سے سپاہی لڑکے کی ان باتوں پر ہنسنے لگے۔ مگر ان میں سے ایک نے کہا۔" اچھا اگر تم یہی چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔ تم بہادر ہو مگر افسوس کہ بہت چھوٹے !"

اب گسٹاؤ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ ان بہادر اور قوی سپاہیوں کے ساتھ خوشی خوشی آگے بڑھا۔ پھر اس نے کہا۔" ہاں تمہارے پاس اس گاڑی میں فالتو بندوقیں رکھی ہُوئی ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرح میرے پاس بھی ایک بندوق ہو۔" اس کی یہ بات سُنکر سب سپاہی ہنسنے لگے۔ اور ایک نے کہا۔ " ہاں لڑکا ضرور ایک اصلی فرانسیسی لڑکا ہے۔

جس کی رگ رگ میں وطن کی محبت کا خون دوڑ رہا ہے۔"

گستاؤ نے بلند آواز سے کہا۔ "میں اپنے ملک کے واسطے مرنے سے بالکل نہیں ڈرتا۔" ایک سپاہی نے گاڑی والے سے کہا۔ "اچھا تو اسے ایک بندوق دے دو۔" ننھا سپاہی اس گاڑی کی طرف بڑھا اور اپنا چھوٹا ہاتھ بڑھا کر ایک بندوق مانگنے لگا۔ گاڑی والے نے کہا۔ "کیا تم بندوق چلا سکتے ہو؟" گستاؤ بولا۔ "میں نے سینکڑوں کوے اور چیلیں ماری ہیں۔ میں بوچز کو بھی مارونگا۔" گاڑی والے نے مسکراتے ہوئے ایک بندوق اس کے حوالے کردی۔ اور کہا۔ "لو اسے خوب احتیاط سے چلانا گویا تم کوّوں کو مار رہے ہو۔" گستاؤ نے کہا۔ "بوچز اگرچہ بہت زیادہ ہیں۔ مگر میں انہیں بہت جلد چیلوں کی طرح کم کر دونگا۔" - - - -

اب گستاؤ ان سپاہیوں کے ساتھ خوش خوش جا رہا تھا۔ کہ اسے ایک افسر نے دیکھ لیا اور کہا۔ "یہ کونسا لڑکا ہے اسے اس طرف نہ آنے دو، اسے فوراً گھر بھیجدو۔" گستاؤ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "جنابِ عالی! مجھے اپنے ساتھ ہی چلنے دیجئے۔ میرا کہیں گھر نہیں ہے۔ میں واپس جا کر کیا کرونگا۔ مجھے اپنے باپ اور بھائیوں کی طرح لڑائی پر جانے دیجئے۔" افسر نے کہا۔ "تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ تم ہمارے ساتھ لڑائی پر نہیں چل سکتے۔ جاؤ اپنے گھر چلے جاؤ - - - -

یہ کہکر افسر نے بندوق گستاؤ کے ہاتھ سے چھین لی۔ مگر جب دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں۔ تو شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور کہا۔ جاؤ جب تم بڑے ہوگے تو ہم تم کو اپنی فوج میں لے لینگے۔ اور یقیناً تم ہمارے لئے فخر کا سبب ہوگے۔"

غریب گستاؤ مجبوراً قطار سے باہر ہوگیا۔ اور وہیں کھڑا ! اپنے ساتھیوں کو جاتے ہوئے

دیکھتا رہا۔ مگر گھر کی طرف نہ گیا۔ - - -

تھوڑی دیر میں اس نے دوسری رجمنٹ کے سپاہیوں کو ادھر آتے ہوئے دیکھا۔ جس سے اس کے دل میں خوشی کی لہریں موجیں مارنے لگیں۔ وہ پہلے کی طرح ان کے ساتھ بھی قدم ملا کر چلنے لگا۔

ایک سپاہی نے کہا۔ "دیکھو یہ لڑکا کہہ رہا ہے۔ کہ ہم بھی تمہارے ساتھ لڑائی پہ چلینگے۔ حالانکہ یہ ابھی بالکل چھوٹا ہے۔

دوسرا سپاہی۔ "مگر جب تیری ماں یہ سُنیگی تو کیا کریگی؟ گستاؤ۔" وہ پہلے سے زیادہ فخر کریگی کہ تین لڑکوں کے بجائے اُس کے چاروں پیارے بچے مُلک کی حفاظت کے لئے کام آئے۔

سپاہی۔ "تمہارا کیا نام؟"

ننّھا لڑکا۔ "مجھے گستاؤ چیٹن کہتے ہیں۔"

واقعی اس نام سے بہادری ٹپک رہی ہے لڑکے نے افسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کہ مجھے امید ہے کہ آپ بوچر لوگوں کو مارنے کے لئے مجھے ایک بندوق دینگے۔

افسر نے کہا۔ "اچھا میں تمہیں اس شرط پر بندوق دُوں گا۔ کہ تم بیٹھے بیٹھے نشانہ لگا کر مجھے دکھاؤ تاکہ مجھے اس کا یقین ہو جائے کہ تم بندوق چلا بھی سکتے ہو یا نہیں۔

لیکن ایک سپاہی نے کہا کہ لڑکا بہت دُور نکل آیا ہے۔ اُسے اب گھر بھیج دینا چاہیئے۔ ورنہ اکیلے واپس جانا اس کے لئے دشوار ہو جائیگا

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ جرمن فوج کے آنے کی آواز سُنائی دی۔ افسر نے فوراً حکم دیا کہ اِدھر اُدھر چھپ کر اپنے اپنے لئے محفوظ جگہ تلاش کر لو۔"

اس کے سُنتے ہی تمام سپاہی اِدھر اُدھر چُھپ گئے، جب جرمن سوار اُدھر سے گزرے تو انہوں نے اُن پر خوب فائر کئے۔ جس سے بہت سے سپاہی ہلاک ہو گئے۔ اور بہت سے

زخمی گستاؔو ان سب کی یہ حالت دُور ہی سے
چھپا ہُوا دیکھ رہا تھا۔ پھر افسر نے دوسرا حکم
دیا۔ جس سے سب فرانسیسی سپاہی اپنی اپنی
جگہ چھوڑ کر نکل آتے۔ چونکہ لاشیں بہت سی
پڑی ہُوئی تھیں۔ اس لئے گستاؔو نے ایک
مرے ہُوئے سپاہی کی وردی اُتار کر پہن لی۔
اور اس کی بندوق اور سنگین بھی خود لے لی
وہ بہت خوش تھا۔ کہ اب مجھے کوئی اس فوج
سے باہر نہیں نکال سکتا۔

یہ وردی پہنکر گستاؔو اپنے ساتھیوں کی
طرف بڑھا اور انہیں کی طرح جھاڑیوں میں
چھپ گیا۔ جب جرمن سپاہی ادھر سے نکلے۔
تو وہ بھی نشانہ لگاتا اور پھر چھپ جاتا۔ آخرکار
جرمن اس حملے کی تاب نہ لاکر ایک ایک کرکے
بھاگ گئے۔ اب گستاؔو نے اِدھر اُدھر دیکھا تو
اس کے بہت سے ساتھی مرے ہُوئے
پڑے تھے۔ باقی بھاگ گئے تھے۔ وہ بالکل
تنہا تھا اور اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ کیا کروں
کہ اس کی نظر اپنی وردی پر پڑی اسے اسوقت
معلوم ہُوا کہ وہ بہت ڈھیلی وردی پہنے ہے۔

(۴۳)

گستاؤ نے شام ہونے کے وقت ایک رجمنٹ
کو اس طرف آتے دیکھا۔ اور بلا روک ٹوک
اس میں داخل ہوگیا۔

اس نے ایک سپاہی سے کہا۔ "میں راستہ
بھول گیا ہوں۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں
غالباً میرے ساتھی دُور نکل گئے ہیں۔

سپاہی نے اس کی وردی دیکھ کر کہا۔ "اگر
ہمارے افسر نے تمہیں دیکھ تو تم فوراً گرفتار ہو جاؤ گے"

گستاؤ۔ "ہاں مجھے اس کی کچھ پروا نہیں میں نے
آج بھی کتنے بوچڑ مارے ہیں۔"

سپاہی۔ "اچھا تو تم بڑے بہادر ہو۔ آؤ ہمارے
ساتھ چلو"

اب وہ یہ دیکھ کر بہت خوش تھا کہ وہ ایک سپاہی ہے

اس رات وہ ایک خندق میں سویا۔ اور صبح اٹھ
کر ناشتہ کر کے آگے بڑھا۔ سامنے سے جرمن
پیرس کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے، اور
بہادر فرانسیسی اور انگریز انہیں روکنے کے
لئے سرگرمی دکھا رہے تھے۔ تمام فضا بندوق
اور توپوں کی سخت آواز سے گونج رہی تھی۔
مشین گن کی آواز دور سے سنائی دیتی تھی اور
چاروں طرف گولیوں کی لگاتار بارش ہو رہی تھی
گویا وہ زہریلی مکھیاں تھیں جو اپنے چھتے سے نکل
پڑی ہوں۔ مگر باوجود اس کے کسی کے چہرے پر
خوف نہ معلوم ہوتا تھا۔ اور ہر شخص مستعدی کے
ساتھ لڑائی میں مشغول تھا۔

گستاو ایک درخت پر بیٹھ گیا اور وہیں سے برابر
نشانہ لگا کر گولیاں چلاتا رہا۔ آخر کار افسر کا دوسرا
حکم پا کر آگے بڑھا۔ اور کھدی ہوئی خندقوں میں
اپنے ساتھیوں کی طرح چھپ گیا۔

کچھ دنوں بعد افسر نے گستاو کی بہادری سے
خوش ہو کر وہ بڑی وردی جو اس کے ٹھیک نہ
آتی تھی لے لی۔ اور اس کے بجائے ایک نئی
وردی دے دی۔ جب وہ نئی وردی پہن کر قطار
میں کھڑا ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا
"جب میرا چہرہ جوش سے بھر جائیگا تو میری عمر کا
اندازہ کرنا مشکل ہوگا!"

(۴)

ایک دفعہ گستاو ان چند سپاہیوں کے
ساتھ تھا۔ جو جرمنوں کو کسی کھیت میں ڈھونڈ رہے
تھے۔ مگر چونکہ انہیں وہ نہ مل سکے۔ اس لئے
تھک کر بیٹھ گئے۔ مگر گستاو ان کی تلاش میں
برابر لگا رہا۔ اور ایک بڑے کھیت میں جہاں
اناج رکھا جاتا تھا گھس گیا، دروازہ بند تھا۔ اور
بہت سے جرمن بندوقیں قریب رکھے بھوسے
میں پڑے سو رہے تھے۔ اس نے اپنے دل میں
کہا۔ "میرے لئے موقع ہے کہ میں اس میں جاؤں
اور ان جرمنوں کو پکڑ لاؤں"۔ اس نے اپنے ساتھیوں

کو مدد کے لئے بلانا بزدلی سمجھ کر نہ بلایا۔ اور اپنی
سنگین کے ذریعہ کھیت کا دروازہ نہایت آہستگی
سے کھولا۔ اور اندر بڑھا۔ مگر پہلے درجے میں اسے
کوئی نہ دکھائی دیا۔ اس لئے اُوپر زینے سے
چڑھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ تمام بوچڑ بے خبر
سو رہے ہیں۔ اس نے چپکے سے انکی بندوقیں اُٹھالیں۔
پھر نڈر اور بیباک فرانسیسی لڑکے نے فوراً بندوق
چلا کر سب کو جگا دیا۔ وہ سب کے سب تعجب سے
گستاو کی طرف دیکھنے لگے۔ اور اپنے ہاتھ سر کے
اوپر اُٹھائے کہ ہم پناہ مانگتے ہیں۔

گستاو نے کہا "تم سب میرے پیچھے چلے
آؤ۔ اور خود انکے پیچھے زینے سے اُتر کر تیار ہو گیا۔
کہ اگر کوئی بھاگنا چاہے۔ تو فوراً گولی مار دے۔
سب کے سب اس کے حکم کے مطابق نیچے اُتر
آئے۔ اور اس بہادر ننھے سپاہی سے ڈر کے مارے
کانپتے رہے۔ گستاو نے ان کو حکم دیا کہ ایک قطار
میں کھڑے ہو جاؤ۔ اور میرے ساتھ چلے آؤ۔"
کھیت سے باہر آکر اُس نے اپنے ساتھیوں کو
پکارا۔ اور ان بوچڑ کو دکھایا جنہیں وہ نہ ڈھونڈ
سکے تھے۔

وہ اس چھوٹے لڑکے کی بہادری پر بہت خوش
ہُوئے۔ اور تعجب سے دیکھنے لگے۔ اس کے بعد
گستاو کو اپنے گھر آرام کرنے کے لئے بھیج دیا گیا
اس کے افسر نے اسے سونے کا ایک قیمتی تمغہ
انعام میں دیا۔ جس پر "ننھا سپاہی" کھدا ہوا
تھا اور وعدہ کیا کہ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو
تمہیں فوجی تعلیم دلائی جائیگی۔ شیام کشور

لطیفہ

لڑکی (اپنے باپ سے) ابّا یہ کونسی عمارت ہے؟
باپ۔ "اس کو محافظ خانہ کہتے ہیں۔
لڑکی (سادگی سے) اچھا تو باجی جان کے
دُولہا کو بھی یہاں رکھوا دیجئے۔ کیونکہ وہ
ہر وقت مکان سے غائب رہتے ہیں۔

برہان الدین احمد

مکھّی کی داستان

گرمی کے موسم میں ایک روز مَیں بیٹھا ہُوا کتاب دیکھ رہا تھا۔ دو تین مکھّیاں بار بار کبھی میرے بازو پر اور کبھی کان اور چہرے پر آ بیٹھتی تھیں۔ مَیں ہاتھ کی جنبش سے ان کو اُڑا اتا تھا مگر وہ پھر بھن بھنا کر دوسری جگہ بیٹھ جاتی تھیں۔ مَیں تنگ آگیا کتاب بند کردی۔ اور پنکھیا لے کر ان کو کمرے سے باہر نکالنے لگا۔ بڑی کوشش سے مَیں نے دو مکھیوں کو باہر نکالا۔ مگر ایک باقی رہ گئی مَیں نے دروازہ بند کرکے پردے چھوڑ دیتے اور خاموش بیٹھ کر مکھّیوں کی ایذا رسانی کے متعلق سوچنے لگا۔ ایک مکھّی جو میرے پنکھے کی زد سے دُور چلی گئی تھی۔ پھر آگئی۔ اور اس کی بھن بھن سے مجھے معلوم ہُوا کہ وہ کچھ کہہ رہی ہے مَیں نے کان لگا کر سُنا تو وہ مجھ سے مخاطب ہو کر یہ کہہ رہی تھی۔

"تم مجھے روز دیکھتے ہو مگر کبھی میری حالت پر غور نہیں کرتے۔ آؤ! آج مَیں تمہیں اپنی داستان سُناتی ہوں۔ غور سے سُننا۔ جو بات سمجھ میں نہ آئے دوبارہ پُوچھ لینا۔

یہ کہکر مکھّی نے میری مرضی دریافت کرنے کے بغیر اپنی داستان شروع کردی:۔

"مَیں ایک ننّھا کیڑا ہوں۔ عام طور پر نجاست وغیرہ پر پیدا ہوتی ہوں اور وہیں انڈے دیتی ہوں۔ میرے بچّوں کو تم "لادے" یا "چھوٹے چھوٹے کیڑے" کہتے ہو مجھے بڑھنے اور پھیلنے کے لئے مناسب درجہ حرارت اور نمی کی ضرورت ہے۔ مَیں ہندوستان کے میدانوں میں گرمی کے موسم کے شروع میں بڑھتی اور پھیلتی ہوں۔ مَیں اپنی چھوٹی سی زندگی میں پانچ چھ دفعہ انڈے دیتی ہوں اور ایک بار میں سو سے ایک سو پچاس تک انڈے دے سکتی ہوں۔

میرے انڈے بیضوی شکل کے ہوتے ہیں گرمی و غلاظت کو بہت پسند کرتی ہوں۔ کیونکہ ان ہی سے میری زندگی قائم رہ سکتی ہے۔ میں ایک مہینے میں لاکھوں مکھیاں پیدا کرتی ہوں۔ ہر وقت تمہارے ساتھ رہتی ہوں۔ خواہ تم افریقہ جیسے گرم مُلک میں چلے جاؤ یا سائبیریا جیسے سرد مُلک میں۔ لیکن میں تمہارا ساتھ چھوڑنا گوارا نہیں کرتی۔ میں غریب کسان سے لیکر امیر سے امیر راجہ نوّاب تک کے برتنوں میں بیٹھ کر مزے سے اُن کے ساتھ ضیافتیں اُڑاتی ہوں۔ میرے چار پر ہیں لیکن تمہیں دو ہی نظر آتے ہیں۔ اگر تم غور سے دیکھو تو چار پر نظر آئینگے۔ جن میں سے دو چھوٹے چھوٹے پیچھے کی طرف اور باقی دو بڑے بڑے آگے کی طرف ہوتے ہیں۔ میری دو بڑی بڑی آنکھیں ہوتی ہیں جو میرے تمام سر کو گھیر لیتی ہیں۔ اور ہر ایک آنکھ میں اندازاً چار ہزار پہلو ہوتے ہیں جن کی مدد سے میں ہر طرف دیکھ سکتی ہوں۔ ان دو بڑی آنکھوں کے علاوہ تین اور چھوٹی چھوٹی سادہ آنکھیں ہوتی ہیں۔ میرے جسم کے تینوں حصّوں (پیٹ چھاتی اور سر) میں ہوا سے بھری ہُوئی تھیلیاں ہوتی ہیں۔ ان سے میرا جسم ہلکا ہو جاتا ہے۔ اور آسانی سے اِدھر اُدھر اُڑ سکتی ہوں۔

مجھے سب سے زیادہ راحت پہنچانے والی چیز میری سونڈ ہے۔ جب میں آرام سے بیٹھتی ہوں تو اپنی سونڈ کو سر کے نچلے حصّے میں اِس طرح دُہری کر کے بند کر لیتی ہوں جس طرح تم اپنے بازو کو کُہنی پر۔ جب مجھے کوئی خوراک پسند آتی ہے تو میں اپنی سونڈ کو آگے بڑھا کر اس کے راستے اپنے مُنہ کا لعاب اس خوراک پر پہنچا دیتی ہوں۔ اس سے کچھ خوراک لعاب میں گھُل جاتی ہے۔ اور پھر میں اپنی سونڈ کے ذریعے اس لعاب میں گھُلی ہُوئی خوراک کو چوس لیتی ہوں۔

آؤ! اب مَیں تمہیں یہ بتاؤں کہ مَیں بیماری کِس طرح پھیلاتی ہوں۔ سُنو! "جب مَیں پیپ دار زخم یا گوبر پر بیٹھتی ہوں تو اس کے جراثیم (نہایت ننّھے ننّھے کیڑے جو خوردبین کے بغیر نظر نہیں آتے) میرے پاؤں کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور پھر جب مَیں کسی شخص کے کھانے پر بیٹھتی ہوں۔ تو ان میں سے بہت سے جراثیم کھانے پر ہی رہ جاتے ہیں۔ اگر اب کوئی آدمی یہ غذا کھاتے تو ضرور ہے۔ کہ اس غذا کے ساتھ یہ جراثیم بھی جسم میں داخل ہوجاتیں۔ اور کئی طرح کی بیماریاں پیدا کریں۔ مثلاً ہیضہ، تپ محرقہ، وغیرہ بس وہ شخص ان جراثیم کے جسم میں داخل ہونے پر بیمار پڑجائیگا۔

یہ سُنکر مجھے غُصّہ آگیا۔ مَیں نے پنکھیا لیکر مکھّی کو کمرے سے باہر نکال دیا۔ اور الماری میں سے ایک کتاب لیکر پڑھنے لگا۔ اتفاق سے وہاں یہ لکھا نظر آیا۔

"جہانتک ہماری طاقت ہو ہم اپنے گرد و نواح کو صاف رکھیں۔ تاکہ وہاں مکھّیاں پیدا نہ ہوسکیں اس کے بعد ہمیں دوسری یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ مکھّیاں ہمارے گھروں۔ کمروں۔ باورچیخانوں کے نزدیک نہ آنے پائیں۔ اور انہیں ہماری خوراک اور مٹھائی وغیرہ پر بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔ اور ہمیں ہروقت صفائی کا خیال رکھنا چاہیئے مندرجہ بالا اصولوں پر عمل کرنے سے یہ بلا نزدیک نہ آنے پائیگی اور نہ ہی بیماری پھیلاسکیگی۔

آمین

چور کی داڑھی میں تنکا

عرب کے ایک آدمی نے جس کا نام موسےٰ تھا درہموں کی ایک تھیلی کہیں سے چُرالی اور مسجد میں جاکر نماز پڑھنے لگا۔ اُسوقت امام قرآن شریف کی ایک آیت پڑھ رہا تھا جسکے معنی یہ ہیں "اے موسےٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے" اُس نے یہ سُنا تو امام کو جادوگر سمجھا۔ اور تھیلی پھینک کر بھاگ کھڑا ہوا۔

سجاد حسین خاں بابر

جاپانی پنسل بنانے کا کارخانہ

آؤ آج ایک جاپانی پنسل بنانے کے کارخانہ کی سیر کریں۔ وہ دیکھو ایک آدمی جلد جلد پتلی لکڑیاں کاٹ رہا ہے۔ دوسرا ان لکڑیوں کو ایک مشین میں دے رہا ہے۔ اور مشین کو پاؤں سے ہلا رہا ہے۔ دوسری طرف سے ان لکڑیوں میں ایک چھوٹی سی موری بن کر چلی آرہی ہے۔ ایک چھوٹی سی لڑکی ان لکڑیوں کو اُٹھا کر سریش لگا رہی ہے دوسرے کونے میں ایک آدمی گریفائٹ (سُرمہ کا پتھر) دس حصّے سہاگا چار حصّے مٹی کا ایک حصّہ ملا کر کوٹ رہا ہے۔ جب یہ مسالہ تیار ہو جاتا ہے۔ تو تھوڑا تھوڑا کوٹا ہوا مسالہ مشین میں ڈال رہا ہے۔ دوسری طرف سے گریفائٹ کے تار نکل رہے ہیں۔ ایک آدمی ان تاروں کو برابر کاٹ کر اور طشتریوں میں رکھ کر سایہ میں خشک کرنے کے لئے ڈال دیتا ہے۔ جب یہ خشک ہو جاتے ہیں۔ تو ان کو اُٹھا کر بھٹی میں رکھ دیتا ہے۔ جب سُرخ ہو جاتے ہیں تو نکالکر ٹھنڈا کرتا ہے۔ اور ان کو اُٹھا کر پہلے کمرے میں جہاں لڑکی لکڑیوں کو سریش لگا رہی ہے لیجاتا ہے۔ دو آدمی جلد جلد ایک لکڑی میں دھاگہ رکھ کر اُوپر دوسری لکڑی رکھ رہے ہیں۔ ایک اور لڑکی انکو اُٹھا کر ایک طشتری میں رکھتی اور شکنجہ میں کس دیتی ہے لکڑیاں آپس میں پیوستہ ہو جاتی ہیں تیسرے کمرے میں ایک آدمی ان پیوستہ لکڑیوں کو مشین میں دے رہا ہے جسمیں لکڑیاں گول ہو کر پنسلیں تیار ہو رہی ہیں ایک اور لڑکی ان پنسلوں پر ٹھپہ لگا رہی ہے۔ دوسری لڑکیاں انہیں بکسوں میں بند کر کے ہندوستان بھیجنے کیلئے باندھ رہی ہیں

کتب خانۂ جامعہ

قیمت سالانہ۔ پانچ روپے　　رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵　　قیمت ششماہی عہ فی پرچہ ۲ر
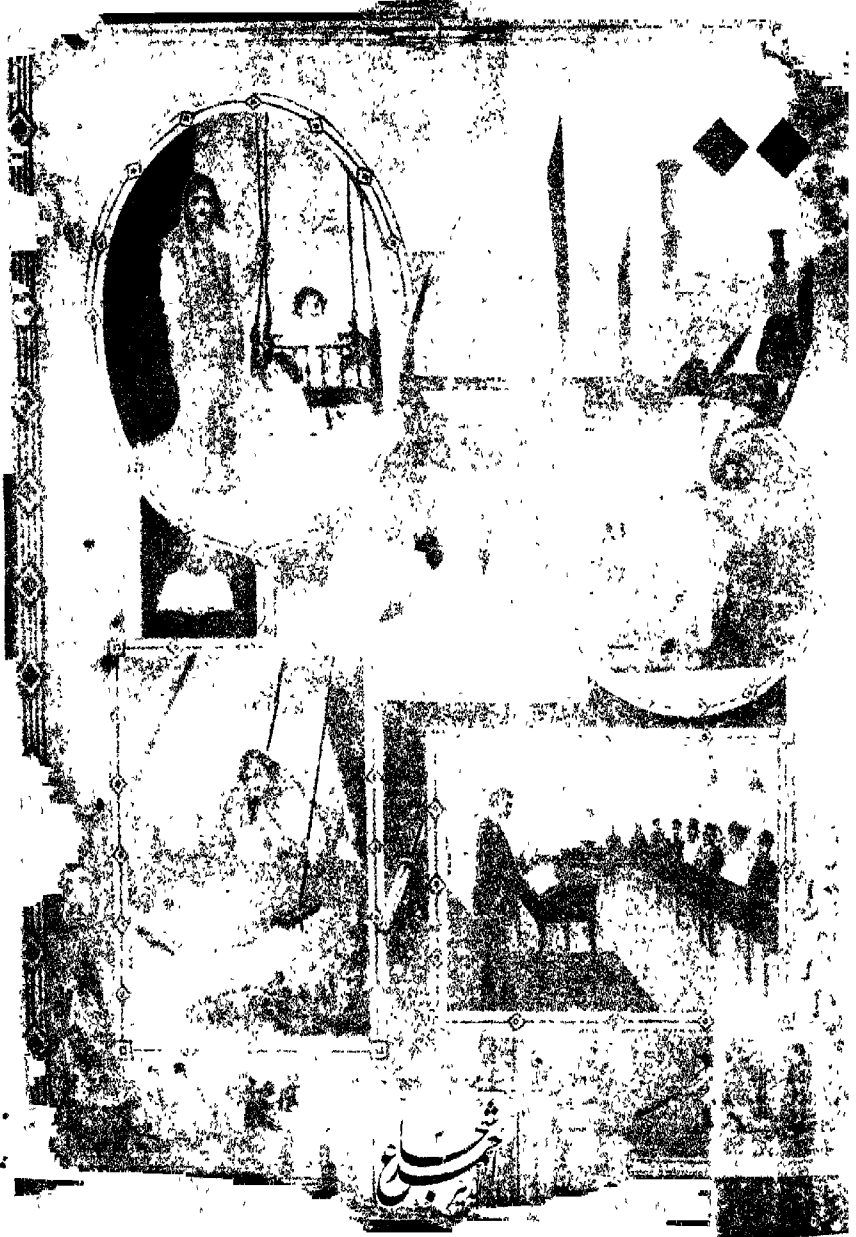
کہانیوں، سبقوں اور نظموں کا ہفتہ وار رسالہ نونہال لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے باتصویر دلچسپ مجموعہ

آنریری ایڈیٹر:۔ حکیم احمد شجاع بی۔ اے (علیگ)

ایڈیٹرز

ابوالاثر حفیظ جالندھری　　محمد اسمٰعیل نعیم

جلد ۴ | فہرست مضامین بابت ۲۲۔ مارچ ۱۹۲۴ء | نمبر ۱۱

دلچسپ معلومات

فرانس کے ایک ڈاکٹر نے بصارت کے ضعف کو دُور کرنے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے اس نے ایک ایسا آلہ بنایا ہے۔ جس کی صورت عینک سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن شیشوں کے بجائے اس میں دو حلقے لگے ہوئے ہیں۔ جو ہر وقت آنکھ کو دباتے رہتے ہیں۔ یہ دباؤ اپنی مرضی کے مطابق کم اور زیادہ بھی ہو سکتا ہے ایک ضعیف شخص پر جو ۱۵ انچ کے فاصلے سے کتاب نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس کا تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ چند دنوں میں اسکے استعمال سے ۸۰ انچ دُور رکھی ہوئی کتاب کو آسانی سے پڑھ سکتا تھا۔

امریکہ میں ۶ فیصدی ایسے آدمی ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ امریکہ کی تعلیم کا محکمہ ہر ایک آدمی کو پڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اور تمام ضروری کتابیں اسے مُہیّا کی جاتی ہیں۔

جاپان میں پانچ فیصدی اور انگلستان میں ۷ فی صدی لوگ انپڑھ ہیں۔ باقی سب پڑھے لکھے۔

ہندوستان میں ۶ فیصدی لوگ پڑھے لکھے اور ۹۴ فی صدی ان پڑھ کس قدر افسوس کا مقام ہے۔

ابوالاثر حفیظ

ہم تم:۔ جن نونہال بھائیوں کو یہ شکایت ہے کہ رسالہ وقت پر نہیں ملتا یا اکثر پرچے غائب ہو جاتے ہیں ان کو یقین کر لینا چاہیے کہ رسالہ دفتر سے باقاعدہ اور عین وقت پر بھیجا جاتا ہے۔ شاید ڈاک والے اُڑا لیتے ہوں تو ہم کچھ کہہ نہیں سکتے۔ پھر بھی آٹھ دِن کے اندر اندر شکایتی خط آنے پر ہم رسالہ دوبارا بھیج دیتے ہیں۔ اور اس طرح سینکڑوں کی تعداد میں دوبارا بھیجنا اور دفتر کو بہت نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ نونہال بھائیوں کو چاہیے۔ کہ اپنے چِٹھی رسان کو تاکید کریں اور اپنے پوسٹ ماسٹر کو چِٹھی لکھیں۔ تاکہ یہ شکایت رفع ہو جائے نمونہ کا پرچہ ۲ر کے ٹکٹ آئے بغیر روانہ نہیں کیا جائیگا۔

منیجر

سچائی

بھلائی کی خواہش عجب شے ہے لیکن ۔۔۔ بھلائی کی صورت سچائی میں دیکھی

جہاں نے خزانے سچائی سے لوٹے ۔۔۔ ترقیِ دولت سچائی میں دیکھی

گلستانِ عشرت سچائی سے پھولے ۔۔۔ بہار فراغت سچائی میں دیکھی

ترقی کے چشمے سچائی سے پھوٹے ۔۔۔ تمدن کی طلعت[۵۱] سچائی میں دیکھی

غبارِ کدورت[۵۲] سچائی نے دھوتے ۔۔۔ جلائے[۵۳] طبیعت سچائی میں دیکھی

بنائے مذاہب سچائی نے ڈالی ۔۔۔ روائے رسالت سچائی میں دیکھی

یقینی ہدایت سچائی سے پہنچی ۔۔۔ حقیقی سعادت[۵۴] سچائی میں دیکھی

زمانے کی عظمت سچائی میں پائی ۔۔۔ خدائی کی طاقت سچائی میں دیکھی

بہرحال آزاد سچ ہے تو یہ ہے
کہ سچی مسرت سچائی میں دیکھی

آزاد

---

۵۱ روشنی ۵۲ دلی کینہ ۵۳ آب۔ چمک ۵۴ نیکبختی

نیکدل بادشاہ

بہت عرصے کا ذکر ہے کہ آسٹریا میں ایک نیکدل بادشاہ حکومت کرتا تھا جس سے اس کی رعایا بہت خوش تھی۔

ایک دِن جب بادشاہ معمولی کپڑے پہنے سیر کو جا رہا تھا، تو ایک چھوٹا سا لڑکا اُسے راستے میں ملا۔ جو ڈرتے ڈرتے اس کے پاس آیا۔ اور سلام کر کے خاموش کھڑا ہو گیا۔

بادشاہ نے پُوچھا۔ "لڑکے کیا چاہتے ہو؟"

بادشاہ کا دِل اس وقت رحم و محبت سے بھرا ہُوا تھا۔ لڑکے نے کہا۔ "آپ مجھے بہت نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ میرا کچھ کام کر دینگے؟"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "مَیں تمہارے کام سے انکار نہ کرونگا۔ مگر تم بھیک کیوں مانگتے ہو۔ حالانکہ تم یقیناً کسی شریف خاندان سے ہو گے۔"

لڑکے کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے۔ اور اس نے کہا۔ "جناب مَیں بھیک نہیں مانگتا۔ میرا باپ بادشاہ کی فوج میں نوکر تھا چُونکہ وہ عرصے سے بیمار رہا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس کی پنشن مقرر کر دی۔ جس سے ہمارا گزارہ بخوبی ہو جاتا تھا۔ مگر آہ! چند روز ہُوئے میرا باپ مجھ سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو گیا۔ اب پنشن بند کر دِی گئی ہے۔ ہم لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔"

بادشاہ نے پُوچھا۔ "لڑکے کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟"

لڑکے نے کہا۔ "جی ہاں، مگر وہ بھی اکثر

بیمار رہا کرتی ہیں۔ ہم تین بھائی ہیں۔ ایک ماں کے پاس رہتا ہے۔ اور ہم میں سے دو بھیک مانگنے چلے جاتے ہیں۔ یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔"

بادشاہ نے لڑکے کو اپنی چھاتی سے لگالیا اور کہا۔" اے بچّے، مَیں ضرور تمہاری مدد کرونگا۔ ہاں کیا تمہارے مکان کے نزدیک کوئی ڈاکٹر بھی ہے؟"

لڑکے نے کہا۔" جی ہاں، ایک ڈاکٹر صاحب ہمارے مکان کے نزدیک رہتے ہیں۔"

بادشاہ نے لڑکے کو کچھ روپے دیتے اور کہا۔" اس میں سے کچھ اپنی ماں کی دوا وغیرہ لانا اور کچھ گھر کے خرچ میں صرف کرنا۔" یہ کہہ کر بادشاہ نے اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا اور اُس سے علیحدہ ہوکر اس کے گھر کی طرف چل دیا۔

جب بادشاہ لڑکے کے گھر پر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ ایک بُوڑھی عورت جس کا چہرہ زرد ہے۔ تنگ و تاریک کوٹھڑی میں لیٹی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے اسے سلام کرکے کہا۔" مَیں ڈاکٹر ہوں۔ اور آپ کی بیماری کا حال سُنکر آپ کو دیکھنے آیا ہوں۔" یہ کہہ کر بادشاہ نے ایک کاغذ پر چند سطریں اس کی بیماری کا حال دریافت کرکے لکھ دیں۔ اور کہا۔" لو یہ نسخہ ہے۔ امید ہے کہ آپ اس نسے جلد اچھّی ہو جائینگی۔"

ضعیف عورت نے روتے ہوئے کہا۔" آہ، میرے پاس آپ کی فیس کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

بادشاہ نے جواب دیا۔" آپ اس کی کچھ فکر نہ کریں۔ مجھے اس وقت بہت خوشی ہوگی۔ جب آپ اچھّی ہو جائینگی۔ اور یہی خوشی میرے لئے انعام ہوگی۔"

تھوڑی دیر کے بعد عورت کا لڑکا ڈاکٹر کو لیکر آیا اور کہنے لگا۔" امّاں مجھے آج ایک

نہایت نیکدل شخص ملا تھا۔ اُس نے مجھے
بہت سا روپیہ دیا ہے۔ آپ کچھ فکر نہ کیجیے۔
سب انتظام ہوجائیگا۔"

ماں نے کہا۔" بیٹا، ابھی ابھی ایک اور
ڈاکٹر صاحب آئے تھے۔ اُنہوں نے ایک
نسخہ لکھ دیا ہے۔ دیکھو وہ کرسی پر رکھا ہے۔"

لڑکے نے حیران ہوکر دیکھا، تو وہ پنشن
جاری کئے جانے کا حکم تھا۔ جس پر بادشاہ
کے دستخط تھے۔

یہ دیکھ کر اس کی ماں کو بہت خوشی ہوئی۔
اور اسی دن سے اس کو صحت ہونے لگی۔ اور وہ
بہت جلد تندرست ہوگئی۔ شیام کشور

دیاسلائی کا کارخانہ

نونہالو۔ چلو آج جاپان میں دیاسلائی کے
کارخانہ کی سیر کریں۔ وہ دیکھو دیاسلائی کے
کارخانے کے باہر ایک چھوٹے سے تالاب میں
درخت کاٹ کر رکھے ہوتے ہیں۔ لکڑہارے
ان سے چھوٹے چھوٹے گول ٹکڑے کاٹ رہے
ہیں۔ ان ٹکڑوں کو گرم پانی میں اُبالا جا رہا ہے۔
پھر ان پر سے پتلی پتلی دھجیاں اُتاری جا رہی ہیں
ان دھجیوں کی تہ جماکر ایک آدمی ایک چھوٹی سی
مشین میں (جو سلائی کی مشین سے بھی چھوٹی ہوتی
ہے) رکھ کر ہاتھ سے پھیر رہا ہے۔ دیاسلائیاں بن بن کر
گر رہی ہیں۔ ایک عورت مشین کے پاس بیٹھی گٹھے
باندھتی جاتی ہے۔ ایک لڑکی ان گٹھوں کو اُٹھا کر
دوسرے کمرے میں لیجا رہی ہے۔ ایک آدمی ان گٹھوں
کو چھلنی میں رکھ کر اُوپر سے فاسفورس کی کوچی پھیر
رہا ہے۔ ایک لڑکی انکو اُٹھا کر خشک کر رہی ہے
ساتھ کے کمرے میں بیس پچیس عورتیں ان دیاسلائیوں
کو بکسوں میں بند کر رہی ہیں۔ ایک عورت سات ہزار
دو سو بکس ایک دن میں بھرتی ہے۔ دیاسلائی کی
مشین معمولی ہوتی ہے۔ جس کو ہندوستان کا ایک
معمولی لوہار بنا سکتا ہے۔ برہان الدین احمد

نمک حلال عورت

پانچ صدیاں گزریں۔ شاہ جیمز اوّل اسکاٹ لینڈ کا اصلی تاجدار بڑا نیک اور باصفات آدمی تھا۔ لیکن جب وہ تخت حکومت پر جلوہ گر ہوا تو ملک کی عجیب حالت تھی۔ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ایک بدنظمی دن بدن بڑھتی چلی جاتی تھی۔ ملک کے جاگیردار امیروں کی بڑھی ہوئی طاقت نے اس بے چینی کو اور بھی دوبالا کر دیا۔ اور بادشاہ کی جان کو خطرہ محسوس ہونے لگا۔ حقیقی دوست بہت تھوڑے لیکن دوستی کے پردے میں دشمن بہت۔ آخر یہ بے چینی رنگ لائی۔ اور ملک میں بغاوت ہو گئی۔

حکمران نے بغاوت کا زور دیکھا تو اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچتے سوچتے سختیوں پر اتر آیا۔ اس نے امیروں کی قوت توڑنے کے لئے ہر طرح منصوبے باندھے۔ اور کسی حد تک کامیاب بھی ہو گیا۔

امیروں نے جب بادشاہ کو بھی ہوشیار دیکھا تو چوکنے ہو گئے۔ اور اندر ہی اندر بغاوت کی آگ بھڑکانے لگے۔

ادھر دوست نما دشمن بادشاہ کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے ادھر موسم سرما میں بادشاہ کو رنگ رلیاں منانے کی سوجھی۔ اور شہر پرتھ جا کر ایک گرجا میں اقامت پذیر ہوا۔ اور عیش و عشرت میں مصروف رہنے لگا۔

باغیوں کو ایسا موقع خدا دے۔ انہوں نے بظاہر تو بادشاہ کے آنے پر بہت خوشی ظاہر کی۔ اور اس کے ساتھیوں کو اِدھر اُدھر سیر دکھانے لے گئے لیکن بیچارے نیکدل جیمز کو کیا معلوم، کہ کل تک جو میرا نمک کھاتے تھے

آج وہ کوڑیوں کے بدلے میری ہی جان کے خواہاں ہو جائیں گے۔ آدھے نمک حرام تو سپاہیوں اور سرداروں کو باہر لیگئے۔ اور باقی باغی چار آئینہ بکتر لگا، سج سجا، بادشاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اس وقت بادشاہ اپنی بیگم اور اُس کی خواصوں کے درمیان بیٹھا گفتگو میں محو تھا ناگاہ دُور سے ہتھیاروں کی جھنکار اور باغیوں کی چیخ و پکار سُنائی دی۔ غفلت بادشاہ جھٹ بات کی تہ کو جا پہنچا۔ اب کرتا تو کیا کرتا؟ اور جاتا تو کہاں؟ وہ ہزار طاقتور سہی۔ لیکن اس کے پاس اس وقت ایک ہتھیار بھی نہ تھا۔ چھپنے کے لئے جگہ تلاش کی۔ مگر گرجے میں چھپنے کے لئے جگہ کہاں۔ ناچار زندگی سے ناامید ہو گیا اتنے میں ایک تہ خانہ یاد آیا۔ جھٹ اس میں اُتر گیا۔ باغی گرجے کے اندر پہنچے۔ عورتوں کو ڈرایا، دھمکایا، مگر کچھ فایدہ نہ ہوا۔ آخر بادشاہ کو سرگرمی سے ڈھونڈنے لگے۔ مگر وہ سامنے ہوتا تو ملتا۔ نہ مِلا تو ناچار واپس لوٹے۔

جب باغی دُور چلے گئے۔ تو عورتوں نے تہ خانہ میں سے بادشاہ کو نکالا لیکن بدقسمتی سے باغی راستے ہی سے پلٹ پڑے۔ اور پھر آ کر گرجے کا کونہ کونہ ڈھونڈنے لگے۔ بادشاہ پھر تہ خانے میں اُتر گیا تھا۔ مگر ابھی دریاں اور غالیچے درست نہ کئے گئے تھے۔ کہ باغی اس کمرے تک آ پہنچے جلدی اور گھبراہٹ میں عورتوں سے دری کی سلوٹیں نہ نکالی گئیں۔ ایک باہمت خاتون جس کا نام کیتھرائن ڈگلس تھا۔ بجلی کی طرح اُٹھی اور اپنا ننگا بازو کواڑ بند کرنے کے ڈنڈوں میں پھنسا دیا۔

باغیوں نے جب دروازہ بند پایا تو ان کا شبہ یقین کی حد تک پہنچ گیا۔ دو تین سو آدمیوں نے اس زور سے دھکا مارا کہ دروازہ اور اس عورت کا نازک بازو چور چور ہو گیا۔ بیرحم اندر گھس آئے۔ سلوٹوں نے راز افشا کر دیا۔ اور

انہوں نے نیک بادشاہ کو مار دیا۔
کیتھرائن ڈگلس نے حق نمک ادا کر دیا جب عام لوگوں کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قاتلوں پر ہزاروں لعنتیں بھیجیں۔ اور اس عورت کا نام اتنا ہر دلعزیز ہو گیا۔ کہ لوگ عزت سے اس کا نام "کیٹ بارلاس آف دی برکن آرم" کہنے لگے۔ ایڈیٹر

راستباز قیدی

ایک شہزادے کو بھیس بدلکر اپنے دارالخلافہ میں گھومنے کا بہت شوق تھا۔ تاکہ وہ اپنی آنکھ سے اپنی رعایا کا حال دیکھ سکے۔
ایک روز وہ سلطنت کے سب سے بڑے جیل خانے کا معائنہ کرنے گیا۔ اس وقت پانچ قیدی مشقت کرنے جا رہے تھے۔ شہزادے نے اُن پانچوں کو ٹھیرا لیا۔ اور یکے بعد دیگرے اُن سے دریافت کیا۔ کہ تمہیں کس جرم میں سزا ملی ہے۔
پہلے نے جواب دیا۔ "جناب میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میرے خلاف جھوٹی گواہی دی گئی تھی۔ جسے جج صاحب نے سچ مان لیا۔"
دوسرے نے کہا۔ پولیس والوں کو میرے ساتھ دشمنی تھی۔ تیسرے نے کہا۔ اس سلطنت کا قانون ہی غلط ہے۔ چوتھے نے جواب دیا۔ میں غلطی سے گرفتار کر لیا گیا ہوں۔ کیونکہ جس شخص نے جرم کیا ہے۔ وہ دوسرا ہے۔" اب ایک قیدی پیچھے رہ گیا۔ شہزادے نے مسکرا کر اُس سے پوچھا۔ کیا تم بھی بیگناہ قید کر لئے گئے ہو۔
اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "جناب میں جھوٹ بول کر اپنے گناہ کو بڑھانا نہیں چاہتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں نے بہت بڑا جرم کیا تھا۔
شہزادے نے پوچھا تم نے کیا کیا تھا۔
قیدی بولا۔ میں ایک ساہوکار کے گھر میں

چوری کے ارادے سے گیا تھا۔ ساہوکار کا لڑکا
جاگ اُٹھا۔ اور مجھے پکڑنا چاہا۔ مَیں نے چھُرا
نکالا اور اُس پر حملہ کیا۔ اس نے بچاؤ کے لئے
ہاتھ بڑھا دیا۔ چھُرا اس کے بازو میں لگا۔ اس
نے چیخ ماری اور گر گیا۔ مَیں نے نقدی کا صندوقچہ
اُٹھایا اور بھاگ نِکلا لیکن اس مکان کی دہلیز
سے میرے پاؤں نے ٹھوکر کھائی اور مَیں مُنہ
کے بل گر گیا۔ گھر کے تمام آدمی چیخ کی آواز سُنکر
جاگ اُٹھے تھے۔ اُنہوں نے دوڑ کر مجھے پکڑ لیا
اس کے بعد عدالت سے مجھے دس سال قید
کی سزا مِلی۔ ایمان کی بات تو یہ ہے۔ کہ مَیں
اس سے بھی زیادہ سزا کا مستحق تھا۔ جج صاحب
نے مجھ پر بہت مہربانی کی۔ اب مَیں اپنے کئے
پر بہت پشیمان ہوں۔ اور قید کاٹنے کے بعد
شریفانہ زندگی بسر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔
شہزادے نے کہا۔ "شاباش! مَیں تمہارے
سچ بولنے سے بہت خوش ہُوا۔ کیونکہ تُم نے
اپنے ساتھی قیدیوں کی طرح ایک جرم کے ساتھ
دوسرے جرم یعنی جھُوٹ کو شامل نہیں کیا۔"
مَیں تمہارا قصور معاف کرتا ہوں۔ اور مجھے
امید ہے کہ تم آئندہ شریف آدمی بن جاؤ گے
اُسی وقت شہزادے نے اُس کی بیڑیاں
کٹوا دیں۔ اور وہ سچ بولنے کے عوض خوشی خوشی
اپنے گھر چلا گیا۔ اور باقی قیدی اسی طرح قید
میں مبتلا رہے۔

لطیفہ

ایک شُترمُرغ سے لوگوں نے کہا کہ بھائی
تم اُونٹ ہو بوجھ لادو۔
شُترمرغ نے جواب دیا:۔ "واہ صاحب
کہیں مُرغ بھی بوجھ لادا کرتے ہیں۔
لوگوں نے کہا۔ اگر تم مُرغ ہو تو اڑو۔
شُترمُرغ نے جواب دیا۔ "کہیں اُونٹ بھی
اُڑتا ہے۔"

فرید جعفری

روضہ ممتاز محل

شاہ جہان بادشاہ کی عمارتوں میں سے یہ عمارت ایسی پاکیزہ اور نفیس بنی ہوئی ہے کہ یورپ کی عمارتیں بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ یہ مقبرہ آگرہ سے دو میل کے قریب دریائے جمنا کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس کے سفید گنبد کی بہار تو شہر میں سب ہی جگہ سے نظر آتی ہے۔ مگر عمارت کی خوبی اور صنعتگری کی اصل شان پاس جا کر دیکھنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ جب چلتے چلتے اس کے قریب پہنچتے ہیں۔ تو ۸۶۵ فٹ لمبا اور ۱۰۰۰ فٹ چوڑا ایک احاطہ دکھائی دیتا ہے۔ احاطہ کی چار دیواری میں بہت سے طاق بنے ہوئے ہیں۔ اور چاروں طرف سنگ سرخ کا ایک ایک دروازہ ہے۔ بڑے دروازے پر جو روضہ میں جانے کا راستہ ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں کھدی ہوئی اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس دروازہ میں سے کئی سیڑھیاں اُتر کر باغ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ باغ بھی ایسا پُربہار ہے۔ کہ اس کی آرائش کی ستائش نہیں ہو سکتی۔ اس کی خوشبو، پودوں کی بہار، اور میوہ دار درختوں کی قطار اور روشوں کی تراش کا لطف کیا بیان کیا جائے! روشوں پر سُرخ پتھر کا فرش اور بیچ میں سنگ مرمر کا ایک پاکیزہ حوض ہے۔ حوض کے اندر فوّارے لگے ہیں۔ اور ان کے گرد سرو کے درخت کھڑے ہیں۔ یہ فوّارے ہر وقت جاری نہیں رہتے۔ اُن کے چھوٹنے کا تماشہ کبھی کبھی کسی خاص موقع پر دیکھنے میں آتا ہے۔

حوض سے آگے بڑھ کر کئی سیڑھیاں چڑھ کر ایک شطرنج نما چبوترے پر پہنچتے ہیں۔ اور اُس کے اوپر ۳۱۳ فٹ مربع سنگ مرمر کا ایک

چبوترہ بنا ہوا ہے۔اس چبوترے کی دیوار میں ایک طرف سنگ مرمر کا زینہ ہے۔اور چاروں گوشوں پر ۱۳۳ فٹ بلند چار مینار سر کشیدہ کھڑے ہیں۔اور انہی چبوتروں کے بیچوں بیچ ۱۸۶ مربع فٹ میں خاص روضہ کی عمارت ہے۔

روضہ کی چھت پر سنگ مرمر کا گنبد ۸۰ فٹ اونچا بنا ہوا ہے۔اور اسکی چوٹی پر ہلال کی شکل کا ایک طلائی کلس چمک رہا ہے۔

بڑے گنبد کے گرد چار اور چھوٹے برج ہیں۔اور ان سے اس کی زیبائش اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔اس روضہ کے مغربی اور مشرقی سمت میں نیچے کے چبوترے پر دو خوش قطع اور ہمشکل عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔اُن میں سے ایک مسجد ہے۔اور دوسری اس کا جواب۔

یہ تو باہر کا نقشہ تھا۔اب اندر کی کیفیت سنو۔ گنبد کے اندر جاکر درودیوار پر گلزار بلکہ نگار خانہ کا سماں نظر آتا ہے۔

جا بجا عقیق و کشیب و لاجورد وغیرہ قیمتی پتھروں کے پھول نہایت خوش اسلوب بنائے ہیں۔ اور پھولوں کی پنکھڑیوں میں تیس تیس رنگ کے پتھر لگاتے ہیں۔اور پھر جوڑ اس خوبی سے ملاتے ہیں کہ ناخن پھیرنے سے اُن کی صفائی میں ذرا بھر بھی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ان پھولوں کے سوا دروں اور محرابوں اور دیواروں پر جگہ جگہ سنگ مرمر اور سنگ اسود کی پچی کاری سے قرآن مجید کی آیتیں کندہ ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس مقبرہ میں اسی طرح پورا قرآن کریم کھدا ہوا ہے۔گنبد کے وسط میں سنگ مرمر کا ایک جالی دار کٹہرا لگا ہوا ہے۔اور اُس میں جہاں جہاں جالی نہیں ہے۔وہاں وہی بیش بہا پتھروں کی عجیب گلکاری ہے۔ ہر ایک پھول کاریگر کی اُستادی کا مرقع ہے۔ اِس کٹہرے کے در کے اوپر دو چولوں کے سوراخ ہیں۔اور ان سے صاف معلوم ہوتا

ہے۔ کہ کبھی اُن میں کواڑ لگے ہوتے ہونگے کہتے ہیں۔ کہ یہ کواڑ ٹھوس چاندی کے تھے۔ اور الماس اور پکھراج سے مرصع تھے۔ اور ایک کواڑ لاکھ لاکھ روپے کو تیار ہوا تھا۔ معلوم نہیں کہ اس کو کس نے اتارا اور کون حریص لے گیا؟ کواڑوں کے علاوہ کتنی جگہ سے پھول بھی اُکھاڑے گئے ہیں۔ اس کٹہرے کے اندر ممتاز محل اور شاہجہان دونوں کی قبروں کے تعویذ ہیں۔ اور اصل قبریں ان کے نیچے سنگ مرمر کے تہ خانہ میں ہیں۔ ممتاز محل کی قبر پر یہ کتبہ ہے۔

"مرقد منوّر۔ ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل پیدائش سنہ ۱۰۴۰ھ۔"

جس تہ خانہ میں اصل قبریں ہیں۔ وہاں سنگ مرمر کی سیڑھیوں کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں۔ اس کے اندر بھی قبروں کے تعویذوں پر پتھروں کے پھول بنے ہوتے اور کتبے لگے ہوتے ہیں۔

اس تہ خانہ میں آمد و رفت کے دروازہ کے سوا کہیں سے روشنی نہیں جاتی۔ یہ مقبرہ جس کو عوام "تاج بی بی کا روضہ" اور انگریز "تاج" کہتے ہیں۔ سنہ ۱۶۴۰ء میں بننا شروع ہوا اور سترہ برس میں بنکر تیار ہو گیا۔ ممتاز محل جس کا اصل نام ارجمند بانو تھا۔ آصف خاں کی بیٹی اور شاہجہان کی چاہیتی بی بی تھی۔ اور اسی کی یادگار میں شاہجہان نے یہ مقبرہ بنوایا تھا۔ جو ابتک دُنیا میں بڑی خوبصورت عمارتوں میں شمار ہوتا ہے اور دیکھنے میں بالکل نیا معلوم ہوتا ہے۔ امین

غُصّہ

انجام غضب کیا ہے پشیمانی ہے
تو شکل بدلتا ہے تو نادانی ہے
غُصّے سے کوئی اور نہ ہو جائیگا تو
پانی کا بُخار پھر وہی پانی ہے

شوق

امیر البحر ہوپسن

یہ بات بالکل سچ ہے کہ دُنیا میں غریب لوگوں میں سے بڑے بڑے آدمی پیدا ہوتے ہیں۔ جہاز رانی میں بھی ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ۱۶۸۰ء میں قصبہ بول چرچ میں جو جزیرہ وائٹ میں واقعہ ہے۔ ایک کم عمر لڑکا درزی کی دُکان پر کام سیکھتا تھا۔ ایک دن اس کا اُستاد کسی کام کے لئے باہر گیا تھا۔ لڑکے نے کام چھوڑ دیا۔ اور سمندر کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ اس وقت اس کے دل میں خیال آیا۔ کہ "کاش مَیں اس دُکان پر نہ ہوتا!" یہ لڑکا ایک غریب یتیم تھا۔ اور پادری نے اس کو اس درزی کا شاگرد بنا دیا تھا۔ اس وقت جبکہ اس کے دل میں طرح طرح کے خیال گزر رہے تھے انگریزوں کے چند جہاز ساحل پر آئے۔ لڑکے نے فوراً کام چھوڑ دیا۔ اور سمندر کی طرف دوڑ گیا کنارے پر ایک خالی کشتی موجود تھی۔ اس میں کود پڑا اور امیر البحر کے جہاز کی طرف چل دیا۔

اُن دنوں لڑائی کے جہازوں پر بحری زندگی بہت مشکل تھی۔ اور رنگروٹوں کی نہایت ضرورت تھی۔ کیونکہ کوئی بھی جہاز رانی کے کام میں شامل ہونے کو تیار نہ تھا۔ جب بچّے نے نوکری کے لئے درخواست کی کپتان نے فوراً منظور کر لی۔

دوسرے ہی دن اس کو لڑائی کا نظارہ کرنا پڑا۔ کیونکہ انگریزی جہازوں کی فرانسیسی جہازوں سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔ اور لڑائی ہونے لگی لڑکے نے اپنا فرض سرگرمی سے ادا کیا۔ اسے جب کوئی حکم ہوتا تھا وہ فوراً اس کو بجا لاتا تھا۔ اور جنگی معاملات میں شوق سے حصّہ لیتا تھا۔ لڑائی بہت دیر تک ہوتی رہی۔ اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ تو لڑکے نے ایک ملاح سے پُوچھا۔ "ہمیں کس طرح معلوم ہو۔ کہ

دُشمن کو شکست ہو گئی ہے۔" ملّاح نے ایک جھنڈے کی طرف اشارہ کیا۔ جو فرانسیسی امیرالبحر کے جہاز پر لہرا رہا تھا۔ اور کہنے لگا۔ "اگر یہ جھنڈا نیچے گرا دیا جائے۔ تو دُشمن کو شکست ہو جائیگی اور فتح کا سہرا ہمارے سر بندھیگا۔"

لڑکے نے کہا۔ "بس اتنا ہی کام ہے؟"

یہ کہکر وہ فوراً سمندر میں کود پڑا اور تیرتا ہُوا فرانسیسی جہازوں کی طرف چلا۔

اس زمانے میں بحری لڑائی اور طرح ہُوا کرتی تھی۔ آج کل جہاز ایک دوسرے سے میلوں دُور ہوتے ہیں۔ اور بعض دفعہ دکھائی بھی نہیں دیتے۔ پہلے یہ دستور نہ تھا۔ طرفین کے جہاز ایک دوسرے کے پاس آجاتے تھے اور ہر ایک طرف کے جہازران غنیم کے جہازوں پر چڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ فرانسیسی امیرالبحر کا جہاز انگریزوں کے جہاز کے قریب تھا۔ لڑکا اس جہاز پر چڑھ گیا۔ تمام لوگ لڑائی میں محو تھے۔ لڑکے کی طرف کسی نے توجہ نہ کی۔ لڑکا ہوشیاری کے ساتھ رسّی کی سیڑھی پر چڑھ گیا۔ اور امیرالبحر کے جھنڈے کو اُتار لیا۔ اس نے جھنڈے کو اپنے جسم کے گرد لپیٹ لیا۔ اور نیچے اتر آیا۔ انگریز اور فرانسیسی دونوں اس کام سے بے خبر تھے۔

انگریزی جہازرانوں نے دیکھا کہ فرانسیسی جھنڈا موجود نہیں۔ اُنہوں نے سمجھا کہ فرانسیسی ہار مان گئے ہیں۔ فوراً فرانسیسی جہازوں پر کود پڑے۔ دُشمن ہکّے بکّے رہ گئے۔ فرانسیسی گولہ انداز گھبرائے اور بھاگ کر سمندر میں کود پڑے اور آن کی آن میں تمام جہاز انگریزوں کے قبضے میں آگئے۔

جب مکمل طور پر فتح حاصل ہو گئی۔ تو سارا حال سُنانے کو لڑکا انگریزی ملاحوں کے سامنے آگیا۔ اور جھنڈا اپنے ساتھیوں کو دکھلانے لگا۔ جس پر تمام حیران رہ گئے۔

یہ بات بہت جلد مشہور ہو گئی۔ اور لڑکا

جھنڈے سمیت کپتان کے سامنے لایا گیا۔ امیر البحر نے لڑکے کی بہادری پر آفرین کی۔ اور اس کو اسی وقت نائب افسر کے عہدے پر ممتاز کر دیا جو لڑکا اس عمر میں ایسی بہادری کا کام کرے اس کے لئے بڑا ہو کر جہاز رانی میں بہت بڑی شہرت حاصل کر لینا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ لڑکا اسی طرح عہدے پر عہدہ حاصل کرتا ہوا اعلےٰ رتبے پر پہنچ گیا۔ اور تاریخ میں امیر البحر ہوکسن کے نام سے مشہور ہوا۔

کلام جالندھری

اُڑنے والی مچھلی

کہتے ہیں کہ اُڑنے والی مچھلی پہلے پہل پر نہیں رکھتی تھی لیکن ترقی کے شوق میں یہ ہر وقت پانی میں رہنے پر افسوس کرتی تھی۔ اور خیال کرتی تھی کہ اگر میں اُڑ سکتی تو قدرت کے عجائبات دیکھتی۔ اور اس کے علاوہ اپنی جان بھی اُن مچھلیوں سے بچا سکتی۔ جو میرے پیچھے پڑی ہوئی ہیں اور مجھے کھا جانا چاہتی ہیں۔ ایک دن خُدا سے اُس نے پروں کے ایک جوڑے کے لئے دُعا کی۔ اور کیا دیکھتی ہے کہ اُسی وقت اس کے جسم کی لمبائی کے مطابق پر پیدا ہو گئے ہیں۔ اور طاقت بھی پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے۔ بہت خوش ہوئی اور ساتھ والی مچھلیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگی لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اپنے آپ کو ایک نئی مصیبت میں مبتلا پایا۔ وہ یہ کہ جب ہوا میں اُڑتی تو پرندے اُس کا لگاتار پیچھا کر کے اُس کو پکڑنے کی کوشش کرتے۔ اس حالت میں یہ جھٹ پانی میں گر پڑتی اور اُڑنے سے اتنی تھکی ماندی ہوتی کہ اپنے پُرانے دُشمنوں کا بھی مقابلہ نہ کر سکتی۔ اب یہ بہت تنگ آئی۔ خُدا سے پھر دُعا کی۔ کہ وہ اپنے عطیے کو واپس کر لے لیکن آج تک اس کی دُعا قبول نہیں ہوئی۔

پیر شاہ مشہدی

قیمت سالانہ:- پانچ روپے	رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵۷	قیمت ششماہی ۳ ع ؍ فی پرچہ ۲ ؍ ر

نونہال

آنریری ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی-اے (علیگ)

ایڈیٹرز

ابوالاثر حفیظ جالندھری	محمد اسمٰعیل نعیم

جلد ۴	فہرست مضامین بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء	نمبر ۱۲

روڈی پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ بھارام پروپرائٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمٰعیل الصیفی پبلشر و پروپرائٹر نے چمبرلین روڈ سے شائع کیا۔
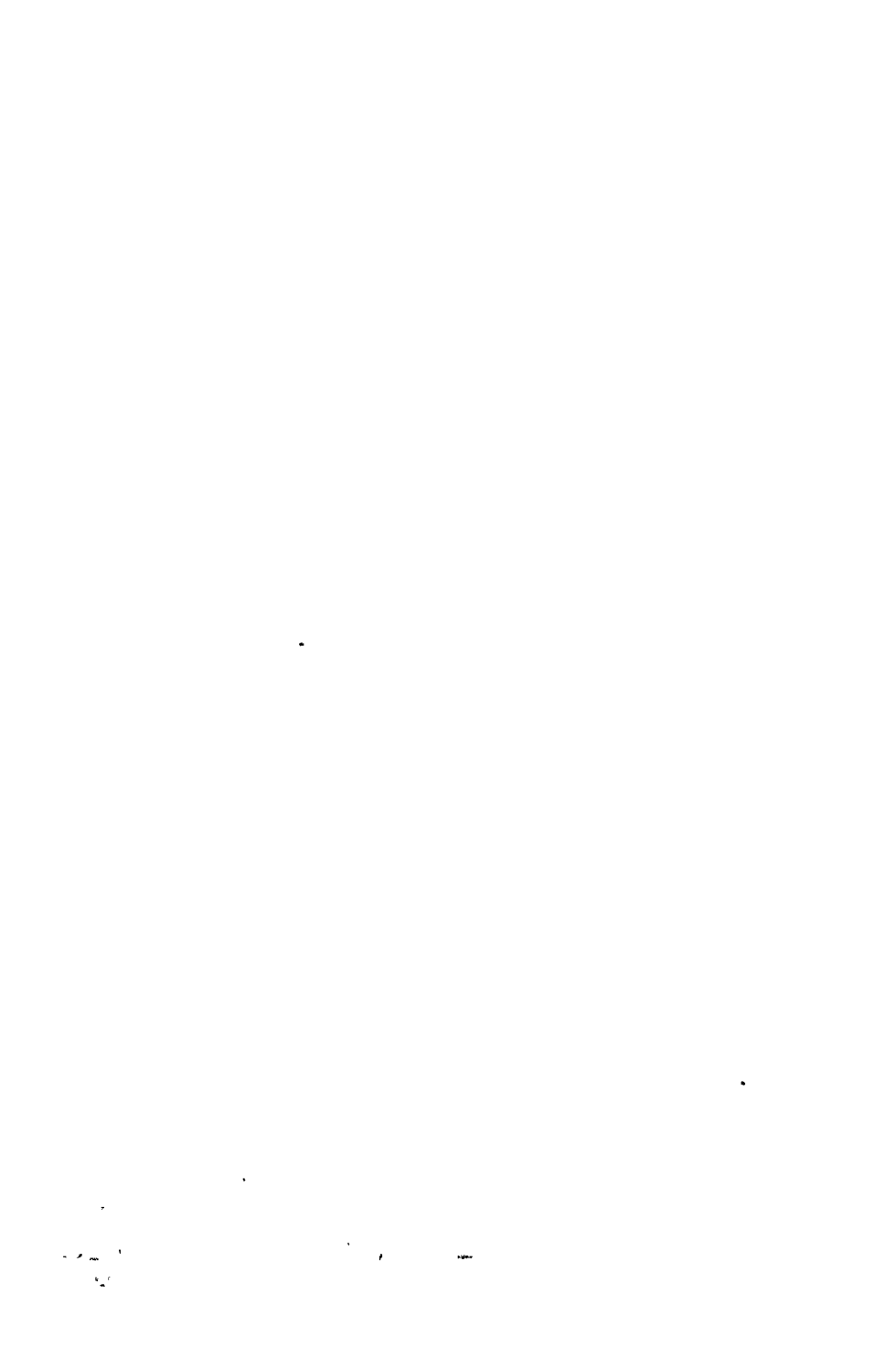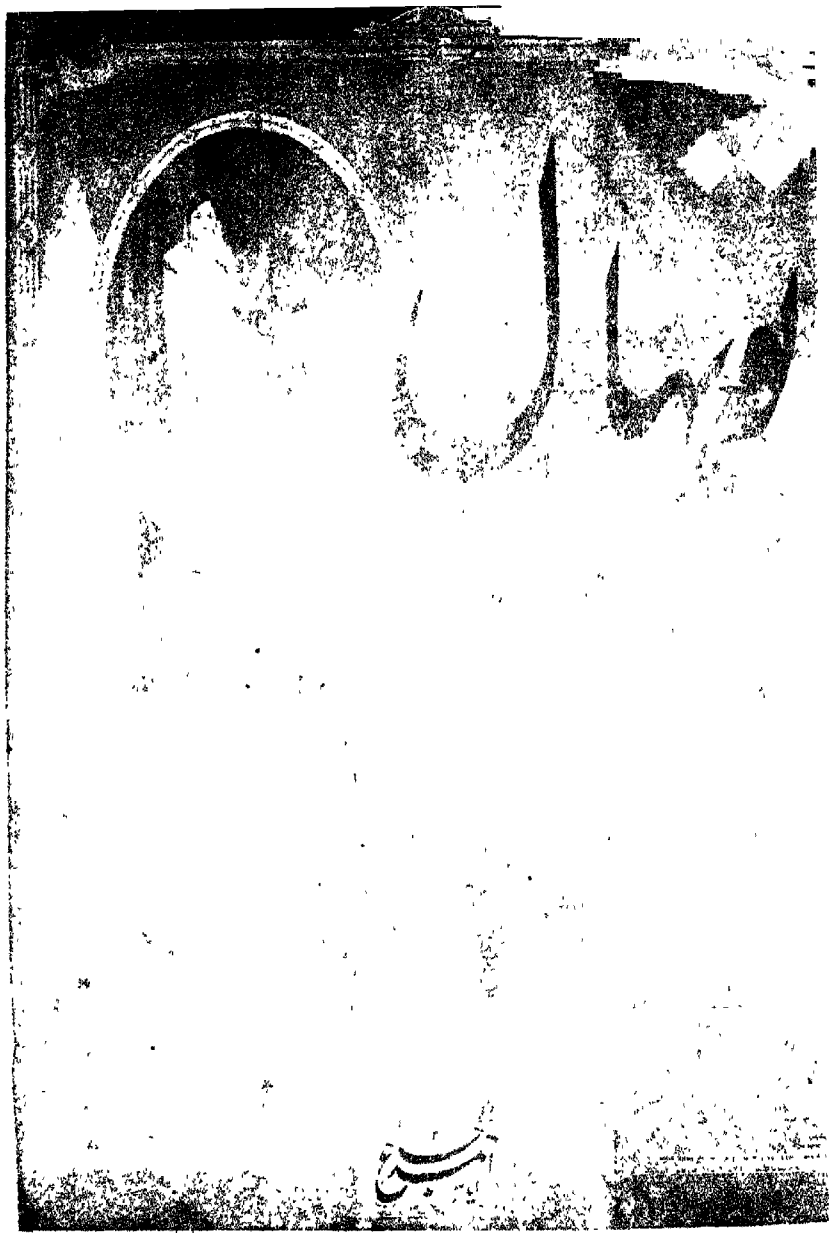
دلچسپ معلومات

ایک مرد کے پیٹ میں دو بچے

اٹلی کے دارالخلافہ روما سے ایک رسالہ شائع ہوتا ہے۔ جس کا نام کورپراٹالیا نو ہے۔ اس نے ایک عجیب اور اچنبھے کی خبر شائع کی ہے اُس نے لکھا ہے۔ کہ ایک مضبوط نوجوان کسان بلغراد کے شفاخانے میں علاج کے لئے داخل ہوا۔ اس کی عمر ۲۲ سال تھی۔ اُس نے ڈاکٹر سے بیان کیا کہ میرے پیٹ میں سخت درد رہتا ہے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو معلوم ہوا۔ کہ اس کے پیٹ میں کوئی چیز زاید ہے۔ پھر ایک مشہور ڈاکٹر مسمی ہورک نے مریض کے پیٹ کو چیرا تو اس کے پیٹ سے دو بچے نکلے۔ ایک دس انچ اور دوسرا پانچ انچ لمبا۔

بڑے بچے کا اچھا خاصا سر تھا۔ منہ میں دو دانت تھے لگردن اور سینہ بھی درست تھا بائیں ہاتھ میں چھ اُنگلیاں تھیں جن کے لمبے لمبے ناخن تھے۔ چھوٹے بچے نے ابھی کوئی خاص صورت اختیار نہ کی تھی۔ لیکن اس کی دو بڑی بڑی ہڈی کی سی سخت آنکھیں موجود تھیں۔

ڈاکٹر لوگ اس عجیب وغریب دریافت پر بہت حیران ہیں۔ اور کئی قسم کے سبب بیان کرتے ہیں۔ ایک ڈاکٹر نے کہا ہے۔ کہ اس شخص کی ماں کے رحم میں تین بچے تھے۔ ان میں سے ایک نے باقی دو کو اپنے اندر جذب کرلیا اور بائیس سال تک یہ بچے اس شخص کے پیٹ میں بلا تکلیف بڑھتے رہے۔ آخر جب اسے درد ہوا تو یہ ہسپتال میں آگیا۔ لیکن سب ڈاکٹر اس بات سے حیران ہیں کہ یہ بچے آدمی کے پیٹ میں بڑھتے کیونکر رہے۔ اور اس معمہ کو حل کرنے میں ساری دُنیا عاجز ہے۔

اس مرد پر جراحی کا عمل نہایت ہوشیاری اور کاریگری سے کیا گیا تھا۔ اور اب وُہ بالکل تندرست ہے۔

ایڈیٹر

بیکار رہنے والو!

تم کیوں ہوتے ہو پیدا بیکار رہنے والو
کیا فرض ہے تمہارا بیکار رہنے والو

کرنا ہے تم کو جو کچھ انجام اس کو دیدو
ہے چند روز دُنیا بیکار رہنے والو

مہلک مرض تمہارا ہے کاہلی و سُستی
کر لو علاج اپنا بیکار رہنے والو

یُورپ کے رہنے والے کیا کر چکے ہیں اب تک
تم نے بھی کچھ دکھایا بیکار رہنے والو

کیا کر رہی ہے دُنیا کیا ہو رہے ہیں ساماں
کچھ بھی نہ تُم نے دیکھا بیکار رہنے والو

اعضا تمہارے اِک دِن ہو جائینگے معطل
سوچو نتیجہ اپنا بیکار رہنے والو

کیوں کر رہے ہو شکوہ تقدیر کا تُم اپنی
الزام ہے یہ بیجا بیکار رہنے والو

جا کر کرو ریاضت کالج میں مدرسے میں
بن جاؤ تم بھی اعلیٰ بیکار رہنے والو

صحبت سے دوستوں کی فرصت ملے جو دم بھر
نظمِ عزیزؔ پڑھنا بیکار رہنے والو

مرزا عزیزؔ لکھنوی

قربانی

صدیاں گزر گئیں جب یونانی حکومت دُنیا کی سب سلطنتوں میں طاقت اور قوت کے لحاظ سے بلند پایہ تھی۔ تو وہاں کے حاکم دو حقیقی بھائی تھے۔ کسی بات پر دونوں بگڑ گئے۔ ناحق کے جھگڑے چھڑ گئے۔ اور دونوں الگ الگ رہنے لگے۔ ایک بھائی کا نام اٹوکلیس اور دوسرے کا پولینس تھا۔

اِدھر گھر میں پھوٹ پڑنے کی دیر تھی۔ کہ بدخواہ لوگوں نے اور آگ بھڑکانی شروع کر دی ہوتے ہوتے جنگ و جدل تک نوبت پہنچ گئی۔ اٹوکلیس نے تخت کا واحد مالک بننے کے لئے فوج اکٹھی کی اور بھائی کو شہر بدر کر دیا۔ پولینس بھی آخر بادشاہ تھا۔ اس کے جھنڈے تلے بھی ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ اور وہ اپنی ہزیمت کا بدلہ خون سے لینے کے لئے واپس آیا۔ جب شہر سے کچھ فاصلے پر رہ گیا۔ تو اٹوکلیس بھی بڑے کرّو فر سے فوجیں لے کر مقابلے کو نکلا۔

دونوں فوجوں میں بڑا معرکہ ہوا۔ ایسی زبردست لڑائی کبھی صدیوں تک کسی نے نہ دیکھی تھی۔ بڑے بڑے سورما اور دلیر جو قسمیں کھا کھا کر بڑے دعوے اور حوصلے سے میدان میں آتے تھے کھیت رہے۔ لڑائی کی حالت بدلنے لگی۔ بچے کھچے آدمی بھاگنے لگے لیکن دونوں بات کے دھنی اور ہمت کے پکے بھائی آگے بڑھے۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا۔ دلوں میں جو آگ روشن تھی۔ اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ تلواریں سونت سونت کر ایک دوسرے پر جا پڑے۔ چند لمحوں میں دونوں زخموں سے چکنا چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد انکی روحیں پرواز کر گئیں۔ سپاہیوں کے رہے سہے حوصلے جاتے رہے۔ اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے کہ

مُردوں زخمیوں اور ان کے کھانے والے بھیڑیوں اور گِدّوں کے سوا وہاں کوئی نہ رہا۔

جب تخت کا دعویدار کوئی اور نہ رہا۔ تو تاج ان کے چچا سیروّن نے سنبھالا۔ یہ بڑا حریص اور دل میں کینہ رکھنے والا آدمی تھا۔ اس نے حکمران ہونے کے ساتھ ہی پہلا حکم یہ دیا۔ اٹوکلیس کی نعش کو شاہانہ طریق سے دفن کر دیا جائے۔ اور اس کے بدنصیب بھائی کی لاش کو وہیں میدان میں پڑا رہنے دیا جائے۔ تاکہ گِدھ اور چیلیں اس کی تکّا بوٹی کر کے کھا جائیں۔

سروّن کو پولینس سے حسد ہی نہیں بلکہ عداوت تھی۔ اس نے جب دیکھا کہ حکومت اس کے ہاتھ میں ہے۔ تو اُس نے اس کی لاش کی بے عزّتی پر کمر باندھی۔ یونان میں سب سے بڑی بے عزّتی اگر کسی کی ہو سکتی تھی تو وہ یہی تھی۔ کہ کسی کا مردہ جسم زمین میں دفن نہ کیا جائے۔ اگر بادشاہ پولینس کی اولاد کو زندہ جلوا دیتا تو کچھ نہ ہوتا۔ لیکن یہ سزا، یہ تحقیر، یہ بے عزّتی پولینس کی ہمشیرہ سے سہی نہ گئی۔ اس کے دل میں درد تھا وہ حمیّت والی عورت تھی۔ بڑے شریف باپ کی بیٹی تھی۔ اس نے دل میں ٹھان لی۔ کہ بھائی کی بے عزّتی نہ ہونے دُونگی۔ وہ رات کے اندھیرے میں باہر نکلی۔ اور بھائی کو راتوں رات نامعلوم جگہ دفن کرا آئی۔

صبح ہُوئی تو یہ بات چاروں طرف پھیل گئی شہزادی گرفتار کر لی گئی۔ اور اس نے چچا کے سامنے جرم کا بڑی بہادری سے اقرار کر لیا۔ چچا نے زہریلے سانپ کی طرح پیچ و تاب کھائے۔ اس نے حکم دیا۔ "اس نامراد لونڈی کو جس نے میرا حکم اپنے ناپاک پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ میرے فرمان کی بے عزّتی کی۔ مجھے ذلیل سمجھا پتھروں کی دیوار میں زندہ چُن دو۔

شہزادی کے دل میں حقارت کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ وُہ بولی۔ "آج بھی اور کل بھی ایک دِن

مرنا ضرور ہے۔ اس لئے اگر تو مجھے زندہ چنوا دیگا۔ تو کیا میں اپنے بھائی کی محبّت سے باز آجاؤنگی۔ ہرگز نہیں۔

الغرض سپاہی شہزادی کو رسیوں سے باندھ کر لے گئے۔ اسے دیوار میں زندہ چُن دیا۔

یہ محض ایک بہن کی محبت تھی جسنے بھائی کی عزت کیلئے جان تک قربان کردی۔ اس کا نام اینٹی گون تھا۔ جو آجتک مشہور ہے۔ ایڈیٹر

حکیم بقراط کے اقوال

۱۔ دو عقلمندوں میں محبّت عقل کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جو کبھی کم نہیں ہو سکتی۔

۲۔ چار چیزیں نظر کو کمزور کرتی ہیں:۔

(۱) گرم کھانا کھانا۔

(۲) زیادہ گرم پانی سر پر ڈالنا۔

(۳) سورج کی طرف دیکھنا۔

(۴) دشمن کی طرف نظر کرنا۔

۳۔ تین چیزیں آدمی کو دُبلا کرتی ہیں:۔

(۱) نہار منہ پانی پینا۔

(۲) سخت زمین پر سونا۔

(۳) بہت پکار پکار کر بولنا۔

حکیم جالینوس کے اقوال

۱۔ بے عقل کو علم فایدہ نہیں دیتا۔

۲۔ حلم اور بردباری کی عادت ڈال۔ تاکہ مراد پہنچے۔

۳۔ جس بیمار کو بھوک لگتی ہو۔ اس کی زندگی کی امید باقی ہے۔ اور جس تندرست کو بھوک نہ لگے۔ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔

۴۔ عقلمند وہ ہے جو دوسرے کی طبیعت کا حال جان لے۔

لطیفہ:۔ ایک نقاش نے حکیم انکاس سے کہا۔ کہ دیوار پر سفیدی کرادیجئے۔ تو میں اس پر تصویریں بنادوں۔ حکیم نے جواب دیا۔ آپ تصویریں بناویں میں بعد میں سفیدی پھروا دونگا۔ محبوب عالم

ریگولس

بہت زمانے کا ذکر ہے۔ کہ شہر روم اور کارتھج کے درمیان بہت بڑی لڑائی ہوئی۔ ریگولس روم کی فوج کا ایک بہادر جرنیل تھا۔ اتفاق سے کارتھج والوں نے اُسے گرفتار کرکے قید کر دیا۔ جہاں وہ برابر پانچ سال تک نہایت مصیبت میں رہا۔ مگر اسوقت تک جنگ نہ تھمی۔ آخرکار جب کارتھج والے تنگ آگئے۔ تو اُنھوں نے صلح کی رائے پیش کی۔ ریگولس کو بُلایا گیا اور اس سے کہا۔ "ہم تمہارے شہر سے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ہم اپنے چند آدمی تمہارے ساتھ روانہ کرتے ہیں۔ تم اپنے شہر میں جاؤ اور لوگوں سے صلح کے متعلق کہو۔ اگر صلح ہوگئی تو ہم تم کو آزاد کر دینگے۔ ورنہ تمہیں پھر اسی قید میں آنا ہوگا۔ اگر تم یہاں آنے کا وعدہ کرو تو ہم تمہیں آزاد کر دیں تاکہ تم روم جاؤ۔"

ریگولس نے جوابدیا۔ "ہاں میں واپس آنے کا وعدہ کرتا ہوں۔"

ریگولس ۵ سال تک قید میں رہا تھا۔ کیا وہ آزادی نہ چاہتا تھا؟ مگر اس کو ایک اور چیز عزیز تھی۔ اور وہ وطن تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ اب دشمن ہم سے تنگ آچکے ہیں۔ اس لئے صلح کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہماری فتح ہونیوالی ہے۔ وہ روم کے پھاٹک پر پہنچا۔ مگر اندر نہیں گیا۔ لوگوں اور افسروں کو بُلا کر کہا۔ "پیارے دوستو کارتھج والے ہم سے تنگ آگئے ہیں اور صلح کرنا چاہتے ہیں مگر تم صلح نہ کرنا اور بدستور لڑائی کو جاری رکھنا۔

شہر کے سرداروں نے کہا۔ "مگر آپکا کیا حشر ہوگا؟"

ریگولس نے کہا۔ "تم میری کوئی فکر نہ کرو۔ لیکن روم کی بہتری کا خیال کرو۔ میں چونکہ واپس جانے کا وعدہ کرکے آیا ہوں لہٰذا میں ضرور واپس جاؤنگا چاہے مار ہی دیا جاؤں"

اب روم کے لوگ مجبور تھے۔ لڑائی جاری رہی۔ اور آخرکار روم والے فتحمند ہوئے۔ مگر ریگولس حسب وعدہ وہاں پہنچا۔ اور قتل کر دیا گیا۔ حالانکہ اُسے مرے ہوئے بہت زمانہ ہوا لیکن روم کا بچہ بچہ اب بھی ریگولس کو بڑی عزت سے یاد کرتا ہے۔

بہادر دہقان

قدیم زمانے میں مقام ویرونا واقع ملک سوئٹزرلینڈ کے گرد و نواح میں خوفناک طغیانیاں آیا کرتی تھیں۔ ان طغیانیوں کا باعث یہ تھا کہ کوہ ایلپس پر جو برف پڑتی تھی۔ وہ پگھل کر دریاؤں کی صورت میں میدانوں کا رُخ کرتی تھی۔ آجکل کسان لوگ فالتو پانی کا استعمال جانتے ہیں۔ اس زمانے میں دریا شور مچاتے ہوئے تیزی سے پہاڑوں سے اُترتے تھے۔ اور جو کچھ سامنے آتا تھا بہا لے جاتے تھے۔ ایک دفعہ دریائے ایڈیج کا پُل بہ گیا۔ اور صرف درمیانی حصہ بچ گیا۔ اس حصہ میں محصول کی چوکی تھی۔ محصولیہ اپنے عیال و اطفال کے ہمراہ لکڑی کے مکان میں رہ گیا۔ یہ مکان پانی کے اندر ایک چھوٹا سا جزیرہ معلوم ہوتا تھا۔ اور ہر گھڑی یہی ڈر تھا کہ اب موج آئی اور بہ گیا۔

خاندان کے تمام آدمی کھڑکیوں میں کھڑے چلّا رہے تھے۔ اور مدد کے لئے وحشیانہ حالت میں اشارے کر رہے تھے۔ دریا کے کنارے بہت سے لوگ جمع تھے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اس خاندان کو بچائے۔ مگر طوفانی موجوں کو دیکھ کر کسی کی جُرأت نہ پڑتی تھی۔

کونٹ ویرینی جو اس ضلع کا رئیس تھا اس جگہ آن پہنچا۔ اس نے کہا کہ میں پچاس پونڈ اس شخص کو دُونگا۔ جو اس خاندان کو بچائے۔ لوگ حیران کھڑے دیکھ رہے تھے۔ کسی میں یہ طاقت نہ تھی۔ کہ اس خطرناک کام کا بیڑا اُٹھائے۔

اس وقت ایک اجنبی دہقان اس طرف آنکلا۔ فوراً ایک کشتی میں کُودا اور کشتی اُس مکان کی طرف کھینے لگا۔ پانی کی رو بہت تیز تھی۔ بہادر نے کمال کر دیا۔ اور کشتی اس مکان تک پہنچا دی۔

(باقی آئندہ)

خُدا پرست کا خُون

کہتے ہیں کہ شہر رقعہ میں ایک خدا پرست فقیر تھا۔ جس کا نام دانا دِل تھا۔ وہ ایک دفعہ تنہا پاپیادہ حج کے لئے نکلا۔ راستے میں چوروں کی ایک جماعت نے اسے پکڑ لیا۔ اور مالدار سمجھ کر اس کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ دانا دِل نے چوروں کو سمجھایا اور کہا۔ کہ بھائی میرے پاس دُنیا کے مال سے کوئی چیز اتنی زیادہ نہیں ہے۔ جو مکّہ معظّمہ کے حج تک بھی میرے سفر کے لئے پُوری ہو۔ اور اگر تمہاری مرضی یہ رقم بھی چھین لینے کی ہے۔ تو کچھ مضایقہ نہیں لے لو۔ لیکن میری جان چھوڑ دو۔ تاکہ مَیں خُدا کے بھروسے اور توکل پر تنہا اور زادِ سفر کے بغیر خانہ کعبہ تک پُہنچ جاؤں۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں اپنا سر جُھکاؤں۔

بیرحم چوروں نے اس خُدا پرست کی بات پر کوئی دھیان نہ دیا۔ اور اس کے کپڑے اُتار لئے۔ اور تلوار کھینچکر اسے قتل کرنے لگے۔ دانا دِل حیران ہو گیا اور عاجز ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس وحشتناک جنگل میں اسے کوئی درندہ بھی ایسا نظر نہ آیا۔ جو ان ظالموں سے اس کو چھڑاتا۔ اس نے نا امیدی کی نظر سے آسمان کی طرف دیکھا۔ اتفاقاً کونجوں کا ایک گروہ اس وقت اُڑتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ دانا دل نے ان کو مخاطب کر کے آواز دی۔ "اے کونجو! مَیں اس بیابان میں قاتلوں کے پنجے میں پھنس گیا ہوں اور اس خدا کے سوا جو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ اور کوئی میرے حال سے واقف نہیں۔ تُم میرے خُون کا بدلہ ان ظالموں سے لینا۔

چور ہنسے۔ اور پُوچھا تیرا نام کیا ہے۔

فقیر نے جواب دیا۔ "دانا دِل"

اُنہوں نے کہا۔ تیرے نزدیک تو دانائی چھو نہیں گئی۔ بس ہمیں معلوم ہو گیا کہ تیرے جیسے بے عقل کے قتل کر دینے میں کوئی حرج نہیں فقیر نے کہا۔ اب جو تمہاری خوشی ہے کرو۔ پھر فقیر نے خاک پر سجدے میں سر جھکا لیا اور چوروں نے اس نیک آدمی کا سر کاٹ لیا۔ اور اس کا مال آپس میں تقسیم کر لیا۔ جب اس کے شہر میں اس کے قتل کی خبر پہنچی۔ تو لوگ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور اس کے قاتلوں کی تلاش میں رہنے لگے۔ مُدت کے بعد عید کے دِن شہر کے آدمی عید گاہ میں جمع تھے۔ اور دانا دل کے قاتل بھی اس جگہ ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے اتفاق دیکھئے۔ کہ عین اسی وقت کونجوں کا ایک گروہ اُڑتا ہُوا آیا۔ اور چوروں کے سروں پر سے چیختا ہُوا گزرا۔ اُن چوروں میں سے ایک ہنسا اور تمسخر کے طور پر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا یہ کونجیں دانا دل کا خون مانگتی ہیں۔ اتفاقاً شہر کا ایک نوجوان بھی ان لوگوں کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ اس نے یہ بات سُن لی۔ اور دوسروں کو خبر کر دی اور ان سب چوروں کو گرفتار کر لیا۔ اور حاکمِ شہر کے پاس لے گئے۔ تھوڑی تحقیقات اور سختی کے بعد ان لوگوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ اور خونِ ناحق کے بدلے میں ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔ سچ ہے ظالم کو کبھی نہ کبھی اس کے ظلم کا بدلہ مِل ہی جاتا ہے۔

ابوالاثر حفیظ

لطیفہ

سرائے میں چند مسافر مِل کر کھانا رہے تھے کہ ایک اجنبی شخص آیا اور بغیر پوچھے گچھے کھانے میں شریک ہو گیا۔ مسافروں نے حیران ہو کر اجنبی سے پُوچھا "کیا آپ ہم میں سے کسی کو جانتے ہیں"۔ اجنبی نے جواب دیا۔ "جی نہیں"۔ مسافروں نے کہا۔ "پھر کیا وجہ ہے کہ آپ خواہ مخواہ ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہو گئے"۔ اجنبی (کھانے کی طرف اشارہ کر کے) بولا۔ "میں اس کو خوب جانتا ہوں"۔

اخلاقی حکایت

ایک عظیم الشان بادشاہ نے اپنے ولیعہد کو ملکداری کے آداب اور علم سیکھنے کے لئے ایک لائق اُستاد کے سپرد کیا۔ چند سال کی تعلیم و تربیت کے بعد جب شاہزادہ علم حاصل کر چکا۔ تو بادشاہ نے شاہزادہ کے امتحان کے لئے دربار مقرر فرمانے کا ارادہ کیا۔ اُستاد نے تین دن کی مہلت مانگی۔ یہ درخواست منظور کی گئی۔

اُستاد نے پہلے روز تو شاہزادہ کو شہر سے باہر لے جاکر اپنے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پاپیادہ چند کوس تک دوڑایا۔ اور تھکان سے بیتاب کر کے واپس لایا۔ دوسرے روز تمام دن اپنے سامنے کھڑا رکھا۔ اور شاہزادہ تکلیف میں مبتلا رہا۔ تیسرے روز ہاتھ پاؤں باندھ کر مشکیں کس کر ایک سو کوڑے لگائے۔ اور ایک کوٹھڑی میں بند کر کے اُستاد خود بھاگ گیا۔ بعد میں حال معلوم ہونے پر لوگوں نے شاہزادہ کو کھولا اور کوٹھڑی سے نکالا۔ بادشاہ سخت رنجیدہ ہوا۔ لیکن خاموش رہا۔ اور دربار میں بڑے بڑے فاضلوں کے سامنے شاہزادے کا امتحان لیا۔ ہر ایک علمی، جنگی، ملکی مضمون میں شاہزادہ کو ماہر کامل پایا۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ اُستاد نے تعلیم تو عمدہ دی ہے مگر شاہزادہ کو پیادہ دوڑانے، کھڑا رکھنے مشکیں باندھ کر مارنے اور پھر روپوش ہو جانے کا سبب معلوم نہیں ہو سکا۔ اُستاد کی تلاش کی گئی۔ بہت کوشش کے بعد اُستاد ملا۔ بادشاہ نہایت عزت سے پیش آیا۔ اور شاہزادہ کو تین روز تک مختلف تکلیفیں دینے۔ اور خود بھاگ جانے کا سبب دریافت کیا۔ فاضل اتالیق نے عرض کی۔ کہ شاہزادہ ہر ایک علم اور ہر ایک فن میں مہارت کامل حاصل کر چکا تھا۔ مگر وہ

عضوؤں اور ماتحتوں کی تکلیفوں کا اندازہ کرنا
نہیں جانتا تھا۔ اس کو معلوم نہ تھا۔ کہ جو لوگ
اردل میں پیادہ دوڑتے ہیں۔ یا دربار میں تمام
روز کھڑے رہتے ہیں۔ وہ کسقدر تکلیف اُٹھاتے
ہیں۔ جن مظلوموں کو بید لگواتے جاتے ہیں۔
ہاتھ پاؤں باندھ کر اندھیری کوٹھڑی میں ڈال
دیئے جاتے ہیں۔ اُن کی جانوں پر کیا گزرتی
ہے۔ چونکہ شاہزادہ ایک دِن بادشاہ ہوگا۔ اور
مخلوقِ خُدا کی جان و مال اس کے قبضے میں
ہوگی۔ اس لئے میرا فرض تھا کہ ان باتوں کا بھی
شاہزادہ کو عملی تجربہ حاصل کرانا۔ تاکہ بادشاہ ہوکر
مردم آزاری سے پرہیز کرے۔ بھاگا اس لئے
تھا۔ کہ شاید حضور کو محبت پدری جوش دلاتے
اور مجھ کو تکلیف پہنچاتی جاتے۔ بادشاہ سُن کر
نہایت خوش ہوا۔ اور اُستاد کو انعام و اکرام
سے مالا مال کر دیا۔

محمد عبد الحق چاچڑانی

عجیب ستارہ

مسٹر پلاسکٹ آسٹریلیا کے رہنے والے ہیں
حال ہی میں انہوں نے ایک ستارہ معلوم کیا ہے۔ اس
ستارہ کا نام بھی پلاسکٹ ہی رکھا گیا ہے کیونکہ مسٹر
پلاسکٹ نے اس کو معلوم کیا تھا۔ یہ ستارہ زمین سے
قریباً سوا پانچ کھرب میل دُور ہے۔ اور اگر یہ نزدیک ہوتا
تو ہمیں بہت نقصان پہنچتا۔ اس واسطے اس کا ہم سے
دُور رہنا ہی بہتر ہے۔ جتنے ستارے اور دوسری
چیزیں آسمان پر معلوم ہوتی ہیں۔ یہ اُن سب سے پانچ گنا
بڑا ہے اور سُورج سے ایک سو ساٹھ گنا۔ اسکی روشنی
دس ہزار سال میں دُنیا تک پہنچتی ہے۔ اور یہ روشنی اسقدر
گرم ہوتی ہے۔ کہ اگر یہ مریخ ستارے جتنا قریب آجائے
تو ہم سب گرمی کی تیزی سے جھلس جائیں۔ اس ستارے کے
دو حصے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے سات کروڑ میل کے
فاصلہ پر واقع ہیں۔ اور چودہ دن میں یہ اپنی ہی جگہ پر ایک
پورا چکر لگاتے ہیں۔ ان ستاروں کی کثافت پانی کی
کثافت سے سو حصہ کم ہے۔

امین

فساد کی آگ

ملک روس کے ایک گاؤں میں آوان نام ایک کسان رہتا تھا۔ وہ اپنے گاؤں میں سب سے لائق کاشتکار تھا اور اس کا گذارہ بہت اچھا چلتا تھا۔ اس کے ہاں تین لڑکے تھے۔ سب سے بڑا شادی شدہ تھا۔ منجھلے کی منگنی ہو چکی تھی۔ اور چھوٹا ابھی کاشت کا کام سیکھتا تھا۔ گھر میں صرف ایک آدمی تھا جو اپنی روزی کمانے سے معذور تھا یعنی آوان کا باپ جس کو متواتر سات سال سے دمے کی شکایت تھی۔ گھر میں پڑا رہتا اور کوئی کام نہ کر سکتا تھا۔

آوان کے پاس ہر ایک شے موجود تھی۔ اس کے پاس تین گھوڑے ایک بچھیرا ایک گائے ایک بچھڑا اور پندرہ بکریاں تھیں۔ گھر کی عورتیں کپڑے سی لیتیں جوتے بناتیں اور کھیتوں میں بھی کام کیا کرتی تھیں مرد کاشت کرتے اور ان کا اپنا غلہ تمام سال کے گذارے کے لئے کافی ہوتا۔ اور زمین کا لگان وغیرہ باجرے کی فصل ہی سے ادا ہو جاتا۔ ان تمام آسائشوں پر بھی آوان اور اس کا قبیلہ آرام سے زندگی بسر نہ کر سکتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ ان کے ہمسائے گاروپلا بن آوانوف کا ان سے عناد تھا۔

آوانوف کی زندگی میں دونوں قبیلوں کے درمیان کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اگر عورتوں کو چھلنی وغیرہ کی ضرورت پڑتی تو وہ ایک دوسرے سے مانگ لاتیں۔ اگر ایک کا بچھڑا دوسرے کے کھیت یا کھلواڑے میں جا گھستا تو وہ اسے اس کے گھر پر چھوڑ آتا اور یہ کینہ وری کہ ایک دوسرے کے جانور چرا لینا اور کھیت میں مویشی چھوڑ دینا ان باتوں کا ان کو خیال تک بھی نہ تھا۔

بوڑھے لوگ اس رویہ پر زندگی بسر کرتے رہے مگر جب ان کے لڑکوں کی باری آئی تو قبیلوں کے باہمی تعلقات نے رنگ بدلنا شروع کیا۔

جھگڑا بھی ایک بالکل معمولی بات سے شروع ہُوا۔ آوان کی بہو کے پاس ایک مُرغی تھی۔ جو شروع سال ہی بہت جلد انڈے دینے لگی۔ اور مُرغی کی مالکہ نے ایسٹر کی تعطیلوں کے لئے انڈے جمع کرنے شروع کئے۔ وہ ہر روز جاکر دڑبے سے جو گاڑی خانے میں تھا ایک انڈا اُٹھا لاتی تھی۔ مگر ایک دِن ایسا ہُوا کہ بچّوں نے مُرغی کو انڈا دیتے ہُوتے دبکا دیا۔ اور مُرغی نے باڑ پر سے پھلانگ کر ہمسائے کی زمین پر جا انڈا دیا۔ آوان کی بہو کو اس وقت کچھ ضروری کام تھا اور گو اس نے مُرغی کو کُڑ اکُڑ اکُڑ اکُڑا کرتے سُنا۔ مگر وہ اپنے کام میں لگی رہی اور سوچا کہ رات کو جاکر انڈا اُٹھا لاؤنگی۔

شام کو وہ دڑبے کی طرف گئی مگر وہاں کوئی انڈا نہ تھا۔ اس لئے اس نے اپنے خاوند اور خسر سے دریافت کیا۔ کہ انہوں نے تو کوئی انڈا نہیں اُٹھایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے تو کوئی انڈا نہیں اُٹھایا۔ اس پر ترا سکا اس کا چھوٹا دیور بولا کہ ہاں بھابی جان تمہاری مُرغی گاروِیلا کے گھر انڈا دے آئی ہے میں نے اسے باڑ کے پار کُڑ کُڑ کرتے سُنا تھا۔ اور بعد ازاں وُہ اُڑ کر ہمارے گھر آگئی تھی۔ اس پر وہ اپنے ہمسائے کے گھر پر گئی۔ گاروِیلا کی ماں نے اس سے پُوچھا۔ "یہاں کیسے آنا ہُوا؟" اس پر اُس نے جواب دیا۔ "بی بی، میری مُرغی آج دوپہر کو اِدھر اُڑ آئی تھی۔ اس نے کہیں یہاں انڈا تو نہیں دیا؟" اُس بُڑھیا نے کہا۔ "نا بی بی ہم نے تو کہیں انڈا نہیں دیکھا۔ خُدا کا شکر ہے کہ ہماری اپنی مُرغیاں بہت عرصے سے انڈے دے رہی ہیں۔ ہمارے اپنے ہاں بہت انڈے جمع ہو گئے ہیں۔ اور ہمیں اور لوگوں کے انڈوں کی ضرورت نہیں اور نہ ہم دربدر انڈے اِکٹھے کرتے پھرتے ہیں۔"

اس نوجوان عورت نے اس تختیر آمیز جواب کے

ملنے پر کوئی بے جا بات کہہ ڈالی جس کا جواب
طعنے سے دیا گیا۔ اور وہ دونوں جھگڑنے لگیں۔
اتنے میں آوان کی عورت جو پانی لئے آ رہی تھی۔
وہاں پہنچی اور شریک فساد ہوئی۔ اس پر گارویلا
کی عورت بھی برق کے مانند تڑپ کر گھر سے نکلی
اور گالی گلوچ کی جھڑی لگا دی۔ تب تو فریقین
نے بہت جوش و خروش دکھانا شروع کیا۔ اور
ایک اچھا خاصہ ہنگامہ بپا ہوا۔ وہ سب چیخ چیخ
کر ایک دوسری کو گالیاں دیتی تھیں۔ اور بہت
جد و جہد سے کوشاں تھیں کہ ایک ہی وقت میں
دو گالیاں بک دیں۔ "تم یہ ہو" "تم وہ ہو" "تم
چور ہو" "تم اپنے خسر کو بھوکا مارتی ہو؟" "تم نے
میری چھلنی میں ایک بھاری سوراخ کر دیا" "تم
نے ہماری بہنگی مانگ رکھی ہے۔ لاؤ ہماری
بہنگی ابھی واپس کرو؟" اس پر انہوں نے بہنگی
(جو نزدیک پڑی تھی) کھینچنی شروع کی۔ مشکوں سے
پانی انڈیل دیا۔ ایک دوسرے کے کپڑے اور
بال نوچنے شروع کئے۔ اور ہاتھا پائی ہونے لگی۔
اس اثناء میں گارویلا گھوڑے پر سوار کھیت سے
واپس آیا۔ اور اپنی جورو کی طرفداری کرنے لگا۔ اور
اسی وقت آوان اور اس کا لڑکا بھی گھر سے نکل کر
شریک جنگ ہوئے۔ آوان جو بڑا قوی ہیکل
اور زبردست آدمی تھا۔ سب پر بھاری آیا۔ اور
انہیں بھگانے میں کامیاب ہوا۔ یہی نہیں
بلکہ اس نے گارویلا کی داڑھی پر بھی ہاتھ صاف
کیا۔ اور اچھے خاصے مٹھی بھر بال نوچ لئے۔
لوگوں کا ایک بھاری مجمع ان کے گرد جمع
ہو گیا۔ اور انہوں نے بمشکل تمام ان جنگجو
پڑوسیوں کو علیحدہ کیا۔

یہ ان کے فساد کی بنیاد تھی۔ گارویلا نے
اپنی داڑھی کے کھسوٹے ہوئے بال ایک
اخبار کے ورق میں باندھ لئے اور گھوڑے
پر سوار ہو کچہری میں جا کر آوان پر نالش کر دی۔

گوردیال سنگھ

شالامار باغ

زینتِ لاہور باغِ شالامار
اپنے زرّیں عہد کی ہے یادگار

خسروِ ہندوستاں شاہ جہاں
مغلِ اعظم غازی و صاحب قراں

بس وہی بانی تھا اس گلزار کا
آگرے کا تاج ہے جس کی بنا

دیکھ کر اس باغ کے نقش و نگار
دیکھ کر اس کے درختوں کی قطار

دیکھ کر اس کے چراغاں کی بہار
ہے درخشاں جن سے شانِ کردگار

اس کے گل بوٹوں کی رنگت دیکھ کر
اس کا فرش اس کی عمارت دیکھ کر

اس کی شادابی کی حالت دیکھ کر
اس کی سیرابی کی صورت دیکھ کر

تین طبقے اس کے یکساں دیکھ کر
انتہائے عقلِ انساں دیکھ کر

یاد آجاتا ہے اسلامی سماں
ہائے اس کی وہ بہاریں اب کہاں

گو یہاں پانی کی نہریں اب بھی ہیں
کوئی پوچھے کیا وہ لہریں اب بھی ہیں؟

سر پٹکتے ہیں اب اس کے آبشار
یادِ شاہنشاہ میں ہیں سوگوار

اب ہے پھولوں کی ہنسی جھوٹی ہنسی
وہ بھی کچھ یونہی براستے دِل لگی

اب کہاں وہ بلبلوں کے چہچہے
اب کہاں شہزادیوں کے قہقہے

وہ رنگیلے اور وہ ہریالے گئے
یعنی اس کے دیکھنے والے گئے

ہے بنا قائم مگر بانی نہیں
حوض باقی ہے مگر پانی نہیں

ماتمی ہے باغ شاہنشاہ کا
نام رہتا ہے سدا اللہ کا (ابوالاثر حفیظ)
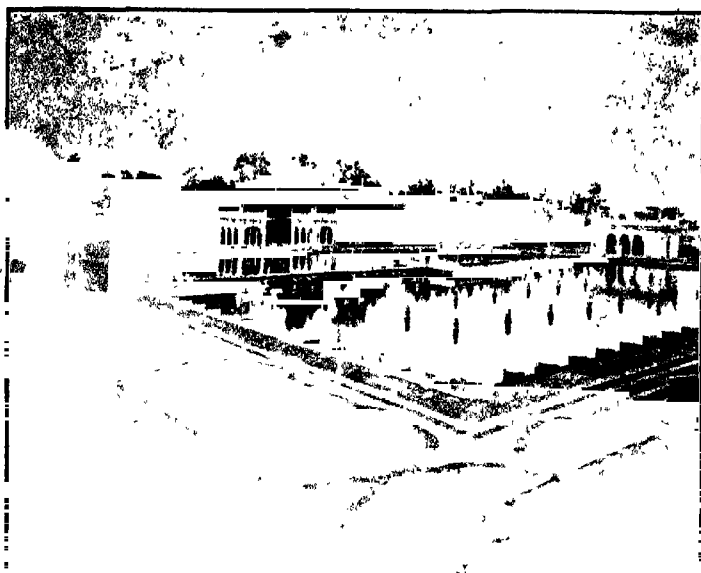
Title printed at the Victoria Press, Ry Road, Lahore.

قیمت سالانہ:- پانچ روپے رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ قیمت ششماہی ۳ عہ فی پرچہ ۲ر

نونہال

آنریری ایڈیٹر:- حکیم احمد شجاع بی-اے (علیگ)

ایڈیٹرز:- ابوالاثر حفیظ جالندھری محمد اسمعیل نعیم

جلد (۴) نمبر (۱۳)

فہرست مضامین بابت ۱۸ اپریل ۱۹۲۴ء

روشنی پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ [illegible] پروپرائیٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے محمد اسمعیل [illegible] پبلشر نے چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا

ب

خریدارانِ نونہال کو خاص رعایت

جو خریدار، دس خریدار اور دے اس کو ایک سال کے لئے نونہال مُفت ملیگا۔

جو خریدار، چھ خریدار اور دے اس کو چھ ماہ کے لئے نونہال مُفت ملیگا۔

تین خریدار دینے والے کو کتاب جنگ فرنگ مُفت بھیجی جائیگی۔

ذیل کی خانہ پُری کر کے اتنا کاغذ پھاڑ کر ہمارے دفتر میں بھیجدو۔ آپ کو زر، داد۔ شہر شہری اور شہرت اور نعیم جیسی یہ تینوں کتابیں محصولڈاک کے بغیر وی پی کر دی جائینگی۔

نمبر خریداری نونہال یا ہزار داستان

نام اور پتہ

دلچسپ کتابیں

حجاب زندگی ۔نہایت دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ مصنفہ عابدعلی عابد بی اے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲/

جنگ فرنگ مصنفہ حکیم احمد شجاع قیمت ۔ ۔ ۸/

سدا بہار کے پھول ۔دلچسپ دلکش دلنواز اخلاقی مجلسی اور تاریخی کہانیوں کا مجموعہ مصنفہ سدرشن ۱۲/

بیگناہ مجرم نہایت پاکیزہ مذاق کا اخلاقی مجلسی اور ادبی ناول ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

صبح وطن بارہ قومی اور ملکی کہانیوں کا بیشقیمت مجموعہ ۔ ۔ ۔ عہ/

اما ۔(ایک بنگالی ڈرامے کا ترجمہ) از جناب عابد علی عابد بی اے ۱۰/

چندن پندرہ دلکش اور سبق آموز کہانیاں مصنفہ سدرشن مجلد سنہری عہ/

منگانے کا پتہ۔ دفتر رسالہ نونہال چیمبرلین روڈ لاہور

قسمت آزمائی کا عجیب و غریب آلہ

بلانچٹ یعنی بے تار کے تار رسانی جرمنی کی نئی ایجاد جسکی مدد سے بچہ ۔ بوڑھا ۔ عورت ۔ مرد غرضکہ ہر کوئی بلا دقت کے نہ صرف اپنے مرحوم عزیزوں کی روحوں سے ہی بات چیت کر سکتا ہے بلکہ دوسری غیر متبرک روحوں کو بلا کر ان سے ملک عدم کی خبریں بھی پوچھ سکتا ہے۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ تختہ بلانچٹ کے کاغذ پر روحیں خود بخود اپنا حال لکھ جائینگی۔ نہایت ہی کارآمد چیز ہے ضرور منگوا کر دیکھیں۔ قیمت صرف معہ محصولڈاک چار روپے آٹھ آنہ (للعہ) +

جیبی پریس یہ نہایت ہی کارآمد چیز ہے اس سے جو چاہو چھاپ لو۔ قیمت صرف معہ محصولڈاک تین روپے آٹھ آنہ (سے) +

انگلش ٹیچر اگر آپ گھر بیٹھے انگریزی لکھنا پڑھنا چاہتے ہوں۔ تو ضرور منگوا کر پڑھیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ (للعہ) +

ملنے کا پتہ

مہرشی اینڈ کو بک ڈپو سعدی مل سٹریٹ لاہور

سونے والو جاگو

جاگو سونے والو جاگو
جاگے عبادت کرنے والے
باغ میں چڑیاں بول رہی ہیں
پھول خوشی سے جھوم رہے ہیں
جاگ اُٹھے دریا اور نہریں
ناؤ چلانے والے جاگے
کوے کالے کالے جاگے
مال خزانے والے جاگے
کاروباری جاگ اُٹھے ہیں
بنئے اور حلوائی جاگے
منڈی کے مزدور بھی جاگے
بولی بولنے والے جاگے
ساری دنیا جاگ رہی ہے
لکھنے پڑھنے والو جاگو
مُنہ دھو دھا کر ناشتہ کھاؤ
صبح کا سونا خوب نہیں ہے
جاگو سونے والو جاگو

وقت کے کھونے والو جاگو
سجدوں میں سر دھرنے والے
کلیاں آنکھیں کھول رہی ہیں
پتّوں کا مُنہ چوم رہے ہیں
جاگ اُٹھیں موجیں اور لہریں
پار لگانے والے جاگے
سب کو جگانے والے جاگے
دفتر جانے والے جاگے
سب بیوپاری جاگ اُٹھے ہیں
بابو جاگے نائی جاگے
دوڑ رہے ہیں پیچھے آگے
سودا تولنے والے جاگے
کام کی جانب بھاگ رہی ہے
چھوٹے بڑھنے والو جاگو
بستہ باندھ مدرسے جاؤ
اچھا یہ اسلوب نہیں ہے
وقت کو کھونے والو جاگو (ابوالاثر حفیظ)

ریل کا انجن کس نے بنایا

سٹیفنسن جس نے ریل کا انجن بنایا ہے۔
حد سے زیادہ غریب ماں باپ کا بیٹا تھا۔ اس
کے والدین میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اپنے
بچوں کو کسی مدرسے میں پڑھنے کے لئے بھیج
سکیں۔

سٹیفنسن اپنے لڑکپن میں بھیڑ بکریاں چراتا
رہا۔ اور پھر کسی اور روزگار کی تلاش میں چل نکلا۔
اور ایک انجن پر پہرہ دینے کی نوکری کر لی۔ یہ
انجن ایک کان سے پانی نکالنے کے کام آتا تھا۔
اس وقت سٹیفنسن اپنے دل میں خوش تھا کیونکہ
موجودہ آمدنی اس آمدنی سے کئی گنا زیادہ تھی جو
وہ بھیڑ بکریاں چرا کر پیدا کرتا تھا۔

سٹیفنسن کے پاس ایک کتّا تھا۔ جو اس کا
کام نوکروں کی طرح کیا کرتا تھا۔ یہ اس کے گلے
میں پیسے باندھ دیتا۔ کتّا نانبائی کی دکان پر جاتا
تھا۔ نانبائی پیسے کھول کر ان کی جگہ روٹی باندھ دیتا
تھا۔ اور کتّا روٹی لیکر سٹیفنسن کے پاس واپس آجاتا
تھا۔ اس طرح وہ کان پر کئی دن تک انجن کی
پہرے داری کرتا رہا۔ جب چھٹّی کے دن اس کے
ساتھی سیر سپاٹے یا کھیل کود کے لئے چلے جاتے
تو سٹیفنسن انجن کے پاس بیٹھ جاتا تھا۔ اس کا کتّا
روٹی لاتا، روٹی کھا کر خدا کا شکر بجا لانے کے بعد
انجن کے پرزوں کو کھولتا۔ اور پھر جوڑتا تھا۔
آخرکار ایک دن اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا
کہ جبتک انسان لکھنا پڑھنا اور حساب نہ سیکھے
اُس وقت تک کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ـــ ۵

ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجّاری نہ معماری

اس کے دل میں خیال آنے کی دیر تھی کہ وہ
اسے پورا کرنے کے لئے مستعد ہو گیا اور جھٹ پٹ

رات کے ایک مدرسے میں جا داخل ہُوا۔ اور الف بے پڑھنی شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں بہت ترقی کر لی۔

انجن کے پاس ہی گاڑی کھڑی تھی چاک لے کر اسی پر لکھتا اور مٹا دیتا تھا۔ ایک دن انجن اپنے کام میں مصروف تھا کہ ایک آدمی بے تحاشا بھاگا ہُوا آیا۔ اور کہنے لگا۔ کوئلہ کی کان پانی سے بھر گئی ہے۔ اور تم کو مالک نے بُلایا ہے۔

سٹیفنسن اس کے ساتھ گیا تو دیکھا کہ انجن خراب ہو گیا ہے۔ اور کان پانی سے بھری ہُوئی ہے۔ مالک سٹیفنسن سے مخاطب ہو کر پُوچھا۔ "کیا تم انجن کو درست کر لو گے۔" سٹیفنسن بہت حیران ہُوا۔ مگر اُس نے فوراً جواب دیا۔ جی ہاں اُمید تو ہے کہ میں کر سکونگا۔

مالک نے کہا۔ "دیکھو، میں نے تم کو انجن کے پُرزے کھولتے جوڑتے دیکھا تھا۔ اور اسی لئے میں نے خیال کیا ہے۔ کہ شاید تُم اسے درست کر سکو۔ دوسرے مستری تو اس وقت انکار کرتے ہیں۔ اور کان پانی سے بھر رہی ہے۔ کیا تم درست کر سکو گے؟

سٹیفنسن۔ جناب میں کوشش کرونگا۔

مالک۔ میں تمہیں موقع دیتا ہوں۔ پانی زیادہ ہے۔ ہم تو اندر بھی نہیں جا سکتے۔

سٹیفنسن کان میں داخل ہُوا۔ اور انجن کو درست کرنے لگا۔ اور اس کام میں تین دن گزر گئے۔ اس کے اردگرد پانی ہی پانی تھا۔ اس کا کُنبہ اس کو روٹی پہنچاتا رہا۔ تیسرے دن کام ختم ہو گیا۔ تو مالک اور دوسرے مستری دُور سے اس کا کام دیکھنے لگے۔ انجن نے بھپ بھپ کرنا شروع کیا۔ دوسرے لوگ جو اس سے حسد کرنے لگے تھے ہنسنے اور ٹھٹھا اُڑانے لگے۔ اور کہنے لگے۔ انجن درست نہیں ہُوا۔ اس کے تو شور ہی سے کان گر جائیگی۔ سٹیفنسن چپ چاپ کھڑا رہا۔ تھوڑے عرصے کے بعد انجن کا شور بند ہو گیا۔ اور انجن

پانی نکالنے لگا۔ اور بہت جلد تمام پانی نکال دیا اور
کان تباہ ہونے سے بچ گئی۔

اس کی خوب تعریف ہوئی۔ تھوڑا بہت انعام
بھی ملا۔ اب اس نے سوچا کہ کوئی انجن ایسا بنانا
چاہیئے۔ جو ایک جگہ سے دوسری جگہ مال لیجائے
خیال پیدا ہوتے ہی اُس نے کام کرنا شروع
کر دیا۔ اور چند دنوں میں ایک نمونہ تیار کر لیا مگر
اس نمونے میں یہ نقص تھا کہ وہ جس وقت چلتا
تھا بہت شور و غل مچاتا تھا اور گابھن بھینسیں
ڈر جاتی تھیں۔

سٹیفنسن نے اس نقص کو دور کرنے
کی کوشش شروع کی۔ لوگ اس کی ہنسی اُڑاتے
تھے۔ اور کہتے تھے کسی دن یہ انجن بھپ سے
اُڑ جائیگا۔ مگر وہ نا امید نہیں ہوا۔

سٹیفنسن کے علاوہ دو تین اور آدمی بھی
اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ لیکن جس وقت
مسٹر پیس کو انجن کی ضرورت پڑی۔ تو اس نے
سٹیفنسن کو خط لکھا۔ اور اسے ملازم رکھ لیا۔

اس نے مسٹر پیس کو مشورہ دیا۔ کہ انجن کو
گاڑیاں کھینچنے کے کام میں لگانا چاہیئے۔ مسٹر پیس
مان گئے۔ مگر بھاپ کا انجن چلانے کے لئے
پارلیمنٹ کی منظوری درکار تھی۔ اور جب معاملہ
پارلیمنٹ میں پیش ہوا تو اسپر کئی اعتراض کئے گئے۔

ایک نے کہا۔ "سوچو تو سہی جب انجن چلیگا۔ تو
بہت شور و غل مچائیگا۔ جس کی وجہ سے مُرغیاں
انڈے نہیں دینگی۔ اس کا کیا علاج۔

دوسرے نے کہا۔ یہ انجن دس بارہ میل
فی گھنٹے کی رفتار سے چلیگا۔ اور اس کے آگے
لائن پر کوئی گائے آگئی تو پھر۔

لیکن آخرکار پارلیمنٹ مان گئی تین چار انجنوں
کو آزمایا گیا۔ اور سٹیفنسن کا انجن سب سے اچھا
نکلا۔ اور سٹیفنسن بڑا آدمی ہو گیا۔ اس کا نمونہ آجتک
ولایت میں موجود ہے۔

وہ یہ کہا کرتا تھا کہ یہ سب استقلال کا نتیجہ ہے۔

دارا

(۱)

بہت زمانہ ہوا کہ فارس میں ایک غریب گڈریا رہا کرتا تھا۔ جس کا نام دارا تھا۔ وہ نہایت دیانتدار اور محنتی تھا بیچارہ صبح کو بھیڑیں چرانے کے لئے لیجاتا۔ اور شام کو واپس آیا کرتا۔ بھیڑیں چرانے میں اتنا ہی خوش تھا۔ جتنا کہ ایک بادشاہ کسی ملک پر حکومت کرنے سے خوش ہو سکتا ہے۔ انہیں دنوں فارس میں ایک بہت نیک بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کی سلطنت میں ہر شخص اپنے اپنے کاموں میں خوش تھا۔ جب اس نے دارا کا نام سُنا تو ایک چھوٹی سی جاگیر اسے دیدی۔

(۲)

دارا اب ایک چھوٹی سی سلطنت کا حکمران تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی گزشتہ حالت کو نہ بھولا۔ وہ اتنا ہی سادہ مزاج تھا جیسا کہ پہلے تھا۔ اسے اپنی اس جاگیر پر بالکل غرور نہ تھا۔ بلکہ وہ اپنی اس پرانی لاٹھی کو دیکھ کر جس سے وہ اپنی بھیڑیں چرایا کرتا تھا۔ بہت خوش ہوتا تھا۔ مگر اسکے حاسدوں کو یہ بہت بُرا معلوم ہوتا۔ کہ ایک غریب آدمی ان پر اس طرح سے حکومت کرے۔ اور اس لئے وہ دارا کی ترقیوں کو دشمنی کی نظر سے دیکھنے لگے۔ اور تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ کے پاس جاکر کہا۔ کہ دارا کی جاگیر باوجود اس کے کہ روز بروز ترقی پر ہے۔ اور بہت زیادہ پیداوار ہونے لگی ہے۔ مگر پھر بھی وہ محصول کم دیکر کچھ سرکاری روپیہ خود رکھ لیتا ہے۔ اس کے ثبوت میں اُنہوں نے دارا کے اس صندوق کا تذکرہ کیا۔ جسے وہ ہمیشہ اپنے ساتھ اُونٹ پر رکھا کرتا تھا بادشاہ نے جب ان سے پُوچھا کہ اس میں کیا ہے۔ تو اُنہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ وہ اپنا صندوق کسی کے سامنے کبھی نہیں کھولتا۔ اور جب رات کو کسی جگہ موقع پاکر وہ اسے کھولتا

ہے۔ تو وہاں ایک روشنی سی پھیل جاتی ہے۔
جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس میں قیمتی
جواہرات ہونگے۔

(۳)

بادشاہ یہ سُنکر بہت فکرمند ہُوا۔ اور فوراً دارا
کی جاگیر کی طرف روانہ ہُوا۔ وہاں پہنچکر اس نے
ایک خیمے کے پاس دارا کے اُس اُونٹ کو دیکھا
جس پر لوہے کا ایک وزنی صندوق رکھا ہُوا
تھا۔ اور اُس نے خیال کیا۔ کہ یقیناً اس
میں وہی روپیہ ہے۔ جو دارا نے سرکاری محصول
بچا بچا کر جمع کیا ہے۔ اور جس کے متعلق اس نے
لوگوں سے سُنا تھا۔ چنانچہ اس نے دارا سے
پُوچھا کہ "اس صندوق میں کیا ہے؟"
دارا نے فوراً صندوق کھول کر دکھا دیا۔ مگر
اس میں اس کی پھٹی ہوئی پُرانی گُدڑی تھی جسے
وہ جاگیر پانے سے پہلے پہنکر بھیڑیں چرایا کرتا
تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیرت سے ایک دوسرے کا
مُنہ تکنے لگے۔ اور حاسدوں کا مُنہ فق ہوگیا۔

(۴)

دارا نے بادشاہ سے دست بستہ عرض
کیا۔ "حضور میں نے آپ کی امانت کو نہایت
دیانتداری کے ساتھ رکھا ہے۔ مجھے جب کبھی
اپنی اس عزت کا خیال آتا ہے۔ تو میں اپنی
اس پھٹی ہُوئی گُدڑی کو دیکھ لیا کرتا ہوں کہ مجھ
میں کسی قسم کا غرور نہ پیدا ہو۔ اور میں اپنے
آپ کو اپنے دوسرے غریب بھائیوں سے
بڑا نہ جانوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میں اپنی اس
گدڑی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔"
بادشاہ نے دارا کی ایمانداری سے خوش
ہوکر اُسے دو صوبے اَور سپرد کر دِئے۔ اور
کہا۔ "مجھے فخر ہے کہ تم جیسے دیانتدار اور
نیک میری سلطنت میں رہتے ہیں۔"

شیام کشور

فساد کی آگ

(سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۱۶۷)

گاروبلا کہتا تھا "میں نے اس لئے تو داڑھی نہ رکھی تھی۔ کہ شیطان آوآن اسے اُکھاڑ ڈالے۔" اور اس کی بیوی ہمسائے کی عورتوں سے کہا کرتی تھی۔ کہ "اب جلد ہی آوآن قید ہو کر سائبیریا منتقل کر دیا جائیگا۔" اسی صورت پر یہ جھگڑا قائم رہا۔ آوآن کے باپ نے اپنے بیٹے پوتوں کو سمجھایا کہ وہ اس جھگڑے سے باز رہیں۔ اس نے کہا "صرف ایک انڈے کے کھوئے جانے پر تم نے یہ تمام فساد کھڑا کیا ہے۔ کسی بچے نے انڈا اُٹھا لیا ہوگا! خُدا نے ہمیں بہتیرا دیا ہے! اور اگر تم لڑے ہو تو اب جاکر معافی مانگ لو۔ اگر تم اسی طرح کینہ وری کرتے رہے تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔" مگر اس کی کسی نے بھی نہ سُنی۔ اور سمجھے کہ بُوڑھا اب سٹھیا گیا ہے۔ اور جو کچھ یہ کہتا ہے بالکل لغو ہے۔ آوآن نے اپنے ہمسائے سے معافی مانگنے میں اپنی بے حرمتی سمجھی۔ اگر کوئی پُوچھتا تو وہ کہتا کہ "میں نے تو گاروبلا کی داڑھی نہیں نوچی اُس نے خود اپنے بال نوچ لئے۔ اور دیکھو تو اس کے لڑکے نے میری قمیص پھاڑ ڈالی ہے۔ اور میرے تمام بٹن گم ہو گئے ہیں۔"

آوآن نے گاروبلا کے خلاف مقدمہ چلایا۔ ان دونوں کے مقدمے ابھی دائر ہی تھے کہ گاروبلا کی گاڑی کے دُھرے کی میخ گم ہو گئی۔ اس کے گھر کی عورتوں نے آوآن کے سر اسے چُرانے کا الزام تھوپا۔ اُنہوں نے قسمیں کھا کر کہا ہم نے اسے میخ اکھاڑتے دیکھا ہے۔ اور ہمسائے کی ایک عورت نے کہا "میں نے آوآن کے لڑکے کو رات کے وقت ہوٹل میں مالک ہوٹل کے ہاتھ

میخ گڑوی بہکتے دیکھا ہے"

اب اس بناء پر ایک اور مقدمہ چلایا گیا۔

دونوں ہمسایوں کے درمیان ایک دن بھی بغیر جھگڑے کے نہ گزرتا تھا کبھی سخت کلامی کبھی ہاتھا پائی! ان کے بچے بھی ایک دوسرے کو منہ چڑاتے اور لڑائی جھگڑے میں اپنے بڑوں کی تقلید کرتے تھے۔ جب کبھی ان کی عورتیں جوہڑ پر اکٹھی ہوجاتیں تو بجائے کپڑے دھونے کے ایک دوسری کو طعنے دیا کرتیں۔

شروع شروع میں تو وہ صرف ایکدوسرے کی بدنامی کیا کرتے۔ اور آپس میں بدکلامی سے پیش آتے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ ایک دوسرے کی چیزیں بھی چرانے لگے۔ ذرا بھی کسی کی کوئی شے آنکھ سے اوجھل ہوئی۔ فوراً گم ہوگئی۔ انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی ایسی ہی ترغیب دی۔ اور ان کی زندگی کے آرام و آسائش رنج و غم سے بدل گئے۔ آوان اور گاروبلا ایک دوسرے کے خلاف ہمیشہ مقدمے دائر رکھتے تھے حتیٰ کہ تمام جج ان کے ناموں سے نفرت کرنے لگے۔ آج گاروبلا نے آوان کو جرمانہ کرایا تو کل آوان نے گاروبلا کو قید ڈلوادیا۔ جتنا فساد بڑھتا تھا اتنا ہی دونوں طیش میں آتے تھے۔

"کتے جب آپس میں لڑنے لگیں۔ تو ان کا جوشِ دیوانگی بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اگر تم ایک کو مارو تو وہ اس خیال میں کہ اسے دوسرے کتے نے کاٹا ہے۔ برق کی تیزی سے اس پر ٹوٹ پڑیگا۔ یہی حال ان کسانوں کا تھا۔ جس قدر وہ ایک دوسرے کو سزا دلواتے اسی قدر ان کے غضب کی آگ زیادہ بھڑکتی۔ جب ایک کو قید ملتی تو وہ دوسرے سے کہتا" ذرا صبر کرو۔ تمہارا ہی کوڑا ہوگا، اور تمہاری ہی چمڑی"۔

متواتر چھ سال تک یہی حال رہا۔ صرف وہ بوڑھا (آوان کا باپ) اپنے لڑکے سے کہتا "بیٹا یہ تم کیا کررہے ہو تم اپنا کام چھوڑ کر کیوں کسی سے

جھگڑتے جاتے ہو۔ اپنے دشمنوں کی تمام حرکات بھول جاؤ۔ اور اس میں تمہیں آرام ملیگا۔ اگر تم زیادہ حسد کرتے جاؤگے تو سخت نقصان اُٹھاؤگے۔ مگر کوئی اس کی نہ سنتا تھا۔

اس فساد کے ساتویں سال اس بنا پر جھگڑا ہُوا کہ آوان کی بہو نے ایک شادی کی تقریب پر تمام لوگوں کے روبرو گارویلا کی ہتک کی۔ اس نے بیان کیا کہ گارویلا کے گھر سے چرائے ہوئے گھوڑے برآمد ہوئے ہیں۔ اس پر گارویلا کو جو شراب کے نشہ میں مخمور تھا طیش آگیا اور اس نے آوان کی بہو کو جو ان دنوں حاملہ تھی ایک ایسی ضرب لگائی کہ وہ ایک ہفتہ تک سخت بیمار رہی آوان اس حادثہ سے بہت خوش ہُوا اور جھٹ ڈاکٹر کا معائنہ کرا کر سارٹیفکیٹ حاصل کر لیا۔ اس نے سوچا کہ اب کے تو میں ضرور گارویلا کو سائبیریا میں بھجوادونگا۔ مگر اس کا یہ خیال خام ثابت ہُوا کیونکہ جج نے اس کے بیانات کو باور نہ کر کے

مقدمہ خارج کر دیا۔ تب تو آوان نے ہائیکورٹ میں عرضی گزرانی۔ عرضی منظور ہو گئی۔ مگر عورت پر ضرب کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس لئے کاغذات ڈسٹرکٹ جج کے پاس بھیج دئے گئے۔ یہاں آوان کی بات کا عدالت کو یقین نہ تھا لیکن آوان نے اسسٹنٹ کمشنر اور ایک کلرک کو چھ سات بوتلیں شراب کی پلائیں۔ اور اپنا کام نکال لیا۔ گارویلا کو کلرک نے یہ فیصلہ سنایا کہ "عدالت فیصلہ کرتی ہے۔ کہ گارویلا کسان کو ۲۰ کوڑے لگائے جائیں۔" آوان نے بھی فیصلہ سُنکر گارویلا کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بالکل نیلا پیلا تھا۔ گارویلا مُڑ کر عدالت سے باہر نکل آیا۔ اور آوان بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب آوان گھوڑے پر بیٹھنے لگا۔ تو اس نے گارویلا کو یہ کہتے سُنا "اب تو یہ مجھے کوڑے لگوائیگا! میری پیٹھ پر جلن تو ہوگی مگر دیکھنا اس کا بھی وہ سب کچھ جلیگا جو اسے نہایت عزیز ہے۔"

یہ سُنکر آوان جھٹ جیوری کے سامنے گیا۔ اور کہا۔ "حضور وہ میرے گھر کو آگ لگانے پر آمادہ ہے۔ مَیں نے ابھی اسے یہ کہتے سُنا ہے۔"

اس پر گاروِیلا پھر کورٹ میں بُلایا گیا۔

جج:۔ "کیا تم نے واقعی یہ لفظ کہے۔"

گاروِیلا:۔ "حضور نہیں۔ آپ مجھے شوق سے کوڑے لگائیں۔ کیونکہ یہاں میرا انصاف نہیں ہوتا۔ اور آوان مجھ غریب پر غضب ڈھاتا ہے۔"

وہ اور کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی زبان نے یارا نہ دیا۔ اور اس کے لب کانپنے لگے۔ اس نے دیوار کی طرف مُنہ پھیر لیا۔ اور تمام جیوری کو خدشہ پیدا ہُوا۔ کہ واقعی یہ اپنے ہمسایہ پر یا اپنی جان پر کوئی نہ کوئی ستم ڈھائیگا۔

ایک بُوڑھا جج بھی جیوری میں بیٹھا تھا۔ اس نے انہیں راہِ راست پر لانے کے لئے یوں تقریر شروع کی۔ "دوستو! میرے خیال میں تم دونوں کو لازم ہے۔ کہ آپس میں صلح کر لو۔ اور گاروِیلا کو مخاطب کر کے کہا۔ "بھائی کیا یہ تمہیں لازم تھا کہ ایک حاملہ عورت پر دست درازی کرو؟ خُدا کا شکر ہے کہ کوئی غیر معمولی نقصان نہیں ہُوا۔ ورنہ تُم خون کے مجرم ٹھیرتے۔ تُمہیں چاہیے۔ کہ اپنے قصور کا اقرار کرو۔ اور آوان سے معافی مانگو۔ ایسا کرنے پر ہم تمہاری سزا معاف کر دینگے۔"

کلرک نے جب یہ بات سُنی تو بول اُٹھا۔ چونکہ بموجب قانون فریقین نے عدالت کا فیصلہ سُننے سے پہلے صلح نہیں کی۔ اس لئے سزا معاف ہونا غیر ممکن ہوگا۔ مگر جج نے اس کی بات کا کوئی خیال نہ کیا۔ اور کہا۔ دُنیا کے سب قانون قانونِ قدرت کے آگے بے حقیقت ہیں۔ خدائے پاک کا قانون یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک شخص دوسرے کو بھائی سمجھے۔ (باقی پھر)

گوردیال سنگھ

کیا آپ نے نونہال کا کوئی تازہ خریدار دیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السّلام

حضرت ابراہیم علیہ السّلام بہت بڑے پیغمبر گزرے ہیں۔ آپ نمرود کے زمانے میں جو بڑا ظالم اور جابر بادشاہ تھا پیدا ہوئے تھے۔ اُس وقت جبکہ ہر طرف ظلم اور بُت پرستی کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ لوگ خدا کا نام نہ جانتے تھے۔ ایک ایسی عظیم الشان ہستی کا پیدا ہونا کالی بدلی سے چاند کا نکلنا تھا جس نے ساری دُنیا کو روشن کر دیا۔

آپ کے والد کا نام آذر تھا۔ نمرود کے درباریوں میں سے تھے۔ جب یہ پیدا ہوئے۔ تو آذر کے گھر خوشی میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ اس نے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کی۔ اور بڑے بڑے نجومیوں کو بھی بُلایا۔ ہر ایک شخص آپ کو پیار کرتا تھا۔ کیونکہ آپ کی شکل خوبصورت اور بھولی بھالی تھی۔ آخر شام کو مجلس برخاست ہوئی۔ اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس رات نجومیوں کو معلوم ہوا کہ آسمان پر ایک دُمدار ستارہ ظاہر ہوا ہے۔ اور چار روشن ستاروں کو نگل گیا ہے انہوں نے دم دار ستارہ "حضرت ابراہیم علیہ السّلام بن آذر کو تعبیر کیا۔ اور چار روشن ستارے نمرود کو خیال کیا۔ صبح کو انہوں نے نمرود کے دربار میں جا کر اس سے سب ماجرا کہہ سُنایا۔ اور کہا کہ یہ لڑکا بڑا اقبالمند ہوگا۔ اور بڑا ہو کر تمہاری سلطنت کو نقصان پُہنچائیگا۔" آذر کو بھی یہ ماجرا معلوم ہو گیا۔ انہوں نے ابراہیمؑ کو اور آپ کی والدہ ماجدہ اور ایک لونڈی کو جنگل کی طرف غار میں رہنے کے لئے بھیج دیا۔ اور ادھر اپنے غلام کے لڑکے کو جو ابراہیم کا ہم عمر تھا۔ نمرود کے پاس اپنا بیٹا بنا کر بھیجدیا ظالم کو ظلم کرتے وقت کیا دیر لگتی ہے۔ اسی وقت بے درد نے بچے کو اپنی آنکھوں کے سامنے تلوار کے گھاٹ

ہی بنا دیا اور سمجھا کہ میں نے آذر کے لڑکے کا کام تمام کر دیا ہے۔ مگر خدا نے اپنے حبیب کو بچانا تھا بچا لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام تقریباً بارہ برس تک اسی غار میں رہے اور اس عمر کے درمیان غار سے کبھی باہر نہ نکلے۔ آخر بارہ برس کے بعد باہر تشریف لائے۔ اس وقت تارے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ اور بھولے بھٹکے مسافر کو رستے کا کام دیتے تھے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر کہا "یہی خدا ہیں!" تھوڑی دیر بعد چاند نکلا۔ آپ نے اس کو دیکھا اور کہا "یہی خدا ہے! جس نے تاروں کو بھی پھیکا کر دیا!"

صبح ہوئی۔ سورج اپنا سنہری تاج پہنے کرنوں کا نیزہ ہاتھ میں لئے ظاہر ہوا۔ اس کے نکلتے ہی چاند بھی ماند پڑ گیا۔ اور اس کے سامنے تمام روشنی والی چیزیں گم ہو گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ نے بھولے پن سے کہا۔ یقیناً یہی خدا ہے جس نے سب روشن چیزوں کو مات کر دیا۔

جب شام ہوئی تو سورج بھی غروب ہو گیا۔

جب آپ نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا "نہیں! نہیں! یہ تو خدا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جو خود ہی فنا ہو رہا ہے۔ میرا خدا! وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ ان سب کو پیدا کرنے والا ہے۔ میں اسی کی عبادت کرونگا۔ وہی میرا خدا ہے۔ وہی میرا خدا ہے!"

کچھ عرصے بعد آپ گھر تشریف لائے۔ ایک کمرہ میں بارہ بت رکھے ہوئے تھے۔ والد سے فرمایا۔ "ابّا جان! یہ مٹی کی چیزیں کیا ہیں؟" اس نے جواب دیا۔ "بیٹا! یہ ہمارے خدا ہیں۔ ہم انہیں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ ان سب میں سے بڑا خدا نمرود ہے!" آپ نے جب یہ سنا تو فرمایا "ابّا جان! یہ ہمارے خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان کو تو ہم نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ یاد رکھئے! خدا وہی ایک ہے۔ جس نے سب چیزوں کو پیدا کیا۔ اسی سے اپنی مرادیں مانگا کیجئے۔ وہی حاجت روا ہے اور وہی سب کا داتا۔ اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

اور سب معبود جھوٹے ہیں۔ اور وہی خدا سچا ہے۔
اُسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ بھلا مٹی کے بُت
کیا کر سکتے ہیں۔ یہ تو اپنے مُنہ پر سے مکھی بھی نہیں
ہٹا سکتے۔ دوسروں کی مدد کرنے کا تو کیا کہنا!"

آذر نے کہا۔ "بس! زیادہ نہ بولو! ورنہ میں ابھی
تمہیں سنگسار کئے دیتا ہوں!" آپ چُپ ہو گئے۔
تھوڑے دنوں بعد آذر نے عمدہ کھانا پکوا کر بُتوں
کے سامنے پیش کیا۔ اور خود میلہ دیکھنے چلا گیا۔
اس کے جانے کے بعد آپ نے سب بُتوں کو
توڑ ڈالا۔ اور کلہاڑی کو سب سے بڑے بُت کے
شانہ پر رکھ دیا۔ اور خود کسی دوسرے کام کاج میں
لگ گئے۔ جب آذر واپس آیا تو بتوں کا یہ حال دیکھ
کر آپ سے پُوچھا۔ "یہ کام کس نے کیا ہے؟"
آپ نے نہایت متانت اور سنجیدگی سے جواب
دیا۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو! بڑے بُت سے پُوچھو!
اس کے شانہ پر کلہاڑی ہے! یہ اُڑتی ہوئی خبر
نمرود کے کانوں تک پہنچی۔ حکم دیا۔ کہ ابراہیمؑ بن آذر
کو میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ پلک مارنے
کی دیر تھی کہ ابراہیمؑ حاضر کئے گئے۔ نمرود نے کہا:
"تم نے میری خُدائی سے کیوں انکار کیا ہے؟"

ابراہیمؑ "کیونکہ تو جھوٹا ہے!"

نمرود۔ "دیکھو! میرے تابع سب کچھ ہے۔ ابھی فنا
کر ڈالونگا۔ مجھ پر ایمان لے آؤ!"

ابراہیمؑ "نہیں! نہیں! یہ ہرگز نہیں ہو سکتا! تجھ
میں کچھ بھی طاقت نہیں!"

"اے نمرود! میرا خدا مشرق سے سورج
نکالتا ہے۔ تو مغرب سے نکال کر دکھا دے۔
مَیں ابھی تیرے اُوپر ایمان لے آؤنگا۔ اور تجھے خُدا
مان لونگا۔"

اب تو نمرود گھبرایا۔ اور جھنجھلا کر کہا۔ "اچھا تو
ایمان نہ لا! مَیں ابھی تیرے لئے آگ تیار کراتا
ہوں۔ دیکھونگا۔ جب تیرا خُدا وہاں تجھے بچا لیگا!"

ابراہیمؑ "بیشک وہ مجھے ہر جگہ بچائیگا!"

نمرود نے آگ تیار کرنے کا حکم دیا۔ ایک میدان

میں ۱۰ میل لمبا چوڑا لکڑیوں کا احاطہ تیار کیا گیا۔
اور اسے آگ لگادی گئی۔ آگ کے شعلے آسمان
سے باتیں کرتے تھے۔ اس آگ کی اتنی گرمی تھی
کہ بارہ بارہ میل تک اس کی تپش محسوس ہوئی۔

نمرود نے کہا کہ اب بھی میری خدائی کو مان جا۔
آگ سے بچ جائیگا۔ مگر واہ رے حوصلہ اور سچائی!
آپ نے فرمایا۔ "میرا خدا مجھے بچائیگا۔ میں تیرے
جیسے جھوٹے پر کبھی ایمان نہ لاؤنگا!"

آخرکار اس خدا کے پیارے نبی ابراہیمؑ کو
آگ کے حلقے کی طرف پھینکا گیا۔ ابھی کنارے
پر ہی تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا:۔
هَلْ بِكَ حَاجَۃٌ؟ (کیا میری مدد کی ضرورت
ہے؟) آپ نے فرمایا نہیں! وہی بچانیوالا بچائیگا۔
ابھی آگ میں پہنچے ہی تھے کہ آگ خدا کے حکم سے
گلزار بن گئی اور سب حیران ہکے بکے انگلیوں کو
دانتوں میں دبائے رہ گئے۔ سچ ہے جسے اللہ رکھے اُسے
کون چکھے۔ سو مرکز وہم میں سلطان تو کرے
ہزار وہم میں گلستان تو کرے
آمین

بہادر دہقان

(سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۱۶۰)

محصولیہ اور اس کا خاندان نہایت خطرے میں تھا
دہقان نے اُن کو جھٹ پٹ کشتی میں اُتار لیا۔

اب دہقان نے کشتی کا رُخ بدل دیا۔ اور کنارے
کی طرف چلنے لگا۔ اس وقت کشتی بہت بھاری ہوگئی
اور دہقان کو زیادہ مصیبت کا سامنا کرنا پڑا مگر اسکی
بہادری، اوسان اور کاریگری بہت کام آئی۔ اور کشتی
صحیح سلامت کنارے پر پہنچ گئی۔ کنارے پر لوگوں
کی بھیڑ تھی۔ سب نے شاباش کا نعرہ بلند کیا۔ کونٹ
(نواب) نقدی کی تھیلی ہاتھ میں لئے آگے بڑھا۔ دہقان
نے نہایت بے پروائی سے اشرفیاں لینے سے انکار
کر دیا۔ اور کہا "میں نے روپے کی خاطر اپنی جان کو
خطرے میں نہ ڈالا تھا۔ میں اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے
کے لئے ہر ایک کام کر سکتا ہوں۔ یہ روپیہ اس غریب
محصولیئے کو دیدو۔ جس کا سب کچھ ضائع ہو چکا ہے۔" پس
بہادر دہقان نے نہ صرف ان لوگوں کی جان ہی بچائی بلکہ اپنی
فراخدلی سے نیا مکان خریدنے کے لئے روپیہ بھی عطا فرمایا۔

قیمت سالانہ پانچ روپے — رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۲۱۵ — قیمت ششماہی عا/ فی پرچہ ۲/

نونہال

آنریری ایڈیٹر: حکیم احمد شجاع بی-اے (علیگ)

ایڈیٹرز:

ابوالاثر حفیظ جالندھری — محمد اسمٰعیل نعیم

جلد ۴ — نمبر ۱۴

فہرست مضامین بابت ۱۵-اپریل ۱۹۲۴ء

ہم تم

پیارے نونہالو- آجکل لاہور میں طاعون کا بہت زور ہے-لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر جا رہے ہیں-تمام کام بند ہو رہے ہیں- اس لئے ۸-اپریل کا رسالہ باقاعدہ شائع نہیں ہو سکا-اور ۸-اور ۱۵ کے رسالے اکٹھے روانہ کرنے پڑے ہیں ہمیں امید ہے کہ ہمارے نونہال اس قدرتی تاخیر سے ناراض نہ ہونگے- اور خداوند تعالےٰ سے دعا کرینگے کہ وہ اس بلا کو جلد ٹالے-

ایڈیٹر

رولٹری پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام لالہ [illegible] رام پرنٹر چھپا اور دفتر اشاعت ادب الطفال کیلئے محمد اسمٰعیل [illegible] نے شائع کیا

دلچسپ معلومات

چراغ سنگ۔ کوہ درواز (واقع بدخشاں) کے درّوں میں ایک قسم کا پتھر پایا جاتا ہے جو آدمیوں کی انگلیوں کی طرح لمبا ہوتا ہے۔ یہ پتّھر قلعی کی طرح سفید اور صاف ہوتا ہے۔ لوگ اسے چراغ سنگ کہتے ہیں۔ اس کو شمع میں ڈالتے ہیں تو رُوئی کی بتی کی طرح تیل کو جذب کر لیتا ہے۔ اور روشنی دیتا ہے۔ ایک عجیب خوبی اس پتّھر میں یہ ہے۔ کہ یہ رُوئی کی بتی کی طرح جل نہیں جاتا۔ اور دمبدم اسے اُکسانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ اس کا دو برس تک کام دے سکتا ہے۔

گیس کا پستول۔ یُورپ میں ایک نئی قسم کا پستول ایجاد ہوا ہے۔ جو آگ بجھانے اور چور کو زندہ گرفتار کرنے میں استعمال کیا جاتا ہے اس پستول میں گولیوں کی جگہ گیس بھری جاتی ہے۔ جب فیر کیا جاتا ہے تو دُھواں اس کی نالی سے نکلکر پھیل جاتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ آگ فوراً بُجھ جاتی ہے۔ اور اگر کوئی آدمی اس دُھوئیں میں آجاتے تو فوراً بیہوش ہو جاتا ہے۔ پستول چلتے وقت یہ گیس پیچھے کی طرف یعنے چلانے والے کی طرف نہیں پھیلتی۔ اس لئے چلانے والے کو کوئی خطرہ نہیں۔ اور یہ گیس آدمی کو ہلاک بھی نہیں کرتی اس لئے چور صرف بیہوش ہو جاتا ہے۔ اور آسانی سے پکڑ لیا جاتا ہے۔

وِنزوولہ (امریکہ) میں ایک پرندہ پایا جاتا ہے جو سدھایا جائے تو چرواہے کا کام اچھی طرح کر سکتا ہے۔ یہ اپنے مالک کے مویشیوں کو دن بھر چراتا اور شام کو گھر کی طرف ہانک لاتا ہے۔ امریکہ کے قدیم باشندوں میں اس کے پالنے کا رواج کثرت سے پایا جاتا ہے۔

ابوالاثر حفیظ جالندھری

میرا سایہ

سایہ سچا میرا ساتھی | ساتھ ہے دیتا پیارا ساتھی
اندر باہر ساتھ ہے جاتا | نیچے اُوپر ساتھ ہے جاتا
ہلتا جاتا کھنچتا جاتا | پاؤں تلے ہے بچھتا جاتا
صورت میں بھی ملتا جلتا | میری طرح سے ہلنا جلنا
میرے ساتھ ہے ہنستا روتا | میرے بستر پر ہے سوتا
مجھ سے رکھتا ہے یہ اَن بن | ہر اک بات میں ہے یہ پُرفن
رہتا ہے یہ گھٹتا بڑھتا | دیواروں پر اُترتا چڑھتا
اس کو کچھ تہذیب نہیں ہے | کیا یہ بات عجیب نہیں ہے
میرا منہ چڑھاتا ہے | جو کرتا ہوں کرتا ہے
اُلّو ہے یا بندر ہے | نقلوں میں یہ ماہر ہے
کاہل بھی یہ ایسا ہے | دن چڑھے تک سوتا ہے
پیچھے میرے چھپتا ہے | بزدل یہ بھی کتنا ہے
سایہ سچا میرا ساتھی | ساتھ ہے دیتا پیارا ساتھی

م-ا-ن-ل

اُردُو ئے معلےٰ

آریاؤں کا جب تسلط ہندوستان پر ہوا تو ان کی زبان مادری سنسکرت تھی۔ ان سے پیشتر قدیم باشندگان ہند کی کیا زبان تھی۔ اس کا پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ آریہ فاتح کی حیثیت سے ہند میں داخل ہوتے تھے۔ ان کی ہر ایک بات سے تکبر و رعونت و ادعائے فضیلت ٹپکتا تھا۔ اس لئے اپنی زبان کا نام دیوبانی یعنی زبانِ الٰہی رکھا تھا۔ سوا برہمنوں کے چھتری ویش و شودر اس کو حکماً پڑھ نہیں سکتے تھے۔ دیسی قدیم زبانیں جو آریاؤں کے ہند میں داخل ہونے کے پہلے رائج تھیں اِن میں رفتہ رفتہ سنسکرت کے لفظ ملتے گئے اور وہ زبانیں پراکرت کہلانے لگیں یعنی عوام کی زبانیں۔ برہمن تو سنسکرت بولتے اور لکھتے پڑھتے تھے اور دوسرے لوگ پراکرت بولتے تھے۔ چنانچہ راجہ بھوج کے ڈراموں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عوام کی زبان پراکرت تھی۔ یہ حالت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کئی صدیاں پیشتر کی تھی۔ رفتہ رفتہ ہر صوبہ میں ایک خاص زبان سنسکرت سے نکل کر بولی جانے لگی۔ مثلاً گجرات میں گجراتی۔ بنگالہ میں بنگالی۔ بہار میں پالی۔ متھرا وغیرہ میں برج بھاشا جسکو اُردو کی ماں کہنا چاہئے۔ خالص برج بھاشا تقریباً ایک ہزار سال تک بولی گئی۔ محمود غزنوی کے حملوں کے بعد سے عربی اور فارسی کے الفاظ بھی برج بھاشا میں شامل ہونے گئے

دُنیا کا قاعدہ ہے۔ حکومت کرنے والی قوم کی حکومت ہر چیز پر ہوتی ہے۔ اسی طرح زبان پر بھی ہوتی ہے۔ فاتح قوم کی ہر ادا طرزِ معاشرت، طریقہ ملاقات لباس وغیرہ قابلِ تقلید سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ زمانہ حال میں ہر شخص مغربی

تہذیب و معاشرت کا گرویدہ نظر آتا ہے
جس کو دیکھو یورپین وضع کے سوٹ بوٹ میں ڈٹا
پھرتا ہے۔ حتٰے کہ جاہل سے جاہل شخص بھی بلا قصد
سینکڑوں انگریزی الفاظ مثلاً ٹکٹ۔ پنسل۔
لالٹین وغیرہ استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح
مسلمانوں کی فتوحات کے بعد سے عربی فارسی
کے لفظ بھاشا میں جو اُس وقت دِلّی وغیرہ
میں رائج تھی شامل ہوگئے خصوصاً کبیر داس
کی تبلیغ نے عربی و فارسی الفاظ کا استعمال
شروع کر دیا تھا۔ عام طور سے یہ مشہور ہے۔
کہ اُردو زبان کی ابتدا شاہجہان کے زمانہ سے
ہُوئی۔ اور اس وقت سے ترقی کرتی ہُوئی حالتِ
موجودہ کو پُہنچی۔ مگر میر امن دہلوی مولف باغ و بہار
اُردو کی ابتدا اکبرِ اعظم کے زمانہ کو بتلاتے ہیں۔
لکھتے ہیں کہ اکبری دربار میں جو مرجع خاص و عام
تھا۔ دُور دُور کے باشندے مختلف پیشے والے
تجار مختلف زبانوں کے بولنے والے دربارِ اکبری
میں جمع تھے۔ اور آپس میں لین دین خرید و فروخت
وغیرہ اپنی اپنی زبان میں کرتے تھے۔ اس لئے
چند زبانیں مِل کر اُردو قائم ہوگئی لیکن حضرت
شاد عظیم آبادی جیسے محقق کی جنہوں نے زبانِ
اُردو کی ترقی میں بیش بہا و گرانقدر حصّہ لیا ہے
رائے ہے کہ شاہجہان کے عہد میں اُردوئے معلٰی
کی ابتدا ہُوئی حضرت شاد کی تائید میں راقم الدولہ
سید ظہیر حسن ظہیر دہلوی یادگار خاقانی ہند حضرت
ذوق مرحوم تحریر فرماتے ہیں "شاہجہان نے
دہلی میں جب لال قلعہ بنوایا جو قلعہ معلےٰ کہلاتا
تھا تو قلعہ کے باہر لشکر کی سکونت کے لئے حکم
دیا اور بازار قائم کئے گئے۔ وہ بازار اُردو بازار
کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان بازاروں سے
سودا سلف لینے والے لشکری تھے جو مختلف
قوموں کے لوگ تھے اور مختلف زبانیں بولتے
تھے۔ ان کے آپس کے میل جول سے جو
زبان قائم ہُوئی اس کا نام شاہجہان نے

اُردو سے معلّی رکھا بعض محققین کا خیال ہے۔
کہ خلجیوں کے زمانہ میں اُردو نے جنم لیا وہ اس
طرح پر کہ بھاشا میں مصدر اور مشہور نام
وغیرہ تو بھاشا کے رہنے دیتے صفت کے
الفاظ اکثر عربی و فارسی مستعمل کئے جانے لگے۔
بعضوں کا خیال ہے کہ شاہجہانی عہد کے
بہت قبل حضرت امیر خسرو دہلوی نے بھاشا
میں عربی و فارسی ملادی۔ مثلاً خالق باری میں
یہ طریقہ رکھا ؎

بیا برادر آؤ رے بھائی
بنشیں مادر بیٹھ ری مائی

وغیرہ مکرنیوں اور پہیلیوں میں بھی حضرت
خسرو نے بھاشا میں عربی و فارسی الفاظ شامل
کئے ہیں۔ جن کو ایک قسم کی اُردو کہنا چاہئے۔
بہر حال خلجیوں کے زمانہ سے اس وقت تک
کئی دور اُردو کے ہوئے اور ہر دور میں ایک نیا
رنگ اس نے اختیار کیا۔ ابتدا میں تو گنتی کے
عربی فارسی الفاظ بھاشا میں مخلوط ہوتے جس
رنگ میں امیر خسرو کی پہیلیاں وغیرہ ہیں پھر
بہت زیادہ الفاظ عربی فارسی کے بھاشا میں
شامل ہوئے جس رنگ میں کبیر داس کے
دوہرے ہیں۔ رفتہ رفتہ بھاشا خود گم ہو گئی۔
اور اُردو نے اپنا قبضہ کیا۔ یعنی فارسی و عربی
کے الفاظ بے انتہا مل گئے۔ جو رنگ موجودہ اُردو
کا ہے۔ اب اس وقت اُردو کا سکّہ کشمیر و ہمالیہ
سے راس کماری تک جاری ہے۔ جدھر جاؤ
اسی کا چلن، اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا
ہے۔ اس وقت زبانِ اُردو ہندوستان کی
مشترکہ زبان بن گئی ہے۔ کسی زبان کے عالمگیر
ہونے کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس زبان میں
شعر کہے جائیں۔ اور زبان کے مکمل ہونے کی
دلیل یہ ہے کہ مختلف علوم و فنون کی تصانیف
تالیفات اس زبان میں ہوں۔ اور ہر قسم کے
خیالات کے اظہار کے لئے کافی الفاظ و

اصطلاحیں دستیاب ہوں۔ چنانچہ اُردو نے ایسی ہی ترقی کی ہے۔ ہر قسم کے علم وفن کی تصنیف وتالیف اس میں موجود ہے۔ اور رو بترقی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی و محکمہ ترجمہ حیدرآباد ترقیِ اُردو کی طرف مشغول ومصروف ہیں۔ صغرا ہمایوں میرزا

عجیب وغریب چشمے

بدخشاں کے نواح میں ایک عجیب وغریب چشمہ ہے۔ اس چشمہ سے بالکل مصفا پانی نکلتا ہے لیکن اچنبھے کی بات یہ ہے۔ کہ یہ پانی تھوڑی دُور چلکر بالکل جم جاتا ہے اور پتّھر ہو جاتا ہے۔ اس چشمہ کے دو دو سو گز تک اسی کے پانی سے بنے ہُوئے پتّھر ہر دیکھنے والے کو نظر آتے ہیں۔ ایسا ہی ایک چشمہ علاقۂ پامیر میں بھی موجود ہے۔ جس کو بہت لوگ دیکھ چُکے ہیں۔ اس چشمے کی صورت دیگ کے مُنہ کی طرح گول ہے۔ اس کا پانی ہر طرف پھیلتا ہے اور پھر جم کر پتّھر بن جاتا ہے۔

ایک چشمہ جو باباتنگی سے قریب دریا کے کنارے واقع ہے۔ اس میں کوئی شخص اُنگلی تک نہیں ڈال سکتا۔ کیونکہ یہ حد سے زیادہ گرم ہے۔ اس کی گرمی اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ انڈا تین منٹ میں۔ آٹا سات منٹ میں اور گوشت بیس منٹ میں پک جاتا ہے اس چشمے سے دو سو گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا حوض بنایا گیا ہے۔ جس میں دریا اور اس چشمے کا پانی ملاکر نہانے کا سامان کیا گیا ہے۔ سر اور جسم کے اکثر کئی امراض اس پانی سے رفع ہو جاتے ہیں۔

ایک اور چشمہ اسی علاقے میں اس قسم کا ہے جس کا پانی بالکل سُرخ ہے اور زمین سے سوڈا واٹر کی طرح اُبلتا ہُوا نکلتا ہے۔ اس پانی کا ذائقہ بھی تریب قریب سوڈا واٹر

کی طرح کاٹ ہے۔ اگر اس کا پانی گلاس میں ڈالا جاتے تو بالکل سوڈا واٹر کی طرح اُبلتا اور اُچھلتا ہے۔ نہانے سے بدن کی میل کچیل کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔ وہ زمین اور کنارے جہاں سے اس چشمے کا پانی گزرتا ہے بالکل سُرخ بنے ہوتے ہیں۔ اور جو پتھر اس پانی کے اندر آتے ہیں۔ وہ بھی سُرخ ہو جاتے ہیں۔ ایڈیٹر

سر والٹر سکاٹ

برطانیہ کا یہ مشہور شاعر ۱۷۷۱ء میں پیدا ہوا۔

بچپن میں اس کی ایک ٹانگ ضائع ہو گئی۔

۷ سال کی عمر میں وہ اپنی خالہ کے ہاں چلا گیا۔ جو اس کو اکثر قصے کہانیاں سنایا کرتی تھی اور اسی وجہ سے آخرکار سر والٹر سکاٹ کو ناول نویسی کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس نے ایڈنبرا میں تعلیم حاصل کی۔

اس کا حافظہ اس قدر تیز تھا کہ وہ ایک دفعہ کوئی کتاب پڑھ کر حرف بحرف سنا سکتا تھا۔ اس کا ارادہ فوجی ملازمت کرنے کا تھا لیکن لنگڑا ہونے کے سبب اپنے باپ کا منشی ہو گیا۔ لیکن اس کو قدرتی مناظر اور شاعری سے بہت انس تھا۔

اس نے شعر لکھنا ۱۷۸۲ء ہی میں شروع کر دیا تھا۔ ۱۷۹۴ء میں اس نے اپنی سب سے پہلی نظم ہیلن اور ولیم شائع کی۔

آخرکار وہ بہت مشہور ہو گیا۔ جب اس نے ایک نظم "لیڈی آف لیک" شائع کی۔ تو اسے ایک ہزار پونڈ کی رقم ملی۔ شاعری میں اس کا سکہ بیٹھ گیا۔ پھر اس نے ناول نویسی کی طرف توجہ دی۔ اور بہت سے ناول تصنیف کر ڈالے۔ اور ان کی آمدنی سے بہت سی زمینیں خریدیں۔

جب شاہ جارج چہارم نے سکاٹ لینڈ کا دورہ کیا۔ تو اس نے بادشاہ کی بہت خاطر کی۔ بادشاہ نے خوش ہو کر اس کو سر کا خطاب دیا لیکن افسوس اس کے بعد وہ مقروض ہو گیا۔ اور اس نے غریبوں جیسی زندگی اختیار کر لی۔ اور ۱۸۳۲ء میں انتقال کر گیا۔

محبوب عالم

فساد کی آگ

(سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ ۱۷۸)

جج نے بہتیری کوشش کی کہ ان میں صفائی کرادے مگر گاروبلا نے اس کی پروا نہ کی۔ گاروبلا نے کہا۔ "میری عمر کوئی ایک کم پچاس برس کی ہے میرا لڑکا شادی شدہ ہے۔ اور اس عمر میں مجھے کوڑے لگینگے! کیا اس میں میری کچھ کم ہتک ہے۔ جو میں آوان سے معافی بھی مانگوں! بس آوان مجھے ہمیشہ یاد رکھیگا"

یہ کہہ کر اس کی آواز بھرّانے لگی۔ اور وہ منہ پھیر کر کمرہ عدالت سے باہر نکل آیا۔

ضلع کی عدالت سے اُن کا گھر کوئی دس میل کے فاصلے پر تھا۔ جب آوان گھر پہنچا تو بالکل شام ہو گئی تھی۔ وُہ اپنے گھوڑے کا ساز اُتار گھر میں گیا۔ مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ عورتیں چراگاہ سے مویشی ہانکنے گئی تھیں۔ اور اس کے بیٹے ابھی کھیت سے واپس نہ آتے تھے آوان ایک بنچ پر بیٹھ کر گاروبلا کی تمام حرکات پر نظرِ ثانی کرنے لگا۔ اس نے تصوّر باندھا کہ گاروبلا کے مُنہ پر کسقدر بے بسی چھا گئی تھی۔ جب اس نے عدالت کا فیصلہ سُنا تھا۔ اور خیال کرنے لگا۔ کہ اگر اس کے اپنے خلاف ایسا فیصلہ سُنایا جاتا تو اس کی اپنی کیا حالت ہو۔ ان خیالات کے دوران میں اسے گاروبلا پر رحم آگیا۔ اتنے میں اُس کا بُوڑھا باپ کھانسنے لگا۔ اور بمشکل تمام اپنی چارپائی سے اُٹھ کر لڑکھڑاتا ہُوا اس کے نزدیک آبیٹھا۔ جب اُس کی کھانسی تھمی تو اس نے پُوچھا کہ گاروبلا کے مقدمے کا کیا فیصلہ ہُوا۔ آوان نے کہا کہ عدالت نے اب گاروبلا کو ۲۰ کوڑے لگانے کا حکم صادر کیا ہے۔ اس پر اُس بڈھے نے سر

ہلایا۔ اور بولا۔ "آوان تم غلطی پر ہو! میں کہتا ہوں تم سخت غلطی کر رہے ہو۔ میں تم سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ کیا اُسے کوڑے لگنے میں تمہیں کچھ فایدہ حاصل ہو جائیگا؟"

آوان۔ "بس یہی کہ وہ پھر ایسی حرکتیں نہ کریگا"۔

بُوڑھا۔ "کونسی حرکتیں نہ کریگا؟ کیا اس کے افعال تم سے بھی خراب ہیں؟"

آوان۔ "میرا وہ کیا کر سکتا ہے؟ مجھے تو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر اُس نے میری بہو کو تو مار ہی ڈالا تھا۔ اور اب وہ ہمارے گھر کو آگ لگانے کی دھمکی دیتا ہے۔ کیا مجھے اب جا کر اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہتے؟"

اس پر اس بُڈھے نے ایک آہ سرد بھری اور کہا۔ "آوان تم باہر دُنیا میں چلتے پھرتے ہو۔ اور میں اندر پڑا سڑتا ہوں۔ اس لئے تمہارا خیال ہے کہ تم سب کچھ دیکھتے ہو۔ اور میں کچھ نہیں دیکھتا! بیٹا! حسد و بغض نے تمہاری آنکھوں پر جہالت کی پٹی باندھ رکھی ہے۔ غیروں کے گناہ تمہارے پیش نظر ہیں۔ مگر تم اپنے گناہوں سے چشم پوشی کرتے ہو۔ اگر تمام گناہ اس کی طرف سے ہوتے تو یہ فساد اس حد تک نہ پہنچتا! کبھی ایک ہاتھ سے بھی تالی بجتی ہے؟ جھگڑا ہمیشہ دو کے درمیان ہوتا ہے!

"کہو تو تم نے اس کی داڑھی نہیں نوچی؟ تم نے اس کے بھوسے کا ڈھیر نہیں اُٹھایا؟ تم نے اس پر نالشیں نہیں کیں؟ اور پھر تم سب الزام اس پر لگاتے ہو۔ تمہاری طرز معاشرت ٹھیک نہیں۔ اور اسی لئے یہ سب فساد بپا ہوئے۔ میری زندگی یہ نہ تھی اور نہ میں نے تمہیں ایسا سکھایا ہے! کیا گاردیلا کے باپ سے میں ایسا برتاؤ کیا کرتا تھا۔ جیسا تم گاردیلا سے کرتے ہو؟ جب ہمیں کسی شے کی ضرورت پڑتی تھی تو میں اُن سے مانگ لاتا۔ اور جب انہیں کوئی شے درکار ہوتی تو وہ مجھسے آ مانگتے۔

تم اس گھر کے مالک ہو۔ اور اپنے تمام بچوں کی تربیت کا بار تمہارے سپرد ہے۔ مگر بتاؤ تو تم انہیں کیا تربیت دیتے ہو! کیا لڑنا اور گالیاں دینا بھی کوئی تعلیم ہے؟ ابھی کل کا ذکر ہے کہ تمہارا چھوٹا لڑکا لڑا سکا گار دیلا کی عورت کو منہ چڑاتا اور گالیاں دیتا تھا۔ اور تمہاری جورو پاس کھڑی ہنس رہی تھی۔ کیا یہ حرکتیں اچھی ہیں؟ اور خیال رکھو کہ روزِ حشر کو تمہیں ان تمام باتوں کا جواب دینا ہوگا۔ تمہیں اپنی روح کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ کیا یہ طرزِ زندگی درست ہے؟ کیا حضرت عیسٰےؑ کا فرمان یہی ہے؟

آوان چپکا رہا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ بڈھا پھر کھانسنے لگا۔ مگر جب اس کی کھانسی میں کچھ افاقہ ہوا تو اس نے کہا۔ "تمہارے خیال میں جو کچھ حضرت عیسٰےؑ نے کہا وہ لغو ہے نا؟

"جو کچھ ہمارے ہادی نے کہا۔ ہمارے فایدے کیلئے کہا ہے۔ مذہبی نقطہ خیال سے نہیں تو دنیاوی

خیال ہی سے اپنے افعال پر نظر ڈالو۔ خیال کرو کہ کتنا روپیہ تم نے مقدموں میں ضائع کیا۔ کس قدر قیمتی وقت کو رائگاں کھویا۔ اور کتنا روپیہ تم نے غلہ خریدنے میں صرف کیا۔ اس سے پہلے ہمیں کبھی غلہ خریدنے کی ضرورت نہ پڑی تھی۔ تمہارے لڑکے باز وں کی طرح پرائی اشیا پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور ڈاکوؤں کی مانند چھاپے مارتے پھرتے ہیں۔ گو تم تن آسانی میں زندگی بسر کر رہے ہو۔ مگر تمہارا سرمایہ زوال کی نذر ہو گیا ہے۔ اور یہ سب اس لئے ہوا کہ تم جھگڑے پر تلے ہوئے ہو۔ تمہارے سر میں غرور کی ہوا سمائی ہے اور تم اپنے آپ میں نہیں ہو۔ جب ہل چلانے کا وقت آتا ہے۔ تو انہیں نابکار تمہیں ورغلا کر کچہریوں میں لے جاتا ہے۔ تم وقت مقررہ پر ہل نہیں چلاتے۔ نہ تم وقت مقررہ پر بیج بوتے ہو۔ پچھلے سال تمہاری جو کی فصل کسقدر خراب تھی۔ اور اب اس فیصلے سے تمہیں کیا ہاتھ آیا ہے؟

میرے خیال میں تمہیں ابھی ابھی کچہری میں جاکر
مقدمہ واپس لینا چاہئے۔ اور کل گاروبلا کو اپنے گھر
بلاکر اسے ضیافت دو۔ اور اپنے گھر والوں کو جھگڑے
سے باز رکھو۔

آوان نے ایک سرد آہ بھری۔ اس نے سوچا
"یہ بڈھا سچ کہتا ہے۔ مگر میں ابھی ابھی کیسے مقدمہ
واپس لے سکتا ہوں۔"

بڈھا پھر بولا۔ "آوان میں کہتا ہوں۔ ابھی
ابھی جلدی سے اس لگتی آگ کو بجھاؤ۔ اگر یہ بھڑک
اٹھی تو اسے بجھانا تمہارے امکان سے باہر ہوگا۔"

وہ بڈھا ابھی کچھ اور کہنے کو تھا کہ گھر کی عورتیں
کھیت سے واپس آئیں۔ وہ مقدمے کے فیصلے
کے متعلق سب خبریں پیشتر ہی سن چکی تھیں۔
بلکہ انہوں نے اسی بنا پر گاروبلا کے گھر کی
عورتوں سے لڑائی بھی شروع کر دی تھی۔ انہوں
نے بیان کیا کہ گاروبلا کی بہو نے انہیں کمشنر کی
کچہری میں نالش ثانی کرنے کی دھمکی دی ہے۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ "کمشنر ہمارا طرفدار ہے۔"

انہوں نے گاروبلا کی بہو کی زبانی سنا تھا کہ
گاروبلا نے سکول ماسٹر سے عرضی لکھوا کر زار کے
پاس بھیجی ہے جس میں داڑھی کھینچنے کا معاملہ
میخ چرانے کا معاملہ اور پھل چرانے کا معاملہ وغیرہ
وغیرہ سب درج کئے گئے ہیں۔ اور ان جرائم کے
قصاص میں وہ آوان کی آدھی جائیداد پر قابض ہو جانے
کی امید رکھتے ہیں۔ آوان نے جب یہ باتیں سنیں
تو پھر سے اس کا دل گاروبلا کی طرف سے سخت ہو گیا۔

بچارے کسانوں کو عموماً زیادہ کام رہتا ہے
اس لئے آوان کو عورتوں کے ساتھ بات چیت
کرنے کی خاطر فرصت نہ ملی۔ اور اس نے باہر
جاکر آلات زمینداری کو محفوظ جگہوں پر رکھنا
شروع کیا۔ گھوڑوں کو کھول دیا۔ اور کھانا کھانے
کے ارادے سے گھر کو آرہا تھا کہ اس نے گاروبلا
کو یوں کہتے سنا۔ "جی ایسے شخصوں کا دنیا میں
رہنا فضول ہے۔ اسے تو مار ڈالنا بجا ہے۔" ان

الفاظ نے اس کی آتش عناد کو پھر سے مشتعل کر دیا۔
"ہوا تند ہے اور رات بھی بالکل تاریک ہے کہیں گارو یلا سچ مچ میرے گھر کو آگ نہ لگا دے۔" یہ خیالات تھے جو آوان کے دل میں اس وقت گزر رہے تھے۔ اور وہ سخت غصّہ کی حالت میں تھا۔ اس نے گھر میں جا کر کچھ کھانا کھایا۔ اور اپنے اقربا کو کوس کر دل کا بخار نکالا۔ بعد ازاں وہ گھر سے نکل کر اپنے مکان کے گرد چکر کاٹنے لگا تاکہ گارویلا کو آگ لگانے سے باز رکھے۔

ہوا دم بدم تند ہوتی جاتی تھی۔ اور آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔ ہر طرف غضب کا اندھیرا تھا۔ جب وہ گھاس کے ذخیرے کے پاس پہنچا تو اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی آدمی اس کے آگے سے دوڑ کر نکلا ہو۔ اب اس کی آنکھیں تاریکی سے خوگر ہو گئی تھیں اور اسے نزدیک کی چیزیں کچھ کچھ دکھائی دینے لگی تھیں۔ جب وہ کنارے پر پہنچکر پھرا تو اسے پھر یہی سجھائی دیا کہ واقعی کوئی شخص اس کے آگے آگے چھپا جا رہا ہے۔ اب تو اس کا دل دھک سے رہ گیا اتنے میں ایک شعلہ بلند ہوا اور ایک شخص سُرخ ٹوپی پہنے اسے بیٹھا دکھائی دیا۔ اس یکایک روشنی نے اس کے حواس باختہ کر دیئے اور وہ بے اختیار چلا اٹھا۔ اس پر گارویلا گو وہ لنگڑا تھا اس پھرتی سے دوڑا جیسے تیز آندھی میں بادل کا ٹکڑا۔ آوان بھی بڑی تیزی سے اس کے پیچھے بھاگا۔ اور جونہی اس نے گارویلا پر ہاتھ رکھا گارویلا سانپ کی طرح کود کر اس کے پنجے سے نکل گیا۔ اور آوان زمین پر آ رہا گارویلا کی قمیص کا کچھ کپڑا آوان کے ہاتھ میں رہ گیا۔ آوان پھر دوڑا اور جونہی گارویلا کے نزدیک پہنچا، گارویلا نے سڑک سے ایک لکڑی اٹھا اس کے سر پہ دے ماری۔ جس کے صدمے سے وہ بالکل بیہوش ہو گیا۔
جب آوان کو ہوش آیا تو گارویلا کو غائب

نہ پایا۔ مگر ایک سُرخ شعلہ اس کے مکان سے
نکل رہا تھا۔ اور آگ کی روشنی میں اسے مختلف
آدمیوں کی شکلیں دکھاتی دیں۔ اس پر اُس نے
دونوں ہاتھ اپنے زانوؤں پر مارے اور بولا۔
"اُف اگر مَیں وہ گھاس کا بنڈل روند کر بجھا
دیتا۔" اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس
کی ٹانگوں میں طاقتِ رفتار نہ تھی۔ اور وہ گرا
پڑتا تھا۔

آوان اسی مایوسی کی حالت میں اپنے مکان
کی تباہی دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں آگ نے زور
کیا اور گاروِیلا کا مکان بھی دھک دھک جلنے
لگا۔ یہی نہیں بلکہ بازار کی دوسری طرف جو
مکان تھے ان میں بھی آگ دوڑ گئی تھی غرضکہ
آدھا گاؤں جل رہا تھا۔ اور خلقت کا ہجوم کثیر
بے اختیار اِدھر اُدھر بھاگا پھرتا تھا اور یہی
کہے جاتا تھا۔ "اُف اگر مَیں اس گھاس کے
بنڈل کو روند کر بجھا دیتا . . . ." آخر وہ آگ

میں گھس گیا اور چھت کا ایک شہتیر اُٹھانے
کی کوشش کرنے لگا۔ پاس کے لوگوں نے
شور کیا اور آوان کے بیٹے نے بھاگ کر اپنے
باپ کو آگ سے نکالا۔ سوائے گھوڑوں کے
آوان کا تمام اسباب و مویشی آگ کی نذر ہو گئے
اور گاروِیلا کا بھی تمام اثاثہ خاک سیاہ ہو گیا۔

صبح کو گاؤں کے نمبردار کا لڑکا آوان کو بُلانے
آیا۔ آوان اس کے ساتھ ہو لیا۔ اور اس کے
گھر میں جا کر اپنے بوڑھے باپ کو حالتِ نزع
میں دیکھا۔ اس بوڑھے پر رات کو ایک جلتا
ہوا چھپر آ لگا تھا۔ جس سے اس کا بدن جگہ جگہ
سے جل گیا تھا۔ جب آوان داخل ہوا تو اس
بڈھے نے کہا۔ "آوان مَیں تمہیں کیا کہتا تھا"
آوان کو کچھ جواب بن نہ آیا۔ "آوان مَیں
تم سے پوچھتا ہوں کہ یہ آگ کس نے لگائی"۔
آوان: "اس نے لگائی۔ مَیں نے اسے دیکھا
بھی مگر وہ بھاگ گیا"۔

بڈھا۔ "میرا آخری وقت نزدیک ہے۔ اور تمہیں بھی ایک دن مرنا ہوگا۔ مجھے بتاؤ کہ اس میں کس کا قصور تھا۔"

آوان کچھ سوچ کر رونے لگا۔ اور بولا "ہاں میرا ہی قصور تھا۔"

بڈھا۔ "اچھا اب تم کیا کروگے۔"

آوان۔ "میں کیونکر کہہ سکوں۔ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں بچا۔۔۔"

بڈھا۔ "اچھا تم کسی کا نام نہ لینا۔ جو تم کسی کے ایک قصور پر پردہ ڈالتے ہو تو خدا تمہارے دو قصور معاف کر دیتا ہے۔ اور یاد رکھو آگ کو بجھانا لازم ہے۔ قبل اس کے کہ وہ بھڑک اُٹھے۔" یہ کہہ کر وہ بڈھا جان بحق تسلیم ہوا۔

آوان نے اپنے باپ کی وصیت پر عمل کیا۔ اور گاروِیلا کے سنگین جرم پر پردہ ڈالا۔ گاروِیلا پہلے تو آوان کے تبدیل شدہ رویہ پر شک لاتا رہا مگر پھر وہ بھی صاف ہوگیا۔ اور دونوں قبیلے ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے اور ان کے درمیان وہ رابطہ اتحاد جو آوان کے باپ کے وقت میں تھا پھر سے قائم ہوگیا۔ پھر آوان نے کبھی کسی سے بدلہ لینے کی کوشش نہ کی۔ اور اس کی مالی حالت آگے سے بدرجہا بہتر ہوگئی۔

گوردیال سنگھ

شہد کی مکھیوں کی زبان

بعض لوگ پوچھا کرتے ہیں۔ کہ کیڑے مکوڑے اور دوسرے جانور آپس میں گفتگو کر سکتے ہیں یا نہیں؟"

اس کے متعلق جرمنی سائنسدان کارل وان نے بہت ہی عجیب وغریب باتیں معلوم کی ہیں مضمون تو بہت لمبا چوڑا ہے۔ مگر میں اسے مختصر کرکے آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔"

"میں نے ایک تھالی میں کچھ شکر ڈالی اور اس کو ایک کھڑکی میں جو کہ کھلی تھی رکھ دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک شہد کی مکھی اُڑتی ہوئی آئی۔ اور اس پلیٹ پر بیٹھ کر جتنی شکر وہ لیجا سکتی تھی لیگئی۔

اس کے جانے کے بعد مکھیوں کی بھیڑ لگ گئی۔ اور سب یکے بعد دیگرے آنے لگیں۔

یہ دیکھ کر میں نے رکابی وہاں سے ہٹالی۔

تو بہت سی مکھیاں واپس چلی گئیں۔

تھالی کو میں نے پھر اُسی جگہ پر رکھ دیا۔

اس کا رکھنا تھا کہ مکھیاں پھر جمع ہو گئیں میں نے اُن پہلی مکھیوں کی پشت پر رنگدار داغ لگا دیا تھا۔ لیکن اب ان مکھیوں کی پشت پر داغ نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ "یہ شہد کی مکھیاں اور تھیں۔"

پہلی مکھی جب اپنا بوجھ لیکر چھتے کی طرف گئی تو "کام کرنے والیوں" نے یہ بوجھ خود اُٹھا لیا۔ پھر تو وہ مکھی بڑے عجیب انداز سے ایک دائرے کی شکل میں ناچی۔ اور عجیب عجیب حرکتیں کیں۔

پھر میں نے دو اور تھالیاں لیں۔ ان میں ایک پیلی تھی اور دوسری سفید تھی۔

ابکی دفعہ پلیٹوں کے رنگ کے مطابق مکھیوں پر زرد اور سفید داغ لگا دیے گئے۔

ان پلیٹوں میں سے میں نے سفید کو اُٹھا لیا۔ پیلی کو کھڑکی میں رہنے دیا۔ پیلے داغ والی مکھیاں پلیٹ پر آبیٹھیں لیکن سفید داغ والی مکھیاں واپس چلی گئیں۔ کیونکہ ان کے لئے کوئی پلیٹ وغیرہ نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں میں پہچاننے کی حس تو ہے مگر بولنے کی حس نہیں۔ البتہ وہ بولنے کی حس کو آپس میں چھونے کی حس سے ظاہر کر سکتے ہیں۔ "آمین"

قطعہ

عالم جو با عمل ہے نہ پرہیزگار ہے
اندھا ہے اور ہاتھ میں مشعل لئے ہوئے
پاتے ہیں راہ غیر تو اس سے مگر وہ خود
افسوس اپنی راہ کو ہے گم کئے ہوئے

قیمت سالانہ پانچ روپے | رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۴۱۵ | قیمت ششماہی عام فی پرچہ ۲ر

نونہال

آنریری ایڈیٹر حکیم احمد شجاع بی اے علیگ
ایڈیٹرز
ابوالاثر حفیظ جالندھری۔ محمد اسمٰعیل نعیم

جلد ۴ | فہرست مضامین بابت ماہ مئی ۱۹۲۴ء | نمبر ۱۷

سوشل ... ورکس لاہور میں باہتمام ... چھپا اور دارالاشاعت ... چیمبرلین روڈ لاہور سے شائع کیا

دلچسپ معلومات

مصنوعی چمڑا:- کتابوں کی جلد بندیوں اور اس قسم کے دوسرے کاموں کے لئے یورپ میں مصنوعی چمڑا تیار کیا گیا ہے۔ یہ چمڑا ربڑ۔ برادہ۔ چمڑے کے ٹکڑوں اور دوسری ایسی ہی بیکار چیزوں سے بنایا گیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ چمڑے سے زیادہ سستا اور زیادہ پائیدار اور مضبوط ہے خیال کیا جاتا ہے۔ کہ بہت جلد یہ مصنوعی چمڑا اصلی چمڑے کی جگہ لے لیگا۔

ایک عجیب واقعہ:- ایک نوجوان لڑکی کپڑا سی رہی تھی۔ اس نے اتفاقاً سوئی کو لبوں میں دبایا۔ اور غلطی سے سوئی اس کے حلق میں اتر کر پیٹ میں چلی گئی۔ تین ماہ بعد اس کی شادی ہوئی اور شادی کے ۱۲ ماہ بعد لڑکا پیدا ہوا تو عورت کو ایک سوئی کی نوک بچے کے شانے میں نکلی ہوئی نظر آئی۔ اس نے زور سے کھینچا تو پوری سوئی بچے کے شانے سے باہر نکل آئی۔ قدرت کے عجیب کرشمے ہیں

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں سالانہ ایک ارب نوے کروڑ پونڈ دودھ خرچ آتا ہے۔ اس میں سے تین سو انتالیسواں حصہ ملائی کی برف بنانے کے کام آتا ہے۔ ایڈیٹر

ہم تم کتنی بار عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ خط لکھتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دینا چاہئے لیکن ہمارے نونہال اس بات کی پروا نہیں کرتے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم فرمائشوں کی تعمیل نہیں کر سکتے۔ رجسٹروں میں کئی ہمنام خریدار ہیں۔ اس لئے پتہ نہیں چلتا اور خط ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے جاتے ہیں۔ لہذا **یاد رکھئے** کہ بغیر خریداری نمبر کا حوالہ دئے ہم سے تعمیل ارشاد کی توقع رکھنا بالکل بے معنی ہے۔

مینیجر

شام کی تاریکی

روز روشن کے بعد آئی شام
کیا سے کیا ہو گیا رخِ ایام

ڈھلتی چھاؤں کی بڑھتی تاریکی
کیا شبِ تار اس نے طاری کی

اک دھواں دھار دھند چھائی ہے
گھر کے چاروں طرف سے آئی ہے

چشمِ عالم سے ہو گیا مستور
سات پردوں میں چھپ گیا ہے نور

بحرِ ظلمات ہو گیا ہے فلک
بے نشانی میں کھو گیا ہے فلک

ہو گیا سربسر جہاں تاریک
سب زمین اور آسماں تاریک

کالی بانات کے چھٹے پردے
چار سو رات کے چھٹے پردے

سر پہ ہے کیا یہ آسمانِ سیاہ
رات کا یا ہے سائبانِ سیاہ

تن رہا ہے وہ کوہ و صحرا پر
باغ و راغ اور دشت و دریا پر

اُس کے سایہ میں سوئیگی دُنیا
اپنے آپے کو کھوتے گی دُنیا

محمد عظیم الدین

جہاز

آجکل سمندروں میں جہازوں نے بڑی ترقی کی ہے۔ جہاز کو اگر پانی پر چلنے والا عظیم الشان محل کہا جائے۔ تو کچھ بیجا نہیں پچھلے زمانے میں بھی جہاز تھے۔ مگر آجکل کے جہاز بلحاظ بڑائی خوبصورتی اور آرام کے بالکل الگ چیز ہیں۔

جہاز میں ضروریات زندگی کی ہر چیز مہیا ہوتی ہے۔ اور اس کے سازوسامان کا اندازہ لگانے کے لئے ہم ایک خاص جہاز کا حال لکھتے ہیں۔

پی اینڈ او کمپنی کے ایک جہاز کا وزن دس ہزار ٹن ہے۔ اور جس انجن کی مدد سے یہ چلایا جاتا ہے۔ اس کی قوت چودہ ہزار گھوڑوں کی طاقت کے برابر ہے۔ اگر ایک گھوڑے کی طاقت چار آدمیوں کے برابر ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس جہاز کے انجن کی طاقت چھپن ہزار آدمیوں کی قوت کے برابر ہے یعنی اس جہاز کو چلانے کے لئے چھپن ہزار آدمیوں کی ضرورت ہے۔ مگر خالی انجن کے زور سے صرف دو سو بارہ آدمی اس جہاز کو چلا لیتے ہیں۔ ان دو سو بارہ آدمیوں میں ایک تو جہاز کا ناخدا یعنی کپتان ہوتا ہے۔ اور آٹھ اس کے مددگار عہدہ دار ہوتے ہیں۔ نہتر ملاح ہوتے ہیں۔ جو جہاز کے تختہ کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اور پندرہ انجنیر ہوتے ہیں۔ اور ایک سو پندرہ آدمی انجن میں کوئلہ ڈالنے والے مزدور۔

ان ملازموں کے علاوہ اور بھی ملازم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر۔ ڈاکٹر کے مددگار۔ مسافروں کی خدمت کرنے والے ایک سو سینتیس خدمتگار۔ چھ باورچی ایک داروغہ مطبخ۔ قصاب۔ حجام وغیرہ علیحدہ علیحدہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ ان کی سب مجموعی

تعداد تین سو ستاون ہے۔

ان سب ملازموں کی تنخواہ بارہ ہزار پونڈ
یعنی ایک لاکھ اسّی ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ جہاز
کی لاگت بیاسی لاکھ روپیہ ہے

تقریباً ۲ ہزار مسافر اس جہاز پر سوار
ہوتے ہیں۔ اور ان کی خوراک کے لئے جو روزانہ
سامان مہیا ہوتا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل
ہے:۔

آٹا اور کئی قسم کا گوشت۔ انڈے۔ مرغ
تیتر۔ بٹیر۔ مکھن۔ ساگو۔ مربّہ۔ مٹھائی۔ سوڈا لیمونیڈ
راستے میں جہاں جہاں جہاز ٹھیرتا ہے۔
وہاں سے چھ سو پونڈ کی ترکاری اور گیارہ بارہ ہزار
روپیہ کا میوہ خریدا جاتا ہے۔

صفائی کے لئے حسب ذیل تولئے صرف
ہوتے ہیں۔ کھانے کا تولیہ۔ منہ صاف کرنے کا
تولیہ نہانے کا تولیہ۔ ان کے علاوہ تکئے کے غلاف
…ط۔ اور میز پوش وغیرہ

ان چیزوں کو جہاز میں نہیں دھویا جاتا
بلکہ لندن میں دھلوایا جاتا ہے۔ دھلنے کے وقت
ان کی تعداد ستّر ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔

ہر روز انجن میں ایک سو پچیس ٹن کوئلہ صرف
ہوتا ہے۔ روشنی کے لئے جو کوئلہ جلایا جاتا ہے
وہ اس کے علاوہ ہے۔

رات کے وقت بجلی کی روشنی سے جہاز
بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ جب جہاز اپنے سفر سے
لندن میں واپس آتا ہے تو اس کو دھویا جاتا
ہے۔ اور اس پر از سر نو رنگ کیا جاتا ہے۔

اس جہاز کی پانچ چھ منزلیں ہوتی ہیں۔
سب سے پہلی منزل میں انجن ہوتا ہے۔ اس
سے اوپر کی منزل میں مسافروں کے لئے کمرے
بنے ہوتے ہیں۔ تیسری منزل میں باورچی خانہ
ڈاکخانہ اور کھانے کا کمرہ ہوتا ہے۔ بعض جہازوں
میں کھانے کا کمرہ اتنا وسیع ہوتا ہے کہ اس میں
پانچ سو سے زیادہ آدمیوں کی گنجائش ہوتی ہے

اس درجہ میں ڈاکٹر، انجنیر اور دوسرے افسر رہتے
ہیں۔ اول درجے کے مسافروں کے بھی بعض
کمرے اسی درجے میں ہوتے ہیں۔ چوتھی منزل
پر حقّہ نوشی اور گانے کا کمرہ ہوتا ہے۔ اور یہاں
بھی چند کمرے اوّل درجے کے مسافروں کے
لئے ہوتے ہیں۔ اس سے اُوپر کی منزل پر
کپتان کا کمرہ ہوتا ہے۔ اور چند کمرے اوّل درجے
کے مسافروں کے لئے ہوتے ہیں۔ جہاز میں
مختلف قسم کے تفریحی کھیلوں کا سامان ہر وقت
موجود رہتا ہے۔ مسافر بڑے شوق سے ان
کھیلوں میں حصّہ لیتے ہیں۔ تفریحی کاموں کی
ایک فہرست مرتب کی جاتی ہے۔ پچاس
ساٹھ مسافر بلکہ ہزار ڈیڑھ ہزار روپے جمع
کر لیتے ہیں۔ اور اس رقم کے انعام مقرر کر کے
کھیلوں میں حصّہ لیتے ہیں۔

عمدہ جہازوں میں ایک کتب خانہ بھی ضرور
ہوتا ہے۔ جس میں ہر قسم کی کتابیں موجود ہوتی

ہیں۔ بعض جہازوں میں تو مسافروں
کی کوئی علیحدہ اُجرت نہیں لیجاتی۔ بعض
سفر تک کے لئے کتبخانہ کی فیس میں
ہوتی ہے۔ ایک وقت میں مسافر کو
کتب خانہ سے لینے کا مجاز ہوتا ہے
سیاہی ہمیشہ مُفت ملتی ہے۔ ڈاک
جہاز کے ڈاکخانہ میں ہر وقت فروخت

ان جہازوں میں جو انگلستان۔
جاتے ہیں خبروں کا خاص انتظام
بے تار کی خبر رسانی کے ذریعے سے
پہنچائی جاتی ہیں۔ اور ہر صبح خبروں
جس کی قیمت دو اڑھائی آنہ کے قر
ہے۔ مسافروں کو مل جاتا ہے۔ مسلمان
جہاز میں خاص انتظام ہوتا ہے

پرو

دولت کے لئے ایمان فروخت
خسارے کا ہے۔

بہادر خاتون

شاہ جارج اوّل کے عہدِ حکومت میں علاقہ نتھسلینڈ کے نواب نے بادشاہ کے برخلاف بغاوت کی اور ۱۷۱۵ء میں جیمس پریٹینڈر کو تختِ انگلستان پر بیٹھانا چاہا۔ مگر بدقسمتی سے وہ خود گرفتار ہو گیا۔ اور جیمس بھی شکست کھا کر فرانس بھاگ گیا۔

نتھسلینڈ کے نواب کو فوجی عدالت نے موت کی سزا دی۔ اور قتل کی تاریخ مقرر کرکے زندگی کے باقی ایّام کاٹنے کے لئے ٹاورز کے قلعہ میں قید کر دیا۔ نواب کی بہادر بیوی کو ان حالات کی اطلاع ہوئی۔ تو سردیوں کا موسم تھا۔ زمین برف کی وجہ سے سفید ہو چکی تھی۔ بے چاری پیدل لندن سے اسکاٹ لینڈ پہنچی۔ اور فوجی عدالت سے رحم کی درخواست کی مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ آخر ٹاورز کے حاکم سے خاوند کو ملنے کی اجازت مانگی لیکن اس طرف سے بھی سوکھا جواب ملا۔

اب اس نے شاہ جارج اوّل سے بیفائدہ معافی کی درخواست کی۔ اور آخر جب نتیجہ کچھ نہ نکلا تو اس نے پہرہ داروں کو رشوت دے کر اپنے خاوند سے ملنے کی صورت نکالی۔ اب ہر روز ان کو نذرانہ چڑھاتی اور گھنٹوں اس سے ملاقات رکھتی۔

آخر جب موت کی تاریخ میں صرف چوبیس گھنٹے کا وقفہ رہ گیا۔ تو اس نے اپنے خاوند کو رہا کر لینے کی ٹھانی۔ پھانسی کے وقت سے قریباً بارہ گھنٹے پہلے شام کے وقت وہ اپنی دو اور سہیلیوں کو لیکر قید خانے گئی۔ اور پہرداروں سے اجازت لیکر خاوند کے پاس پہنچی۔ اس کو اپنے راز سے آگاہ کیا۔ پہلے تو وہ نہ مانا۔ لیکن

جب اس کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو ناچار
مان گیا۔

اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور
نیچے سے دوسرے کپڑے اتار کر اپنے خاوند
کو پہنا دیئے اور پھر اپنے پہلے کپڑے پہن لئے

تینوں عورتیں اب رونے دھونے لگیں۔

پہرہ داروں نے جب انہیں نوحہ کرتے
دیکھا تو خود ہنسنے لگے۔ اور دروازے پر سے
ہٹ گئے۔ اسے موقعہ ہاتھ آیا۔ خاوند اور
دونوں عورتوں کو باہر نکال دیا۔ اور خود بخود
باتیں کرنے لگی کبھی روتی کچھ پوچھتی پھر خود ہی
اپنے سوال کا جواب دیتی۔ غرض ایک دو گھنٹے
تک باتوں میں محو رہی۔ پہرہ داروں نے سمجھا
دو عورتیں چلی گئی ہیں۔ اب یہ اس کی بیوی
اس سے گفتگو کر رہی ہے۔

جب اس عورت نے دیکھا کہ میرے خاوند کو
چھپنے کا کافی موقع مل گیا ہے تو خود بھی روتی
ہوئی باہر آئی۔ اور سپاہیوں سے کہنے لگی۔
"نواب سو گیا ہے۔ اب بتی اندر لیجانے
کی ضرورت نہیں ہے۔"

اور یہ کہہ کر وہ خود بھی چلی گئی۔

جب شاہ جارج اوّل کو اس کا علم ہوا۔
تو اس نے اس کو پکڑنے کا حکم دیا مگر یہ چالاک
عورت بڑے بڑے خطروں میں پھنستی اور
بچتی اسکاٹ لینڈ سے اپنے اکلوتے لڑکے
کو لیکر روپوش ہو گئی۔ اور فرانس میں کئی سالوں
کے بعد نواب سے جا ملی۔ آجتک اس کی
اولاد فرانس میں بستی ہے۔ اور ان کے پاس
وہ کپڑے ابھی تک محفوظ ہیں۔ جنہیں پہنکر
نواب جیل سے بھاگا تھا۔

نتیجہ

۱۔ بری صحبت سے بچو کیونکہ وہ تم کو تباہ کر کے
چھوڑے گی۔

۲۔ عزت کی مفلسی ذلت کے عیش سے ہزار درجہ
بہتر ہے۔

بھوکا مسافر

ایک شیخ کسی جھونپڑی میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن ایک مسافر اس کی جھونپڑی میں آیا۔ اور کچھ آرام لینے کی اجازت چاہی۔ شیخ نے بڑی مہربانی سے اُس کی آؤ بھگت کی اور کھانا کھانے کے لئے کہا۔ مسافر نے منظور کیا اور بیٹھ گیا۔ شیخ کھانا لینے گیا۔ اور چار روٹیاں لا کر مسافر کے سامنے رکھ دیں۔ اور پھر کچھ دال لینے کے لئے چلا گیا۔ جب وہ دال لیکر آیا چاروں روٹیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اس لئے نیکدل شیخ کچھ اور روٹیاں لینے کے لئے چلا گیا۔ لیکن پھر جب وہ چار روٹیاں لیکر واپس آیا تو اب کے دال ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ ایک مرتبہ اور دال لینے کے لئے گیا۔ لیکن اس مرتبہ جب وہ دال لیکر واپس آیا۔ اُسے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ وہ روٹیاں بھی پہلے کی طرح ختم ہو چکی ہیں۔ یہانتک کہ

شیخ روٹیاں اور دال لاتے لاتے تھک گیا۔ لیکن اس مسافر کا پیٹ اس وقت تک نہیں بھرا۔ جبتک کہ شیخ پھر دس مرتبہ دال اور دس مرتبہ روٹی نہ لایا۔ آخرکار جب کھانا ختم ہو گیا۔ تو تھکے ہوتے شیخ نے کہا کہ تم کہاں جاؤ گے۔ مسافر نے جواب دیا کہ میں بخارا جا رہا ہوں۔ شیخ نے پوچھا کہ وہاں کیا کام ہے۔ مسافر نے کہا۔ میں نے سُنا ہے کہ وہاں ایک بڑا عقلمند حکیم رہتا ہے۔ اور میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ شیخ نے کہا کہ کیا میں تم سے پُوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں حکیم سے کیا کام ہے۔ مسافر نے ایک آہ بھری اور کہا کہ میں نے اپنی خوراک کا تمام مزہ کھو دیا ہے۔ اور میری خوراک کم ہو گئی ہے۔ اب شاید وہ مجھے ایسی دوا دے جس سے کہ میری خوراک بڑھ جائے۔ شیخ نے کہا ٹھیک

بڑی ہی افسوسناک بات ہے ہیں خدا سے التجا کرونگا۔ کہ تمہاری خوراک بڑھ جائے اور اس کے ساتھ ہی میری بھی دعا قبول ہو جائے۔

مسافر نے پوچھا کہ وہ کیا دعا ہے۔ شیخ نے کہا کہ جب تمہاری خوراک بڑھ جائے اور تم واپس آؤ تو کسی دوسرے راستہ سے آؤ۔

محمد سعید خاں قمر

سمجھدار لڑکی

انگلستان کے پہاڑوں کے اس حصّے میں جو ضلع "لیک" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک جھونپڑی آباد تھی۔ جہاں ایک شخص گرین نامی اپنے بال بچّوں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس کی بڑی لڑکی کا نام اگنیس تھا جس کی عمر نو سال کی تھی۔ ایک دفعہ جاڑے کے موسم میں اس کے ماں باپ دونوں پاس ہی ایک نیلام کو دیکھنے چلے گئے۔ جس وقت وہاں سے رخصت ہوتے مطلع بالکل صاف تھا۔ انہوں نے اپنے بچّوں کو چوما اور اگنیس کو ان کی حفاظت کے لئے مقرر کر کے چل دئے۔

اور یہ بھی کہا کہ انہیں امید ہے کہ شام کو واپس آ جائینگے۔

جوں جوں دن ڈھلتا گیا ہر ایک شے پر دھند نمودار ہونے لگی۔ اور برف باری شروع ہو گئی۔ چھوٹے چھوٹے بچّوں نے باہر جھانکا۔ اور اپنے والدین کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ اگنیس ایک چھوٹی لیکن دلیر لڑکی تھی۔ اس نے اپنے بھائی بہنوں کی نہایت جانفشانی سے پرداخت کی۔ اور کھانا کھلایا۔ ننھے بھائیوں کو ایک بستر پر لٹا دیا۔ اور دوسروں کو تاکید کی کہ ان کا خیال رکھیں۔ اور شور نہ مچائیں۔ باہر برف نہایت زور سے پڑ رہی تھی۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں تمام راستہ برف سے اٹ گیا۔

دروازے اور کھڑکی کے سوراخوں میں سے چاند کی سفید سفید لکیریں نظر آتی تھیں۔ مگر ابھی تک ماں باپ واپس نہیں آئے تھے۔

رات کے بارہ بجے اگنس نے اپنے دو بھائیوں اور ایک بہن کو خُدا کے آگے دُعا مانگتے سُنا اور اس کے بعد بستر میں گھُس گئے۔

دوسرے دن وہ جھونپڑی ہر طرف سے برف میں گھری ہُوئی تھی۔ مگر پھر بھی کہیں والدین کا نشان نہ ملتا تھا۔

اگنس نے تمام بچّوں کو کپڑے پہنائے اور انہیں ناشتہ کھلایا۔ اس نے دروازہ کھولکر برف سے ڈھکے ہُوئے پہاڑوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ اس نے زور سے ماں باپ کو پُکارا مگر کوئی جواب نہ آیا۔

لیکن وہ ان ننھے ننھے بچّوں کو چھوڑ کر بھی نہیں جا سکتی تھی۔ برف روشندان سے نیچے گرتی تھی۔ اور بعض اوقات آگ تقریباً بُجھ جاتی مگر اب تک وہ بچّے اکیلے ماں باپ کی انتظار میں لگے ہُوئے تھے۔

اگنس ان کی حوصلہ افزائی کرتی تھی۔ اور انہیں وہ دُعا مانگنے کی ترغیب دیتی جو کہ ان کی والدہ نے انہیں سکھائی تھی۔

اگلے دن جب برف پڑنی بند ہو گئی تو اگنس نے آگے جانے کا ارادہ کیا۔ تاکہ اپنے ماں باپ کا پتہ لگائے۔ اور معصوم جانوں کے واسطے کچھ خوراک مُہیّا کرے۔

وہ پُل پر سے گزر نہ سکتی تھی۔ اس لئے ایک لمبے راستے کو طے کر کے گراسمیر پہنچی وہاں جا کر اس نے یہ خبر دی۔ اور ان کی تلاش کے لئے ایک جماعت قائم ہُوئی۔ مگر اس کی ماں اور باپ برف کے درمیان مرے ہُوئے پائے گئے۔

جس کسی نے یہ افسوسناک خبر اور اگنس کی بہادری کا حال سُنا اس کے دل میں ان معصوم بچّوں کی محبّت پیدا ہو گئی۔ اور ان سب کی پرورش کی گئی۔

سٹیلا کی کارگزاری

سلسلہ کے لئے دیکھو صفحہ

تیسرا باب

سٹیلا نے یہ سارا معاملہ اپنی ماں سے پوشیدہ رکھا تھا۔ اس لئے اب اسے ایک قسم کی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ آجتک اس نے کوئی راز ماں سے نہ چھپایا تھا۔ اس لئے اب اس تمام واقعہ کا اسے نہ بتانا واقعی مشکل معلوم ہوتا تھا۔

جب سٹیلا رات کو بستر پر لیٹی۔ تو اس کا ضمیر اس کو ملامت کر رہا تھا۔ اور وہ بڑی رنجیدہ تھی۔ اور جب اس کی والدہ اس کو رات کا پیار دینے آئی تو اسے سوتیاں ہی چبھنے لگیں۔ اس نے چاہا کہ اپنی ماں کو سب کچھ بتا دے۔ مگر پھر کچھ سوچ کر وہ چپ ہو رہی۔ اس کے چہرے پر شرارت کے آثار نمایاں تھے۔

سٹیلا کی والدہ چلی گئیں تو وہ اپنے رویہ پر غور کرنے لگی۔ سوچتے سوچتے وقت گزرتا گیا اور اسے نیند نہ آئی۔ اسے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ وہ چپکے سے اُٹھی۔ اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی بڑے کمرے تک پہنچی۔ مسز وارڈ کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے جب دروازہ کھولا تو انہوں نے سر اوپر اٹھا کر نہ دیکھا۔ لیکن جب ایک غمگین ننھی منی سی آواز نے کہا۔ "اماں۔ اماں — میں تمہیں بتائے بغیر نہیں سو سکتی۔ ماں مجھے نیند نہیں آتی۔"

یہ کہتے ہی وہ والدہ کی گود میں تھی۔ اور جب مسز وارڈ کو سٹیلا کی سب کارگزاری معلوم ہوگئی تو وہ ششدر سی رہ گئی۔ لیکن وہ بالکل خفا نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "بیٹی گھر کے

معاملات دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کیا کرو ہم
اپنی کمزوریاں دوسروں کو بتانا نہیں چاہتے۔
یہ کہہ کر وہ بیٹی کا مُنہ تکنے لگی۔ سٹیلا نے یہ سُنا تو
شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ اور ماں کی بغلوں
میں سر چھپانے لگی۔ مسز وارڈ نے لڑکی کی
تکلیف محسوس کرتے ہُوتے پھر کہا۔ "اچھا اچھا!
میرے خیال میں مسز گریگوری بڑی شریف
ہیں۔ مَیں کل ان کے گھر جا کر اس معاملے پر
بات چیت کرونگی۔

سٹیلا نے کہا۔ امّاں مَیں سمجھتی نہیں صرف
یہ کہتی ہوں کہ مجھے پڑھکر سُنانے کی اجازت
آپ دے دیں۔ مَیں ابّا جان کے یہ تکلیف
کے دِن بٹانا چاہتی ہوں۔ اور مسز گریگوری
بڑی شریف ہیں۔ مگر رہتی اکیلی ہیں اکثر اوقات
اُنہوں نے مجھے دیکھنے کی خواہش کی ہے۔
امّاں ــــ مجھے اجازت دے دو کہ انہیں
کتابیں پڑھ پڑھ کے سُنایا کروں ــــ امّاں
کیا مجھے اجازت ہے۔

مسز وارڈ۔ "پیاری مَیں عمر میں بڑی ہوں
مجھے معلوم ہے کہ کیا ہم لوگوں کے لئے اچھّا
ہے اور کیا بُرا۔ تم سب کام مجھ پر چھوڑ دو۔
اور یقین رکھو کہ مَیں جہانتک ہو سکیگا تمہیں
تکلیف نہ ہونے دُونگی۔

سٹیلا۔ "ہاں امّاں مجھے یقین ہے۔"

اس کی والدہ اس کو اُٹھا کر سونے کے
کمرے میں لے گئی۔ اور سٹیلا تھوڑی دیر کے بعد
میٹھی نیند سو گئی۔

لیکن علی الصبح مسز گریگوری مسز وارڈ
سے ملنے آئی۔ اور جب سٹیلا کو معلوم ہُوا تو وہ
سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ وہ اتنی حیران تھی کہ دُنیا
میں کوئی ایسا حیران نہ ہوگا۔ مگر ساتھ ہی اسے
امید بھی تھی کہ سب کام ٹھیک ہو رہے ہیں۔
ابھی وہ انہیں خیالات میں گم تھی کہ بڑے کمرے
کا دروازہ کھُلا لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہُوا۔ آخر

جب مسز گریگوری باہر نکلی تو اس کی آواز سے
وہ آہستہ آہستہ اپنے خیال سے چونکی مسز گریگوری
کہہ رہی تھی۔ "آہا میری سیلی تو یہاں بیٹھی ہوئی
ہے۔" سٹیلا کا یہ سُننا تھا۔ کہ اس کی باچھیں
کھُل گئیں۔ اسے معلوم ہو گیا۔ کہ سب کام
ٹھیک ہو گیا ہے۔

اگرچہ والدین کی مصیبت میں کام آنا۔ اور
انہیں تکلیف نہ دینا ایک بہت آسان کام ہے
لیکن جس کام کا بار سٹیلا نے اپنے سر پر اُٹھا لیا
تھا۔ وہ بڑا بھاری تھا۔ گرمیوں کے دنوں میں
اکثر اوقات جب اس کی نوکری کا وقت ہو جاتا
تو وہ مسز گریگوری کے ہاں نہ جانا چاہتی۔ اس
کا دل اسے اس بات پر اُکساتا تھا۔ کہ وُہ
انگور باغ میں جا کر پیگی کے ساتھ کھیلے۔ وُہ
سوچتی تھی۔ "یہ مصیبت کا کام میں کیا لے بیٹھی
ہوں۔ سارا کا سارا دن اس بوڑھی عورت کو
پڑھ کر سُنانا ناحق وقت کا ضائع کرنا ہے"

لیکن جب وہ خوب غور سے سوچتی تو اسے اپنی
ذمہ داری کا احساس ہوتا۔ اور لکڑی کی سخت کرسی
پر بیٹھ کر بُڑھیا کو سُنانا وہ ایک خوشی کی بات سمجھتی
جیسا کہ پیگی نے کہا تھا۔ مسز گریگوری کو
بچوں کی وہ کہانیاں جنہیں سٹیلا دل سے چاہتی
تھی نہ سُننا چاہتی تھی۔ اور بڑی بڑی مشکل کتابیں
غریب سٹیلا سے پڑھوایا کرتی تھی۔ ان میں
کئی جگہ ایسے ایسے موٹے اور ثقیل الفاظ آ جاتے
تھے۔ کہ جن کا سُننا بھی سٹیلا کے لئے دشوار
تھا۔ اس لئے جب مسز گریگوری پڑھنا ختم کرنے
کو کہتی تو اس کے دل سے ہزار ہزار دعائیں نکلتیں
کیونکہ پڑھنے کے بعد مسز گریگوری سے باتیں کرنے
میں اسے بڑا لطف ملتا تھا۔ اور جب وہ دونوں
ایک ہی گاڑی پر اکٹھی سیر کرنے جاتیں تو اس
کی خوشی اور لطف کا کیا ٹھکانا ہوتا ہوگا۔ سٹیلا
دل سے یہ چاہتی تھی کہ پیگی بھی اسکے ساتھ سیر کرنے
کو جایا کرے۔ اور اسکی خوشیوں کی حصّہ دار ہو (باقی پھر)

ایک کروڑپتی

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دنیا میں اکثر بڑے بڑے آدمیوں کی ابتدائی زندگی افلاس اور مصیبت میں گذری ہے۔ اس لئے ہم آپ کو زمانہ حال کے ایک کروڑپتی مسٹر کارینگی کا حال سناتے ہیں۔

مسٹر کارینگی ۱۸۳۵ء میں مقام ڈنفرم لائن ملک سکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ ایک جولاہا تھا۔ اس کا کاروبار دخانی کارخانے جاری ہونے کی وجہ سے بالکل تباہ ہو گیا اور وہ اپنی بیوی اور دو لڑکوں کو ساتھ لیکر امریکہ چلا گیا۔ کارینگی کی عمر اس وقت گیارہ سال کی تھی۔ وہ شہر پٹس برگ میں ایک روئی کے کارخانے میں تین روپے ہفتہ پر ملازم ہو گیا۔ جہاں وہ سورج نکلنے سے پہلے کام پر جاتا تھا۔ اور شام کے بعد گھر واپس آتا تھا۔

تیرہ برس کی عمر میں وہ ایک دوسرے کارخانہ میں انجن میں لکڑی ڈالنے پر ملازم ہو گیا چونکہ وہ کچھ لکھنا پڑھنا بھی جانتا تھا۔ اس سے کچھ عرصے بعد اسی جگہ منشی کا کام بھی کرنے لگا۔

۱۴ برس کی عمر میں وہ تار گھر کا چپڑاسی ہو گیا۔ تھوڑے عرصے میں اس نے تار کا کام بھی سیکھ لیا۔ اور اس کو ایک سو روپے ماہوار تنخواہ ملنے لگی۔ تیرہ برس تک وہ اسی کام میں لگا رہا۔ اور اس نے رفتہ رفتہ تجارتی کاموں میں روپیہ لگانا شروع کر دیا۔ پھر اس نے ایک چھوٹے سے کارخانے کے حصے خرید لئے۔ اور اپنا مکان گروی رکھ کر دو ہزار روپیہ ادا کیا۔ تھوڑے عرصے بعد اسے کافی منافع ملنے لگا۔ اب تو اسے تجارت کی چاٹ لگ گئی اور کارخانوں کے اور حصے خریدنے شروع

کر دیتے۔ وہ دن بدن ترقی کرتا گیا۔ قسمت
سب جی تھی۔ اب اس نے لوہے کا کام بھی جاری
کر دیا۔ اور لکڑی کی جگہ لوہے کے پل بنوانے
کے ٹھیکے لے لیئے۔ پھر اس نے فولاد کا کارخانہ
کھولا۔ اور اس کام میں یہاں تک ترقی کی۔ کہ
اس کے کارخانے میں پچیس ہزار آدمی کام
کرنے لگے۔ سن ۱۹۰۱ء میں اس منافع کی تعداد
جو ان کمپنیوں سے اس کو حاصل ہوا بارہ کروڑ
روپیہ تھی۔ مسٹر کارنیگی بہت نیک اور فیاض
شخص ہے۔ وہ اپنی دولت کو رفاہِ عام کے
کاموں میں خرچ کرتا ہے۔

اس نے ہسپتال بنوائے ہیں۔ مدرسے
قائم کیئے ہیں۔ یونیورسٹی کو لاکھوں روپے عطا
کر دیئے ہیں۔ عجائب خانوں کی بنیادیں
رکھی ہیں۔ غریب خانوں کو اس کی امداد حاصل
ہے۔ واقعی مسٹر کارنیگی کو دولت حاصل کرنے
کے بہترین، سب سے اچھے طریقے معلوم
ہیں۔ اس کی زندگی بہت خوشی میں بسر ہوتی۔

مجبوب عالم

لطیفہ

ایک آدمی اپنی جیب میں دس عدد انڈے
لیئے جاتا تھا۔ راستے میں اس کو ایک دوست
ملا۔ انڈوں والے نے کہا۔ اگر تم یہ بتا دو۔
کہ میری جیب میں کیا ہے۔ تو ان میں سے
میں ایک انڈا تم کو دونگا۔ اور اگر یہ بتا دو کہ
کتنے ہیں تو دس کے دس تمہارے۔

پہلے نے جواب دیا۔ کہ میں کوئی نجومی
نہیں ہوں۔ تم رنگت وغیرہ بتاؤ

اُس نے کہا کھانے کی چیز۔ رنگ
زرد اور سفید۔

اُس نے فوراً جواب دیا۔ کچھ مولیاں
اور کچھ گاجریں۔

سری رام ترکھ

حجابِ زندگی

اور دیگر افسانے

مصنفہ

سیّد عابد علی عابد بی اے

موثر اور دلکش مختصر افسانوں کا ایک حیرت انگیز مجموعہ ہے جسمیں فطرت انسانی کے مختلف غوامض و رموز کو ایک جدید اور رنگین اندازِ بیان میں منکشف کیا گیا ہے گنامی پر اسرار حقیقت اور اُس کے لوازمات کا اثر جسطرح انسانی خصائل کو متاثر کرتا ہے ان کی ایک مکمل تشریح ہے۔ جو افرادِ قصہ کی زبانی فصیح و بلیغ عبارت میں بیان کی گئی ہے قیمت عہ۔ زندگی کے حقائق و دقائق کا مرقع دیکھنا چاہو تو حجاب زندگی پڑھو

جو ۱۹۲۴ء کی کامیاب ترین تصنیف ہے

ملنے کا پتہ

دار الاشاعت ادب لطیف چیمبرلین روڈ لاہور

آخری
سادہ سلیس زبان میں
چھپائی دیدہ زیب قیمت ۵ر
نوٹ
ان کتابوں کے علاوہ دیگر
کی کتابیں
سے مل سکتی ہیں :—
جناب مولوی
لاہوری
ملنے کا پتہ
آخری

قیمت سالانہ پانچ روپیہ

قیمت ششماہی عا فی پرچہ ۲ر

نونہال

لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے کہانیوں سبقوں اور نظموں کا باتصویر ہفتہ وار مجموعہ

ایڈیٹر حکیم احمد شجاع بی اے (علیگ)

جلد ۳	اشاعت مورخہ ۸ جون ۱۹۲۴ء	نمبر ۲۱

فہرست مضامین

دلچسپ معلومات

عجیب الخلقت بچّہ:- ۲۳ اپریل کو فیض آباد محلہ سبزی منڈی میں ایک گھسیارن کے دو بچے پیدا ہوئے تھے۔ ایک بچے کے پیر چوپایوں کی طرح تھے۔ اور دوسرے کے ہاتھ ندارد۔ پیروں والا بچّہ تین گھنٹہ تک زندہ رہا۔ اور دوسرا بچّہ مرا ہوا پیدا ہوا تھا۔ ماں زندہ ہے۔

ایک عجیب الخلقت طالبعلم:- اس سال فلسفہ میں الہ آباد یونیورسٹی کا آخری امتحان دینے کے ایک ایسا طالب علم شامل ہوا ہے جو اڑھائی فٹ اونچا ہے۔ اس کے دونوں پیر اور ایک ہاتھ ایک ایک بالشت کے ہیں۔ داہنا ہاتھ ایک ایک بالشت کے ہیں۔ داہنا ہاتھ مضبوط اور تقریباً ۵ سال کے بچے کا سا ہے لیکن سر معمولی نوجوانوں کے سر کی طرح ہے۔ وہ چل پھر نہیں سکتا۔ اور بچوں کی ہوا کھانے کی گاڑی پر لاکر بٹھا دیا جاتا ہے۔ وہ بہت ہی کم بولتا ہے۔ اور جب بولتا ہے تو نہایت سنجیدگی سے۔

دو خوش نصیب طالب العلم پنجاب یونیورسٹی کے امتحان میٹریکولیشن میں گورنمنٹ ہائی سکول قصور کے ایک مسلم طالب علم حافظ عبد المجید نے ۶۵۹ نمبر حاصل کئے ہیں۔ اور وہ سارے صوبہ میں اوّل رہا ہے۔ اس سے دوسرے درجہ پر وزیر آباد وی ڈی جی ہائی سکول کا ایک مسلمان طالب علم چوہدری غلام حیدر ہے جس نے ۶۱۶ نمبر حاصل کئے ہیں۔

یہ ہر دو سکول اور ہر دو طلبہ اس نمایاں امتیاز کے لئے مستحق مبارکباد ہیں۔ اگر ان ہونہار و ذہین طلبہ کو حسب دلخواہ موقعہ حاصل ہو جائے تو انشاء اللہ وہ قوم و ملک کے لئے آفتاب و ماہتاب ثابت ہونگے۔ 	**ایڈیٹر**

تعلیم

پھر وہی جوشِ جنوں ہے پھر وہی سودائے علم
پھر وہی شوقِ بیاباں پھر وہی صحرائے علم

جلوہ ہائے علم سے پھر آج روشن ہے دماغ
دِل کے آئینے میں ہے پھر صورتِ زیبائے علم

شاخِ خامہ مدح لکھ کر سرو بالا بن گئی
جب لکھا قرطاس پر وصفِ قدِ رعنائے علم

کیا ارسطو کیا فلاطوں کیا سکندر بادشاہ
اپنے اپنے عہد میں ہر اک رہا شیدائے علم

کی تجارت نے ترقی کچھ نہ عالم میں مگر
تاجروں نے جب لیا اسکول سے سودائے علم

ہیں زمانہ میں ہزاروں فن صدہا علم و ہُنر
ہے مگر سب سے جُدا رنگِ فنِ والائے علم

بحرِ عالم میں اگرچہ ہے ہر اک دُرِ بے بہا
بیش قیمت ہے بہت لیکن دُرِ یکتائے علم

صنعت و حرفت نے بھی چاہا کریں کچھ ہمسری
ہو سکیں لیکن نہ ہرگز حسن میں ہمپائے علم

ہے یہ وہ دولت کہ جس کے سینکڑوں دُشمن بنے
لیگئے قزّاق صدہا لوٹ کر کالائے علم

علم کی وقعت نہیں ناقدرداں کے سامنے
قدر دانوں کو خُدا مِل جائے گر مِل جائے علم

علم کا عالم میں ہے اب یہ عروجِ عزّ و جاہ
ہے گلے میں طوقِ زرّیں کے عوض مالائے علم

لوگ کہتے ہیں کہ کچھ اسکول سے حاصل نہیں
مَیں یہ کہتا ہوں کہ ہے اسکول ہی ماوائے علم

عالمِ طفلی سدا لہو و لعب ہی میں کٹا
اب جوانی کہہ رہی ہے ہائے علم و ہائے علم

مثلِ افلاطوں چلوں مَیں بھی طریقِ علم پر
کاش مِل جائے مجھے بھی راہِ نقشِ پائے علم

(باقی پھر) شعلہ

ہارون رشید کی علمی قدردانی

خلیفہ ہارون رشید کی نیکیوں کا تمام دُنیا میں شہرہ ہے۔ یہ علم اور عالموں کا بڑا قدردان تھا۔ اس کے زمانہ میں ابو معاویہ نامی ایک نابینا عالم تھے۔ وہ ایک بار دربار میں تشریف لے گئے۔ اور ہارون رشید کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہُوا۔ ہاتھ دھونے کے لئے سیلاب چی ان کے سامنے لائی گئی۔ اور خود بادشاہ نے اُن کے ہاتھ دُھلاتے۔ ابو معاویہ ہاتھ دھونے لگے۔ مگر اُن کو نہ معلوم ہُوا کہ ہاتھ دُھلانے والا کون ہے۔ ہارون رشید نے کہا:۔

ابو معاویہ! آپ کو معلوم ہُوا کہ آپ کے ہاتھوں پر پانی کس نے ڈالا۔

ابو معاویہ۔ نہیں امیر المومنین!

ہارون رشید۔ خود مَیں نے آپ کے ہاتھ دھلاتے ہیں

ابو معاویہ کو یہ سُنکر نہایت درجہ حیرت ہوئی اور پوچھا کہ کیا امیر المومنین نے علم و فضل کے احترام اور عزّت کے خیال سے ایسا کیا۔

رشید۔ جی ہاں۔

ابو معاویہ یہ سُنکر خاموش ہو گئے۔ مگر خلیفہ کی اس علمی قدردانی سے اُن کا دل باغ باغ ہو گیا۔

تم نے دیکھا ہارون رشید کتنا بڑا خلیفہ اور مسلمانوں کا بادشاہ تھا۔ مگر اس کے دل میں علم اور علما کی کیا عزّت تھی۔ کہ ایک عالم کے ہاتھ دھلانا اس نے اپنے لئے باعثِ فخر و عزّت خیال کیا۔ یہی علمی قدرشناسی تھی جس کی بدولت اُس کے زمانہ میں مسلمانوں نے اسقدر علمی ترقیاں کیں۔ جو پھر کسی زمانہ میں نہ ہو سکیں

محوی صدیقی

ایک بخیل کا عہد

اتفاق سے ایک بخیل کوئیں میں گر پڑا اور رات بھر اُسی میں پڑا رہا۔ جب صبح کو لوگ پانی بھرنے آتے۔ تو دیکھا کہ یہ کوئیں میں بےحس و حرکت پڑا ہُوا ہے۔ اور مرنے کے قریب ہے۔ یہ دیکھ کر ایک شخص کوئیں میں اُترا اور بخیل سے کہا کہ مجھے اپنا ہاتھ دیدے تاکہ تجھے کوئیں سے باہر نکال لوں لیکن بخیل نے اپنا ہاتھ نہ دیا۔ اُس نے دوبارہ پھر یہی کہا مگر اس مرتبہ بھی اُس نے اپنا ہاتھ نہ بڑھایا اور پانی میں ڈوب گیا۔ اس کے ڈُوب جانے کے بعد جو شخص پانی میں اُترا تھا۔ وہ باہر نکل آیا۔

جب بخیل کے ڈُوبنے کی خبر اس کی بیوی نے سُنی تو بہت خوش ہُوئی۔ لوگوں نے اُسے خوش دیکھ کر پُوچھا۔ تیرے لئے تو یہ وقت ماتم کرنے کا ہے اور تو خوش ہوتی ہے۔

عورت نے کہا کہ میرے بخیل شوہر نے یہ عہد کیا تھا۔ کہ وہ کسی کو کوئی چیز کبھی نہ دیگا۔ اس لئے اُس نے تمہیں اپنا ہاتھ نہ دیا اور مر گیا۔ ہاں اگر تم یہ کہتے کہ لو میرا ہاتھ پکڑو۔ تو اپنے ہاتھوں کو تمہاری طرف بڑھا دیتا۔

رضیہ خاتون

اطلاع: جو صاحب جولائی ۱۹۲۲ء سے رسالہ کے خریدار ہوتے ہیں انکو چاہئے کہ آئندہ خریداری کیلئے اسی مہینے میں چندہ سالانہ ذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ اور جو صاحب آئندہ خریدار رہنا نہیں چاہتے انکو چاہئے کہ ۱۵ جون تک دفتر میں اطلاع فرمادیں۔ تاکہ ۲۹ جون کا رسالہ اُن کی خدمت میں وی پی نہ بھیجا جائے۔ مینیجر

گوتم بدھ

ایک دفعہ ایک چھوٹا سا لڑکا تالاب کے کنارے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا برسات کا موسم تھا مینڈک کثرت سے تھے۔ اور لڑکے انہیں پتھروں سے مار رہے تھے۔ لڑکوں کو پتھر سے مارتے ہوئے دیکھکر اس نے بھی مینڈکوں کو پتھر مارنے کا ارادہ کیا۔ اور ایک پتھر اُٹھا کر ایک چھوٹے سے مینڈک کو مارنے کے لئے آگے بڑھا۔ کہ یکایک اُسے ایک آواز سُنائی دی۔ گویا کوئی اس سے کہتا ہے۔ "بیچارے مینڈک نے تیرا کیا بگاڑا ہے جو تو اُسے مارتا ہے۔ کیا تجھے اس پر رحم نہیں آتا"۔ اس آواز کے سُنتے ہی وہ دوڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس گیا اور سارا قصہ بیان کیا۔ اس کی ماں نے جوابدیا۔ "اے میرے لعل! یہ آواز کسی دوسرے شخص کی نہ تھی۔ بلکہ یہ تمہارے ہی دل کی آواز تھی جسے ضمیر کہتے ہیں۔ جب تم کوئی کام کرنا چاہتے ہو۔ تو یہ آواز تمہیں نیک راستے کی رہنمائی کرتی ہے۔ مگر جو لوگ اس کا کہنا نہیں مانتے ان میں یہ آواز بہت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور اسی طرح عادت پڑتے پڑتے ان میں اس آواز کا احساس بھی باقی نہیں رہتا اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اکثر چوری کرتے، جوا کھیلتے، اور ڈاکہ مارتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔

ماں نے اپنے اس چھوٹے بچّے کو نصیحت کی کہ اے میرے پیارے بچّے جبتک تم زندہ رہو ہمیشہ اس آواز پر عمل کرتے رہنا اور کبھی اس کے خلاف نہ کرنا چنانچہ ماں کی اس نصیحت کا لڑکے پر اسقدر اثر ہوا کہ وہ ہمیشہ ہر کام اپنے دل کی آواز (ضمیر) سے اجازت لیکر کیا کرتا۔ یہانتک کہ آج بھی وہ دُنیا میں ایک بڑے عالم و فاضل شخص کی طرح مشہور ہے جسے لوگ گوتم بدھ کہتے ہیں۔

شیام کشور

کبیر اور اسلم

کبیر اور اسلم آپس میں بڑے دوست تھے۔ اسلم کا والد شیخ عقیل احمد ایک امیر آدمی اور قصبہ بھر میں اس کی بڑی عزّت تھی۔ دولتمند آدمی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اسلم نہایت شریر اور بیباک تھا اس کا تمام وقت فضول کھیل تماشوں، بیہودہ شغلوں اور آوارہ گردی میں ہی گذرتا۔ وہ کبھی سکول کا کام نہ کرتا تھا۔ کبیر ایک غریب بڑھئی کا لڑکا تھا۔ اسے ماں باپ ہر چند روکتے کہ بیٹا تم اسلم کے ساتھ نہ پھرا کرو۔ اس کا ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔ شریر لڑکا ہے۔ اس کی وجہ سے کبھی تمہیں وہ مُصیبت اُٹھانی پڑیگی۔ کہ اس دوستی کا مزہ آجائے گا۔ لیکن لڑکپن میں کچھ تو سمجھ کم ہوتی ہے اور کچھ بے پروائی۔ لاکھ سر پٹکو لڑکے والدین اور اُستاد کے کہنے کو فضول ہی خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ کبیر اپنی عادت سے نہ ہٹا جب موقع ملتا ضرور اسلم کے ساتھ مل کر قصبے کے گرد ایک آدھ چکّر لگا کے چھوڑتا۔

ایک دن چھٹّی کا دن تھا۔ دونوں دوست آوارہ گردی کے راستے کاٹتے ہُوئے ایک باغ میں جا پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ مالی کی بیٹھے بیٹھے کچھ آنکھ لگ گئی تھی۔ اور کوئی دیکھنے والا تھا نہیں۔ لگے اُچھل اُچھل کر ہاتھ مارنے اور کچّے پکّے امرود توڑنے۔ اسلم نے ایک امرود کی طرف ڈھیلا مارا۔ وہ ایک کوّے کے گھونسلے میں جا لگا۔ اب کیا تھا۔ کوّے نے ایسی کائیں کائیں شروع کی۔ کہ چاروں طرف سے بیشمار کوّے اُمنڈ آئے۔ اور ایک شورِ عظیم برپا ہوگیا۔ مالی جاگ اُٹھا۔ اور آپہنچا۔ اسلم کو وہ جانتا تھا اس لئے لعنت ملامت

پر ہی بس کر گیا لیکن کبیر کی شامت آگئی۔
ایک غریب بڑھئی کا لڑکا اور یوں پھل توڑنے
کی جرأت کرے۔ مالی نے اپنا پرانا سا جوتا
نکالا اور اس کی خوب گت بنائی جب بہائی
پاکر باغ سے باہر نکلے تو اسلم نے اسے بڑی
تسلّی دی۔ "کبیر بھائی۔ دیکھو تم اپنے گھر جا کے
ذکر نہ کرنا۔ مَیں کسی وقت ابّا سے کہکر اس بذات
مالی کی خوب خبر لونگا۔ یہ تو ابّا نے ڈپٹی صاحب
سے کہکر اسے ٹھیکہ دلوا دیا تھا۔ لیکن یہ ایسا
احسان فراموش ہے کہ ہماری ذرّہ بھر بھی
پروا نہ کی۔ خیر اچھا مَیں اس سے سمجھونگا۔
کچھ دن کے بعد پھر اسی طرح دونوں دوست
سیر کے لئے چل نکلے۔ اور ریلوے اسٹیشن پر
پہنچے۔ تھوڑی سی دیر تو ادھر اُدھر پھرتے رہے
لیکن میاں اسلم جب تک کسی چیز کو اچھی
طرح چھیڑ کر توڑ پھوڑ نہ لیں انہیں کبھی چین
نہ آتے۔ وہاں ایک دو مال گاڑیاں کھڑی
تھیں ان کے حلقوں اور زنجیروں کو خوب ہلایا
پھر ایک ٹھیلے پر ہاتھ جا مارا۔ اس کے دھکیلنے
کی کوشش کی لیکن اس کے پہیوں میں زنجیر
ڈال کر تالا لگایا ہوا تھا۔ اس لئے کچھ کر نہ سکے
اسے چھوڑا تو سگنل قریب ہی تھا۔ اس کی کل
کو دبانا شروع کر دیا۔ پاس ایک چوکیدار
پھر رہا تھا۔ چپکے سے دونوں کو آپکڑا۔ اور گھسیٹتا
ہوا اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گیا۔ اس نے
حکم دیا کہ پولیس کے حوالے کر دو۔ اب تو اسلم
صاحب خوب پھوٹ پھوٹ کر چلّانے۔ "ہائے
رے کوئی میرے باپ کو جا بتلانے۔ شیخ عقیل احمد
کو..... اسٹیشن ماسٹر شیخ عقیل کو جانتا تھا۔
اس لئے یہ نام سُنکر انہیں چھوڑ دیا لیکن کبیر
کے پانچ سات جوتے اور تھپڑ لگے۔ اور
قصور وار بھی اسی کو ٹھیرایا گیا۔ اسلم کو صرف
اتنا کہا۔ کہ دیکھو تم شیخ عقیل کے لڑکے ہو اور
وہ میرے دوست ہیں۔ اس لئے معاف کرتا

ہوں لیکن آئندہ کبھی ایسی شرارت نہ کرنا ان
چیزوں کو چھیڑنا بڑا جرم ہے میں تمہارے
والد سے کہونگا کہ تم بڑے نالائق لڑکے ہو۔
اور نکمّے لڑکوں کے ساتھ پھرا کرتے ہو۔

میاں کبیر صاحب سر اور منہ ملتے ہوئے
اور آنکھیں پونچھتے ہوئے گھر آئے۔ شیخ اسلم
کا کچھ بھی نہ بگڑا۔

چونکہ یہ تمام دن انہوں نے یونہی ضائع
کر دیا تھا۔ اس لئے سکول کا کام اسلم نے
تو خیر کرنا ہی کیا تھا۔ کبیر بھی کچھ نہ کر سکا دوسرے
دن ماسٹر صاحب نے کہا کہ سوال لاؤ۔ جو
کل کرنے کے لئے دئے تھے لیکن کیا خاک
لاتیں۔ انہوں نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا بلکہ
یاد ہی اب آیا۔ کہ ہاں سوال ملے تھے۔ کبیر کو
خوب سزا ملی۔ نصف درجن بیت ہاتھوں
پر رسید ہوئے لیکن جب اسلم کی باری آئی۔
تو ماسٹر صاحب کو خیال آیا کہ اس کا باپ
اچھا اور امیر آدمی ہے۔ اگر اسے سزا
دی تو ایسا نہ ہو کہ شیخ صاحب ناراض
ہو جائیں۔ اس لئے یہ کہہ کر ٹال دیا۔ اچھا
چونکہ اسلم ایک امیر لڑکا ہے اور جرمانہ دے
سکتا ہے۔ ہمیں جرمانہ لینے میں فایدہ ہے
اس لئے اسے سزا نہیں دی جاتی۔ اور
دو آنے جرمانہ کر دیا جاتا ہے۔ اسلم کل لیتے
آنا۔ اسلم بولا کہ جی بہت اچھا۔

اس قصّے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ایسے
لوگوں کے ساتھ ہرگز دوستی کا آرزو مند نہ
ہونا چاہیئے۔ کہ جن سے مل کر سراسر ہمارا
ہی نقصان ہو۔ خطائیں تو کوئی کرے لیکن
اس کی بلا ہم پر گرے۔ ہمیں سزا بھگتنی
پڑے اور وہ صاف بچ جائیں۔ لہٰذا ایسے
لوگوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

محمد شریف

عبرت اور پشیمانی

عبدالعلیم ایک اعلےٰ سرکاری عہدہ پر معمور تھے۔ خانصاحب کا خطاب ملا ہُوا تھا شہر کے بڑے آدمیوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ چھ سات سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے مگر ایک پائی نہ بچتی تھی۔ عبدالعلیم کی بیوی اگرچہ کفایت شعار تو نہ تھیں مگر کفایت شعاری کا خیال ہر وقت دل میں رہتا تھا میاں کو سمجھایا کرتی تھیں یہ انسان کو دُور اندیشی سے کام لینا چاہیئے۔ نسیم کو پڑھانا ہے۔ شادی بیاہ کرنا ہے۔ ذرا ہاتھ روک کر خرچ کیا کرو۔ میاں بیوی کی باتوں کو سُنکر یہ جواب دیدیا کرتے تھے کہ خُدا مالک ہے

نسیم، خانصاحب عبدالعلیم کا اکلوتا بچّہ تھا چار بچوّں میں ایک جتنا لاڈ ہو کم جتنی ناز برداری ہو بجا۔ اگر گھڑی بھر کو میاں نسیم ماں کی نظر سے اوجھل ہو جاتے تھے۔ تو اس بیچاری کو ایک ایک لمحہ گذارنا دشوار ہو جاتا تھا۔ باپ دروازہ سے نسیم نسیم کا سبق پڑھتے ہوئے گھر میں گھستے تھے۔ بیچاری غمزدہ ماں اور مُصیبت زدہ باپ کی زندگی کا سہارا محض ایک میاں نسیم ہی کی ذات تھی۔ دُنیا کی ہر نعمت میاں نسیم کے لئے ہر وقت موجود۔ اچھّے سے اچھّا کھانے کو عمدہ سے عمدہ پہننے کو۔ جب نسیم کی عمر آٹھ سال کی ہُوئی تو باپ کو اس کی تعلیم کا خیال پیدا ہُوا عبدالعلیم چاہتے تھے کہ میرا بچّہ بھی میری طرح صاحب عزّت ہو تاکہ میرے مرنے کے بعد میرا نام دُنیا میں روشن رہے۔

بڑی دھوم دھام کے ساتھ میاں نسیم کی بسم اللہ ہُوئی۔ تمام کنبہ برادری کو دعوت دی گئی مٹھائی تقسیم ہُوئی۔ پندرہ روپیہ اور کھانے

پر ایک حافظ صاحب کلام مجید پڑھانے کے لئے رکھے گئے۔ حافظ صاحب نے اپنی تمام قابلیت ختم کر دی۔ مگر میاں نسیم نے چار سال میں کلام مجید کے چند پاروں کے سوا کچھ نہ پڑھا۔

آخرکار یہ رائے قرار پائی کہ کلام مجید پڑھانے میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے جب تعلیم سے فارغ ہو جائیگا۔ خود کلام مجید پڑھ لیگا۔ بارہ سال کی عمر اور لاڈلے بیٹے پہلی جماعت میں داخل ہوئے۔ ایک غریب یکہ چلانے والے کا لڑکا شمو۔ بستہ برداری کے لئے رکھا گیا۔ گھر پر پڑھانے کے لئے ماسٹر ملازم رکھے گئے۔ ماں نے ماسٹروں کو تاکید کر بھیجی کہ میرے بچہ کا دل تھوڑا ہے۔ گھڑکنا جھڑکنا نہیں۔ پیار سے پڑھانا۔ چھ سال تک ماسٹروں نے بھیجا کھپایا اور شمو نے کتابیں ڈھوئیں مگر میاں نسیم کورے کے کورے ہی

رہے۔ لاڈلے صاحبزادے پڑھتے پڑھتے اُکتا گئے۔ پڑھنا لکھنا چھوڑ دیا۔ عالم فاضل ہو گئے۔ شمو بلا کا ذہین تھا۔ اس نے بھی اس عرصہ میں دیکھا دیکھی تھوڑی بہت اُردو پڑھ لی۔ نسیم کے باپ سخت بیمار ہوئے آٹھ دن پڑے رہنے کے بعد انتقال ہو گیا۔ اب نسیم اور نسیم کی ماں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ تمام عیش و آرام خاک میں مل گئے۔ ایک ایک کر کے سب نوکر علیحدہ کر دیے گئے۔ شمو بیچارہ بھی علیحدہ ہو گیا۔

جس مدرسہ میں میاں نسیم پڑھتے تھے۔ ایک چپراسی کی ضرورت تھی۔ شمو کو خدا جانے کہاں سے خبر لگ گئی۔ جا کر خوشامد کی ہاتھ پیر جوڑے آٹھ روپیہ ماہوار کا نوکر ہو گیا۔ دن رات بچوں کو پڑھتے دیکھ کر شمو کو جو پہلے ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوقین تھا۔ بڑ[illegible] پھر پیدا ہوا۔ ایک ماسٹر کی [illegible]

صاحب نہے نیک۔ خیال کیا کہ لڑکا شوقین معلوم ہوتا ہے۔ اسکول کے بعد پڑھانے پر رضامند ہو گئے۔ شمو دن رات ماسٹر صاحب کی خدمت کرتا تھا۔ ماسٹر صاحب بھی اس کو بڑی محنت سے پڑھاتے تھے۔ ایک سال کی محنت میں اس نے چوتھی جماعت کے لڑکے کی برابر قابلیت پیدا کر لی۔ سال بھر کے بعد ماسٹر صاحب کا تبادلہ ہو گیا۔ شمو بھی استعفا داخل کر ماں باپ کو چھوڑ ماسٹر صاحب کے ساتھ چلدیا۔ غرض اڑھائی سال کی محنت کے بعد شمو نے پنجاب یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کر لیا۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد ماسٹر صاحب کی بدولت اسی مدرسہ میں پچیس روپیہ ماہوار کی جگہ مل گئی اب شمو۔ شمو نہیں رہے تھے۔ اب وہ ماسٹر شمشاد علی ہو گئے۔ دو سال کے بعد شمشاد علی نے پرائیویٹ ایف۔ اے کا امتحان دیا۔ اعلیٰ طلباء میں کامیاب ہوئے۔ اب ان کی تنخواہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے چالیس روپیہ کر دی۔ دو سال کے بعد بی۔ اے کا امتحان پاس کر کے قانون پڑھنا شروع کر دیا۔ خدا نے اس میں بھی کامیاب کر دیا۔ چونکہ شمشاد علی بیحد ذہین تھا وکالت بہت جلد اچھی خاصی چل نکلی۔

ایک دن شمشاد علی کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ خدا جانے نسیم کا کیا حشر ہوا۔ زندہ ہے یا مر گیا۔ اور نسیم کے نام ایک مفصل خط لکھا جس میں اوّل سے آخر تک شمشاد علی نے اپنی تعلیم کا حال لکھا تھا۔ دوسرے دن صبح کو یہ خط نسیم کو ملا۔ لفافہ کے کونے پر لکھا ہوا تھا مرسلہ شمشاد علی بی۔ اے ایل ایل بی وکیل نسیم اس نام سے بالکل ناواقف تھا۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میرے ملنے والے تو نہایت غریب آدمی ہیں۔ شاید والد مرحوم کے کسی دوست نے بھیجا ہو۔ خط کھولا۔ مضمون

پڑھنا شروع کیا خط کا ایک ایک لفظ میاں
نسیم کے دل پر نشتر کا کام کر رہا تھا۔ اس سے
ضبط نہ ہو سکا۔ آنسو اس کے رخساروں پر
ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اس کی نظروں میں تمام
گذشتہ واقعات کا نقشہ کھنچ گیا۔ اب وہ اپنی
نادانی پر افسوس کر رہا تھا۔ کہ میں نے کچھ نہ کیا۔
میں نے اپنی عمر کا بہترین حصّہ برباد کر دیا۔
افسوس باپ کی عزّت میرے کچھ کام نہ آئی سرکار
نے مجھ کو دس روپیہ ماہوار کی بھی جگہ دی۔ میرا
ایک ادنے خادم آج بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی
وکیل ہو گیا۔ اور میں اتنے بڑے اور معزز شخص
کی اولاد ہو کر ایک بنئے کے ہاں کرایہ وصول
کرنے پر بارہ روپیہ ماہوار پاؤں۔ اور میری بڑھیا
ماں اس بڑھاپے میں سلائی کے کپڑے سی کر
اپنا پیٹ پالے۔ ہائے میں نے علم حاصل
نہ کیا۔ دنیا میں عزّت اور دولت سب علم ہی
کی بدولت ہے۔

شوکت علی فہمی

نصیحتیں

(۱) امریکہ کا ایک عالم لکھتا ہے کہ کاہلی ایک
قسم کا زنگ ہے جو انسان کی زندگی کو خراب
کرتا ہے۔ اگر تجھے اپنی زندگی پیاری ہے۔
تو وقت ضائع نہ کر۔ کیونکہ زندگی وقت کا دوسرا
نام ہے۔

(۲) ضرورت سے زیادہ مت سو۔ کیونکہ سوتا ہوا
شیر شکار نہیں کر سکتا۔ اس لئے وقت سب سے
بیش قیمت چیز ہے۔ اس کو ضائع کرنا عقلمندی
نہیں۔ ہمّت کرو اور جنگجو آدمی کی طرح جو کرنا
ہو کر ڈالو، اور آج کا کام کل پر مت چھوڑو۔

(۳) اگر طبیعت میں سستی اور کاہلی ہو تو ہر کام
اہم اور مشکل نظر آتا ہے مگر جب دل میں شوق
اور ارادہ ہوتا ہے تو ہر کام آسان ہو جاتا ہے
کاہلی مفلسی کی دلیل ہے محنتی شخص کبھی بھوکا نہیں رہتا
اور نہ کبھی کسی کا مقروض نہیں ہوتا اور نہ وہ کسی سے
ڈرتا ہے محنت نیکبختوں کی نشانی ہے اور کاہلی بدبختوں کی

طلبہ کے لئے چند قابل قدر مفید باتیں

پیارے طالبعلمو۔ دُنیا چند روزہ ہے۔ انسان کو ایک نہ ایک دن اس دُنیا سے چلنا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیے کہ اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کریں۔ جن کے لئے اس قادر مطلق پرماتما نے ہمیں اس دُنیا میں بھیجا ہے اور کوئی نہ کوئی یادگار ایسی چھوڑ جائیں کہ آئندہ زمانے کے آدمی ہمیں یاد کریں۔ اور ہماری باتوں سے سبق سیکھیں۔

اوّل سب سے مقدم تندرستی ہے۔ اس کے بغیر لاکھوں روپے ہیچ ہیں۔ اس واسطے حفظانِ صحت کا پابند رہنا مقدم ہے۔ جس میں مفصلہ ذیل باتیں لازمی ہیں۔

(۱) صاف تازہ ہوا (۲) بھوک کے مطابق صاف اور سادہ غذا کھانا (۳) نیند بھر کر سونا (۴) روزمرّہ یا دوسرے تیسرے صاف تازہ پانی سے نہانا (۵) صاف اور سادہ لباس۔ (۶) کافی ورزش اور محنت۔ طالب علم ان پر اس طرح کاربند رہ سکتا ہے۔

صبح سویرے اُٹھو اور ضروریات سے فارغ ہوکر اشنان وغیرہ سے فارغ ہوکر تھوڑی دُور تک سیر کرو۔ اور نت کرم یعنی سندھیا اُپاسنا بھی ضرور کرو۔ گرمیوں میں سکول ۶ بجے کھلتا ہے۔ فارغ ہوکر سکول چلے جاؤ۔ دُعا کے بعد اپنے کمروں میں ادب سے جا بیٹھو۔ سبق کو نہایت غور سے سُنو۔ اور ایسی باتیں جو اس وقت یاد نہ رہ سکیں نوٹ کرلو۔ مثلاً مشکل سوالات۔ مشکل الفاظ کے معنی۔ ایسے ہی ہر مضمون کے متعلق مشکل باتیں۔ بارہ بجے گھر آکر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد کھانا کھاؤ۔ اور گھنٹہ بھر آرام کرو۔ پھر ۴۔ ۵ بجے

تک اپنے سبقوں کو یاد کرو۔ پھر سیر یا کھیل کے میدان میں چلے جاؤ۔ گرمیوں میں حسب ضرورت گھنٹہ آدھ گھنٹہ مطالعہ کرو۔ اسی طرح جاڑوں میں دس بجے سکول کھلتا ہے۔ راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ ۵ بجے دن چھپ جاتا ہے۔ ۴ بجے سکول سے آکر کھیلو۔ اور سیر کرو۔ وہاں سے آکر ہاتھ مُنہ دھو سندھیا اُپاسنا کر کھانا کھاؤ اور ۷ سے ۹ غایت دس بجے تک مطالعہ کرو۔ تمام مشکل سبقوں کو خصوصاً اور آسان کا سرسری طور پر مطالعہ کرو۔ اور وقت پر سو جاؤ۔

بعض لڑکے جاڑوں میں سویرے بغیر ہاتھ مُنہ دھوتے اور ضروریات سے فارغ ہوئے بغیر مطالعہ کرتے ہیں۔ اس طرح کبھی مت کرو۔ نہاؤ دھوؤ۔ تھوڑی سیر کرو۔ اور اچھی طرح دن نکلے ۷½ بجے سے ۸½ یا ۹ بجے تک مطالعہ کرو۔ اور کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد کپڑے پہن ۱۵ منٹ یا آدھ گھنٹہ پہلے سکول چلے جاؤ۔ اور ہم جماعتوں سے جو ضروری باتیں ہوں کر لو۔

والدین کی اطاعت کو فرض سمجھو۔ کبھی اُن کے حکم کو مت ٹالو۔ جو حکم وہ دیں گے سوچ سمجھ کر تمہاری بھلائی کے خیال سے دیں گے۔ اگر کوئی ایسا حکم دیں۔ جو تمہارے لئے مضر ہو۔ لیکن ان کو اس کا علم نہ ہو۔ تو نہایت نرمی حلیمی۔ عاجزی سے اُن کو جتا دو۔ جاننے پر کبھی ایسا نہ کرنے دینگے۔ وہ دل سے اپنے بچّوں کا بھلا چاہتے ہیں۔

اُستاد کے حکم کو بھی ماں باپ کے برابر جانو۔ جو دل سے تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔ سعدی صاحب فرماتے ہیں۔ جورِ اُستاد بہ زمہر پدر یعنی اُستاد کا ظلم (مار پیٹ، دھمکانا باپ کی محبّت سے اچھا ہے۔ اچھے شاگرد اچھے اُستادوں کی ہی تعلیم کا نتیجہ ہیں۔

تمہاری گفتگو۔ اخلاق۔ برتاؤ نیک ہو

یہی تو علم کا منشا ہے۔ ورنہ تم میں اور اَن پڑھوں میں کیا فرق ہے۔

صحبت۔ ہمیشہ صحبت یا سنگت اچھی رکھو۔ شریر اور بد اخلاق لوگوں اور لڑکوں سے کبھی نہ ملو۔ صحبت سے ہی انسان انسان بنتا ہے۔ بُری صحبت سے تمہارا علم سب خاک میں مل جائیگا۔

پہلے زمانے میں طالب علم سخت محنتی ہوتے تھے۔ زمین پر سوتے تھے۔ طالب علمی کی اثنا میں خط نہ بنواتے تھے۔ آراستگی سے نہ رہتے تھے۔ اپنا اور اُستاد کا ہر ایک کام خود کرتے تھے۔ طلبہ تو طلبہ بادشاہوں تک محنت کشی کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ ناصر الدین بادشاہ اپنا تمام کام ہاتھ سے کیا کرتا تھا۔ انگریزوں میں ایک بڑا آدمی بڑے بڑے ستون اُٹھانے میں مشہور تھا۔ شہنشاہِ معظم جارج پنجم نے جہازرانی کا کام کیا۔ اور بڑے مشہور جہازران ہیں۔ شہنشاہ جرمنی کی بابت سُنا ہے۔ کہ ڈیڑھ من لکڑیاں روز پھاڑتے تھے۔ انگریزوں میں تو خاصکر بہت سے آدمی ملینگے۔ ہندوؤں میں مہاراج بھوج زمین پر سوتے اور بہت کم اشیاء ضرورت استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ترقی کرنی چاہتے ہو تو جسم کو جسمانی کام سے مضبوط رکھو۔ ذہن کو عمدہ ذہنی۔ ریاضی۔ اخلاقی کتابوں کے مطالعے سے ترتیب دو۔

مطالعہ۔ ہمیشہ علاوہ کتب درسی کے عمدہ اخلاقی کتابوں کا خواہ ریاضی کی ہوں۔ تاریخ جُغرافیہ کی ہوں۔ اخلاقی۔ مذہبی۔ سائنس کی ہوں۔ اپنی علمیّت کو بڑھاتے رہو۔

خدا کرے کہ میری باتیں تمہارے دِلوں میں گھر کریں۔ اور تم اُن پر کاربند ہونے کی کوشش کرو۔

دیویداس

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوانچند پروپرائیٹر چھپا اور دارالاشاعت ادب لطیف کے لئے سید افضال علی حسنی پبلشر نے شائع کیا)